بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ

بے شک اس میں آثار پہچاننے والوں کیلئے نشانیاں ہیں (پ ۱۴ حجر آیت ۷۵)

نئے مشاہدات اور معجزہ شق القمر

(اور نشاناتِ شق کے باقی رہ جانے کا قرآنی ثبوت)

(اور سگافوں کا عظیم انکشاف)
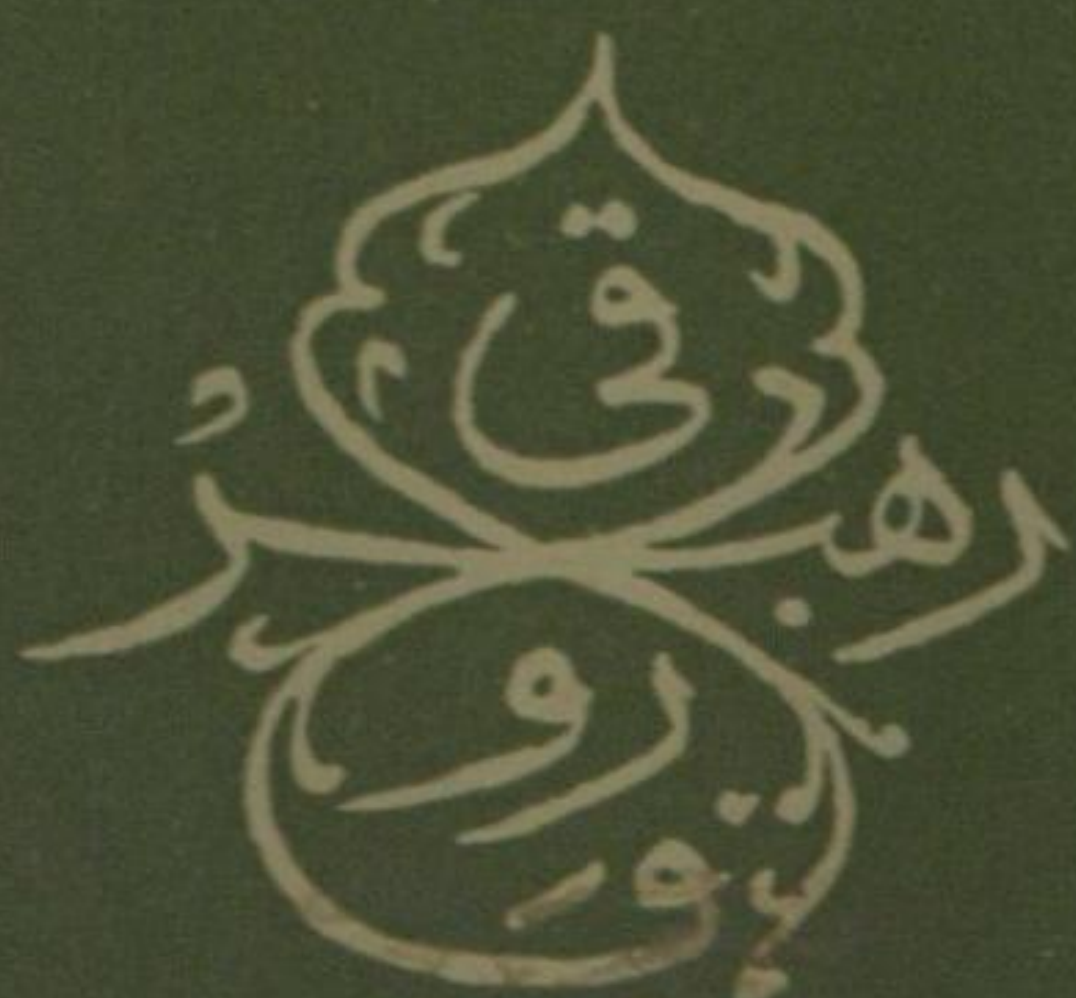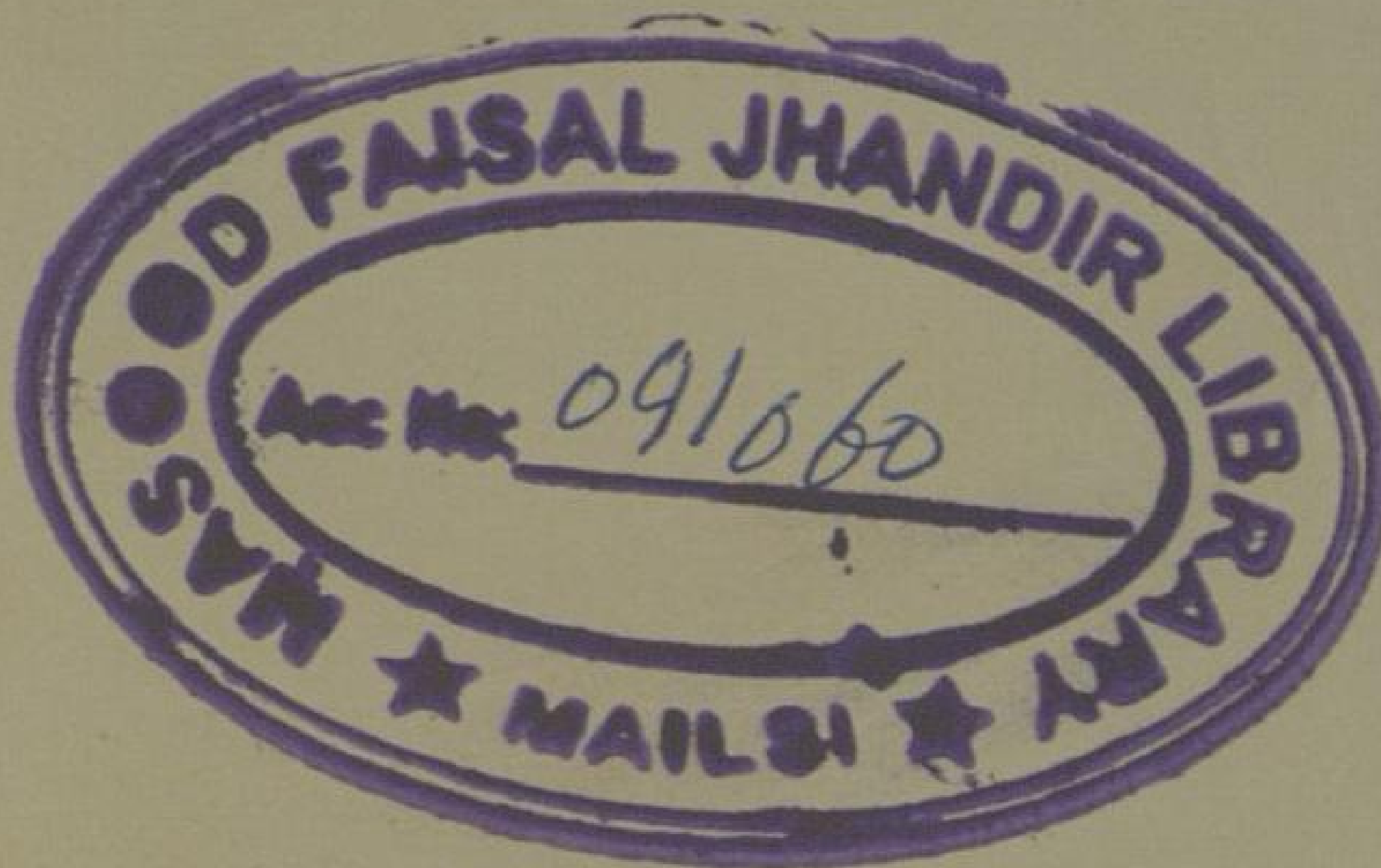
تالیف
ابنِ مظہر

جدید طرزِ تالیف کے اُصولوں پر مبنی، ہر اہم واقعہ کے پس منظر کے ساتھ
قرآن و حدیث و دیگر کثیر مستند ماخذات کی روشنی میں مرتبہ

تحقیقی مقالہ

نئے مشاہدات اور معجزۂ شق القمر

جسمیں

اس معجزہ کے تفصیلی حالات و واقعات کے علاوہ

آیاتِ کریمہ، احادیثِ صحیحہ، سائنس و ہیئت کے تازہ معلومات
اور نئے مشاہدات کی شہادتوں کے ساتھ، یہ ثابت کیا گیا ہے کہ
معجزہ سے شق ہونے والے چاند کے شگاف اور آثار علی حالہٖ باقی ہیں

(اور)

اس کے سوا باب اول میں، فلسفہ و کلام کی بحثوں کی
بجائے زمانۂ حال کے مذاق و شعور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے
نفسِ معجزہ کا اطمینان بخش تعارف بھی کرایا گیا ہے

از:

معین الدین رہبر فاروقی

باراول حیدرآباد (آندھرا پردیش) ہند ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء

کتابت سرورق اول و دوم — مولانا محمد جابر صاحب مدظلہٗ و جناب رشید نواب صاحب
کتابت عام — جناب محمد داؤد علی صاحب امام مسجد کمیلہ بیرون یاقوت پورہ
سرورق اور چاند کے عکس } وینس بلاک سروس معظم جاہی مارکٹ و
کے بلاک و طباعت } گولڈن پریس گولی گوڑہ و انتخاب پریس

تعداد طبع اول — پانچسو نسخے

قیمت — سات روپے

مِلنے کے پتے

(۱) مؤلف سے — بیرون یاقوت پورہ، محلہ اہلی بن ۱۷-۳-۵۰۴
حیدرآباد (۲۳) آندھرا پردیش (بھارت)

(۲) منیجر مخزن ہندوستانی ادویہ — سالار جنگ میوزیم روڈ - نیا پل حیدرآباد ۲

(۳) گڈ لینڈ بک سنٹر — چوک - حیدرآباد (۲)

(۴) مکتبہ نشاۃ ثانیہ — معظم جاہی مارکٹ حیدرآباد

مطبوعہ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان
حیدرآباد (آندھرا پردیش) بھارت

۷۸۶

نئے مشاہدات اور معجزۂ شق القمر

فہرست مضامین

باب اول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ (پ ۱۵ ۔ کہف ۔ آیت ۱)۔

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے کہ جس نے اپنے بندے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم) پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کچھ کجی نہ رکھی۔

نعت

یتیمے کہ ناکردہ قرآں دُرست   کتب خانہ چند ملّت بشست

(وہ رسولؐ) ایسا یکتا و بے نظیر کہ جنے امّی ہونیکے باوجود سارے عالم کے کتب خانے محو کر کے رکھ دئیے۔

بلند آسماں پیشِ قدرت خجل   تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

(اے کہ) تیری منزلت کے سامنے، یہ بلند آسمان بھی شرمندہ ہے، تو تخلیق پا چکا تھا جب کہ آدم ابھی آب و گل کے مرحلے میں تھے۔

تو اصل وجود آمدی از نخست   دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

ابتدائے آفرینش سے ہی تیری ذات جملہ موجودات کی اصل قرار دی گئی ہے اور سارا "عالم موجو" تو صرف تیری ایک شاخ اور ڈال ہے۔

ترا عزّ لولاک تمکین بس است   ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

(سعدیؒ)

تیری شان میں خدا نے جو "لولاک لما خلقت الافلاک" (اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو بھی پیدا نہ کرتا) فرمایا وہی اعزاز تیرے لئے کافی ہے اور طٰہٰ و یٰسٓ سے خطاب فرما کر تیری جو توصیف فرمائی ہے اس سے اونچی تعریف ہم سے ممکن نہیں۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ وَسَلَّمۡ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعائیں

(۱) رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ○
(پ ۱۵ - کہف - آیت ۱۰)

اے ہمارے رب! ہم کو اپنے پاس سے رحمت سرفراز کیجیے اور ہمارے کاموں میں درستی بخشئے۔

(۲) وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ (پ ۱۹ - شعراء - آیت ۸۴)

اور پچھلوں کے سامنے میری زبان سچی کیجیے۔

(۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَ دُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ وَ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ (حدیث شریف)۔

اے پروردگار! (بعجز عرض ہے کہ) مجھے اپنی پناہ میں رکھیے ایسے علم سے جو نفع نہ دے، اور ایسے قلب سے جس میں عاجزی و رقّت نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو، اور ایسے نفس سے جو آسودہ نہ ہو —— آمین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دیباچہ

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جس طرح نبوت اور تعلیماتِ حقانی، معجزوں میں منحصر یا اسکے محتاج نہیں، ایسے ہی آج بھی اسلام معجزۂ شق القمر کے ثبوت مکرر و تصدیق سے بے نیاز ہے۔ ہاں! اگر اسکی کوئی اہمیت و ضرورت ہے تو وہ صرف ہماری طمانیتِ قلبی، عقل و ذہن اور ایمان افروزی کے لئے ہے، کیونکہ گزشتہ چودہ صدیوں میں، دنیا پر اس دین کا برحق ہونا، اتنا روشن و ثابت ہو چکا ہے کہ مختلف دیار و امصار اور متعدد نسلوں میں، اسکی تعلیمات و احکام نے عملی نفاذ و صورت گری پا کر، دنیا کو جس عدل و انصاف، امن و راحت اور رحمت و برکت سے بھر دیا، اور تہذیب و تمدن و انسانیت و معاشرہ کو جتنا پاکیزہ کر دیا تھا اس کی مثالیں پھر کہیں دوسری جگہ صفحۂ ہستی پر نہ ابھر سکیں، مگر یہ کام مشکل اور صرف صاحبانِ بصیرت ہی کے بس کا ہے اس لئے عام سطح پر دنیا کے عمومی مزاج و حالات کے لحاظ سے سنتِ الٰہی نے قیامت تک ہر زمانہ کے واسطے واضح یا خفی کئی آثار و علامات کا "سلسلۂ ظہور" جاری و ساری رکھا ہے جن کی نسبت اسلام کے اولین ایام ہی میں نمایاں پیش خبریاں دی جا چکی ہیں جو بصورتِ تحریر، ثبوتاً چودہ سو سال سے مستند و معتبر طور پر محفوظ اور نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی چلی آتی ہیں، اور ان میں سے جن کو مصالحِ عالم و حکمتِ دین کے تحت ایجازاً و اشارۃً بیان کیا گیا ہے، جاننے اور پہچاننے والے ہمیشہ اپنے اپنے زمانوں میں ان سے متعارف کراتے چلے آتے ہیں۔

چھ برس پہلے ۱۹۶۲ء میں ہم نے اسی قسم کی ایک خدمت "قرآن پاک اور آسمانی پروازوں" کے نام سے انجام دی ہے اور جسے شائع بھی کیا جا چکا ہے، اس کتاب کے مختلف و متعدد مضامین میں سے ایک فصل "چاند کے تازہ مشاہدات اور معجزۂ شق القمر" پر بھی ہے، جسے آٹھ صفحات (۱۰۷ تا ۱۱۴) پر، ان تین ضمنی عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

۱۔ چاند پر پراسرار انشگاف اور دراڑیں، ۲۔ معجزۂ شق القمر کی تفصیل۔ قرآن کریم میں ۳۔ معجزہ شق القمر کا ثبوت۔

تحریری و علمی طور پر یہ کتاب سب سے پہلی ہے جس میں شق القمر کے آثار کی اس کے کرہ میں موجودگی کو واضح کیا گیا، اور ثبوت میں جدید مشاہدات کی طرف توجہ

میذول کراتے ہوئے تمام دنیائے علم و مشاہدہ اور خاص طور پر مسلمانوں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ
غیر مسلم اقوام تو صرف ذوقِ جستجو میں کسی متعین مقصد کے بغیر، ڈیڑھ سو سال
سے اسکی تحقیقات و مشاہدات میں مصروف ہیں، لیکن کیا مسلم علماء اور محققین
کی جماعت بھی اس دریافت کی طرف متوجہ ہوگی کہ معجزۂ شق القمر کا جو وقوع
عمل میں آیا تھا اسکے آثار اب بھی اس کرہ پر باقی ہیں؟ اُس قادرِ مطلق کی
قدرت سے یہ بالکل ممکن ہے کہ چاند شق ہونے کے بعد پھر جب اسکو اتصال
عنایت فرمایا تو ایسا جڑا ہو کہ اس کا کوئی نشان نہ ہو، یا آثار و علامتیں
باقی بھی رکھی ہوں، اور یہ پر اسرار شگاف اور لکیریں اسی کی یادگار و نشاندہی
کرتی ہوں، دونوں امر ممکن ہیں، آقائے نامدار کو اس معجزہ کی عطا میں بہت سے
جہات لئے ہوئے قدرت نے کئی مصالح اور راز وابستہ رکھے ہوں کہ زمین کا
سب سے قریبی کرۂ سماوی یہی ہے اور انسان اس پر ہی پہنچنے کی توقعات
میں مبتلا ہے وہ اندازہ کر رہا ہے کہ پانچ دن میں اس پر اتر پڑے گا۔

اس عرصہ میں علم و مشاہدہ کے قدم اس بات کی تصدیق میں اور آگے بڑھ چکے ہیں،
جیسے جیسے ہمارے خیال کی اہمیت و صحت ظاہر ہوتی گئی تو بعض گوشوں سے اس کو
اپنا کر اس انداز سے پیش کیا گیا کہ پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ گویا یہ ان کا انکشاف ہے۔
حالانکہ اس عظیم مسئلہ کو صدیوں سے جس طرح پیش کیا جاتا رہا ہے اور جو صرف ذہنوں
اور عقیدہ ہی میں جا بیٹھا تھا، اسے علم و مشاہدہ و استدلال کے ساتھ اس طرح رکھ
دیا گیا کہ پڑھنے والوں کے قلوب تسلیم کرنے لگیں، اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ
نے (قرآن کی زبان میں) ہمیں اس سلسلہ میں اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْن ہونے کا شرف بخشا۔

بہرحال جب دو ڈھائی سال قبل ہم اس واقعہ سے دوچار ہوئے تو سخت دلی
صدمہ پہنچا۔ ابتداء میں دیگر کثیر مسائل کے ساتھ شق قمر پر بھی اجمالاً ہی غور و فکر کیا جا سکا
تھا مگر اس رنج نے ہمیں مزید غور و خوض اور تحقیق و تلاش پر لگا دیا، جس بات کی
درخواست ہم نے دوسروں سے کی تھی، اور اس مدت میں کوئی بھی اقتضائے وقت
کے باوجود اس طرف متوجہ نہ ہوا تو خدائے تعالیٰ کا کرم دیکھئے اور وہم و گمان بھی نہ تھا
اس نے یہ کارِ عظیم بھی اسی ناتوان و کم سواد سے لے لیا، اور پھر اسکی تکمیل میں بھی
وہ وہ الطاف کی بارش و نوازش فرمائی کہ اپنی زندگی کی بساط ہی کیا بلکہ ان

احسانات پر نثار کرنے کے لئے مجھے سارے جہان کی متاع بھی حقیر دکھائی دیتی ہے، اور میرے ہر تن مُو سے پیہم یہی صدا جاری ہے کہ "العبد وما کان فی یدہ لمولاہ" (خود بندہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب اس کے آقا کا ہے)

متذکرہ کتاب کے دیباچہ میں یہ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ:۔

جب سے مسلمانوں نے تلاش علم وتحقیق کو چھوڑ دیا، اس نے اس کام کے لئے مغربی اقوام کو انکی جگہ کھڑا کر دیا، اور یہ لوگ ایمان واسلام یا مذہب کا نام لئے بغیر اس میں مشغول ہیں، ان کو خود اسکی خبر نہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں ان کے وقتی تقاضوں کی تکمیل کے سوا، اسکے دور رس نتائج کیا نکلنے والے ہیں اسی سے اصلی صداقتیں جھلکیں گی، اور جس کے آثار ظاہر بھی ہونے لگے ہیں۔

میں نے جب اپنے ان ہی تاثرات کے ماتحت تفصیل سے اہل مغرب کی کوششوں کا "معجزہ شق القمر" کے نظریہ سے مطالعہ شروع کیا تو مجھے توقع کے مطابق عظیم کامیابی میسر آئی۔ سو ڈیڑھ سو سال کی محنت سے حاصل کئے ہوئے جدید مشاہداتی ریکارڈ سے اصل صداقت کی یافت میسر آگئی، حالاں کہ دنیا ابھی تک چاند کے شگافوں کا سبب اور راز معلوم کرنے میں سرگرداں ہے، اور جسے قرآن وحدیث نے چودہ سو سال قبل ہی ظاہر کر کے رکھ دیا ہے۔

ہم ان تمام مشاہدین کے ممنون ہیں، اور ان کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جن کی شب بیداریوں اور کوشش ہائے شاقہ نے ہمیں اور ساری دنیا کو چاند کے شگافوں سے آگاہ کیا، اور قرآن وحدیث کی صداقت پر پہنچا دیا۔

ہماری الکتاب اپنا آغاز ہی اس دعوے سے کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کے شک شبہ اور ظن وتخمین سے پاک سرتاپا سچ ہی سچ ہے (ذٰلِکَ الکتاب لَا رَیبَ فیہ) جب معجزہ شق القمر کو یہ کتاب بیان کرتی ہے اور احادیث شریفہ اس کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں تو پھر مجھے دنیا کے علوم وفنون اور ان کی کوئی بات بھی خوفزدہ، مرعوب ومتاثر نہ کر سکی، حتیٰ کہ جب مجھے اس موضوع کو مرتب وپیش کرنے کی ہمت وتوفیق ملی تو اس سلسلہ میں جن جن علوم کی ضرورت درکار ہوئی، وہ سب ایک ایک کر کے اس صداقت حقہ کی تائید وگواہی کے لئے میرے سامنے آکھڑے ہوئے اور اپنی اپنی شہادتیں قلم بند کرادیں تاکہ دوسرے بھی ان کو پڑھ لیں، اور مشاہدات جدیدہ نے تو ایسی عظیم وعینی شہادت

پیش کی ہے کہ کسی کو دم مارنے کا یارا ہی نہ رہا۔

میں نے اس کتاب کی ترتیب میں بھی اپنے خیال کے مطابق جس طرز کی دینی علمی خدمت ہونی چاہیے اس کا ایسا نیا نمونہ تیار کرنے میں بڑی کاوش کی ہے، جو شائد بکرمہٖ تعالیٰ، نگاہ رکھنے والوں کے پسند آئے، لیکن سارے نئے رنگ ڈھنگ کے باوجود صداقتیں وہی ہیں جو خدا اور رسول کی بخشی ہوی ہیں، جن پر امت کا اجماع ہے اور جنھیں سابقہ راسخین فی العلم نے بھی پیش کیا ہے یا زمانہ کو نئی دستیاب ہوی ہیں اور یہ جہاں کہیں مجھے ملیں تو بحکم خدا و رسول چوں کہ میری ہی میراث تھیں، اس لیے میں نے بے دریغ تمتع کیا اور انھیں متاعِ دین بنا دیا ہے ؎

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث　　مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے (اقبال)

ایک جگہ میں اپنے اس کام کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا جسے سن کر اعتراض کیا گیا کہ اس قسم کی محنت سے کیا حاصل؟ اسلام اور مسلمان کی کوئی اور خدمت کیجئے، منشا یہ تھا کہ حالاتِ حاضرہ کے تحت اتحاد و تنظیمِ ملت یا جہالت و بے دینی کو دور کرنے کی معروف کوشش کرنی چاہیے، میں نے جواب میں عرض کیا کہ کارِ دین" صرف اتحاد و تنظیم وغیرہ ہی میں منحصر و محدود ہو کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ فقیہہ کا قلم، واعظ کی زبان، اور مجاہد کی تلوار سب اپنی اپنی جگہ خدمتِ دین ہے، چناں چہ استیعاب و اصابہ میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے حالات میں آتا ہے کہ ایک دن حضورؐ نے صحابہ کے مجمع میں سوال فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اللہ کے رسول کی مدد، ہتیاروں کے علاوہ اپنی طاقتِ لسانی سے بدزبان اور باطل شعراء کا جواب دے کر انجام دے، جماعت میں سے حضرت حسانؓ اٹھے اور معروضہ کیا کہ اس خدمت کی بجا آوری کے لئے یہ خادم حاضر ہے، پھر انھوں نے یہ فرض اس طرح انجام دیا کہ تاریخ اسلام میں ان کا نام ہمیشہ کے لئے تابندہ ہوگیا۔

کیا ہم نہیں دیکھتے کہ نہ صرف افراد بلکہ حکومتیں تک عزت و عظمتِ ملک کے کاموں میں محنت و سرمایہ اور جانوں کی تک بازی لگا دیتی ہیں، حالانکہ ہمالہ کی چوٹی کی تسخیر اور خلائی پروازوں کی کوشش بظاہر ایک لاحاصل کام نظر آتا ہے اس کے سوا اس دنیا کے مزاج کی رو سے تو گاہے ماہے، اسلام کی عظمت و حقانیت کے لئے معجزوں تک کی حاجت ہو کا رہی، فتحِ روم کی قرآنی پیش خبری نے ایسا ہی اثر دکھایا تھا کہ لوگ بڑی تعداد میں داخلِ اسلام ہوگئے۔

آٹھ سو برس قبل ایک شیعی فاضل علامہ طبرسی (امین الدین متوفی ۵۴۸ھ ہمعصر علامہ زمخشری صاحب کشاف) اپنی تفسیر مجمع البیان لعلوم القرآن میں بہ جرأت یہ کہتا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے مسلمانوں کے پیغمبر کو یہ معجزہ اس قسم کا عطا فرمایا کہ وہ اپنے رسول کی صداقت پر اس کے ذریعے مادی استدلال و شہادت پیش کر سکیں، جس کی اس عالم کے اقتضاء کے لحاظ سے ضرورت ہے نہ کہ اس کی صداقت کا پانا، دوسرے عالم میں پہنچنے پر موقوف ہو، جو انقطاع تکلیف کا عالم ہوگا اور جہاں کسی ثبوت کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

چھ سو سال پہلے تفسیر غرائب القرآن کا مؤلف (نظام الدین حسن قمی نیشاپوری المشہور اعرج متوفی ۸۰۴ھ) جب سورۂ قمر کی تفسیر پر پہنچتا ہے تو یہ شکوہ کرتا ہے کہ علماء امت، قرآن اور اس کے اعجاز کے اتنے گرویدہ، اور اس کی جانب اس شدت سے مائل و متوجہ ہو کر رہ گئے، کہ انھوں نے معجزۂ شق القمر کی جانب جیسی توجہ کرنی چاہیئے تھی ویسی نہ کی۔

نزول قرآن کے وقت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور زمانۂ مابعد کے سب ہی لوگ قرآن کو سمجھنے، اس کی حقیقی مراد تک پہنچنے، اور اس کی تفسیر کرنے میں مصروف اور ایک دوسرے کے علم کے محتاج چلے آرہے ہیں کیونکہ قرآن کی بلاغت، حکمت اور عمق ایک ناپیداکنار سمندر رہے، اسی باعث تمام زمانوں کے لئے ترجمہ و تفسیر کی حدبندیوں میں اسے لانے سے جن و بشر سب عاجز ہیں، کیونکہ یہ ایک لامحدود و لانہایت اور علیم و بصیر، سب قوتوں اور طاقتوں کے مالک کا کلام ہے، اگر سارے انسان اپنا علم و مشاہدہ جمع کر کے کسی متفقہ نتیجہ پر پہنچ کر اسکے معنی و مطلب بیان کریں، تب بھی وہ محدود ہی ہونگے کیونکہ ان کے سارے حواس اور سب طاقتیں محدود اور خود یہ مخلوق ہیں، اور مخلوق کی عقل بھی خود مخلوق، بلکہ مخلوق در مخلوق ہے تو اس کا اپنے خالق سے کیا مقابلہ؟ اسی لئے ایک طرف اگر غور و فکر اور غرائب قرآن کی تلاش کا حکم ہے تو دوسری طرف تفسیر بالرائے کی خوفناک و ہیبت ناک وادی بھی ہے جس میں بعض بدنصیب افراد اور جماعتیں گر کر تباہ ہو گئیں اور ہوتی رہتی ہیں جن کے سبب افراد امت میں وقتی شور و خلل تو پیدا ہوا۔ لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی، اور یہ مہلکین خود برباد ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

واقعۂ شق قمر پر دو دور گزر چکے ہیں، پہلا عہد رسالت کا تھا جس میں صحابۂ کرام نے اپنی آنکھوں سے اس معجزہ کا مشاہدہ کیا تھا اور وہ مشرکین و غیر مسلم بھی موجود تھے جو اسکے دیکھنے والے اور اسکے وقوع پانے کے بلا حجت قائل تھے انکو تکرار تھی تو صرف یہ تھی کہ یہ

جادو کا کرتب تھا، انھیں نفس واقعہ سے انکار نہیں تھا (جیسا کہ قرآن شاہد ہے) لہذا اس عہد میں نہ کوئی بحث اٹھ سکتی تھی اور نہ ہی اٹھی، ان عینی شاہدین کی تین نسلوں (تقریباً تین سو برس) تک اس کا اثر قائم رہا۔

تقریباً کوئی گیارہ سو سال قبل جب مسلمانوں میں علوم و فنون کے سیکھنے اور انکے حاصل کرنے کا ذوق پیدا ہوا، اور وہ اس طلب میں ہر طرف دوڑ پڑے اور خاص طور پر یونانی علوم ان کی توجہ کا مرکز بنے تو فلسفہ و کلام کا ان کو چسکا لگا اور ان علوم سے جن کچھ لوگوں کے قلوب و دماغ متاثر ہوئے تو انھوں نے بھی اس معجزہ میں قیل و قال کی ابتداء کی، جو مناظرہ اور علمی جنگ و جدل کے لئے ایک معرکۃ الآراء موضوع بحث بن گیا، چنانچہ اگر اس قسم کے مواد کو یکجا کر کے پڑھا جائے تو شاید ایک حد درجہ حیرت ناک علمی تماشا و اعجوبہ نظر آئے، اسی دور میں بنام علم، شک و تذبذب کی تخم ریزی ہوئی، تاویلات و مرادات کا بازار گرم ہوا، اسلامی ممالک میں شہرت و مراتب اور اقتدار پانے کے لئے علمی مسندیں بچھائی گئیں، یہ عہد سبق دیتا ہے کہ باوجود کمالِ علم و فضل اور شخصیتوں کی عظمت کے ایک سادہ اور آسان صداقت اصلیہ کو کس طرح ذہنِ انسانی نے پر پیچ بنا دیا اور شک و شبہات کی کیسی کیسی خندقیں اور بھول بھلیاں تیار کر دیں کہ جس میں اوروں کے پھنسنے کے بھی راستے کھلے چھوڑے گئے البتہ امت کے راسخانِ علم اور عامۃ الناس ہر دو گروہ فرسودہ خدا اور رسول کی صداقت سے اپنی گردن اور جان دیگر بھی پھرنے والے نہ ہوئے جس کا نمونہ یہ تھا کہ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اپنے بیٹے کے بیٹے ہونے پر بھی اتنا یقین نہیں جتنا کہ آپ کے رسول برحق ہونے پر حاصل ہے تو ایسے سب لوگوں کے نزدیک یہ معجزہ انکے قلوب میں داخل اور جزوِ ایمان تھا اور اللہ کے فضل سے امت میں ہمیشہ اسی قسم کے رنگ کو غلبہ حاصل رہا۔ یہ شک و تذبذب تو علم کی آفتوں سے پیدا ہوا۔

بعضوں کا خیال ہے اور وہ اس پر کاربند بھی ہیں کہ دین کو دنیاوی علوم کے مقابلہ و موازنہ میں لے آنا خطرناک، خلاف احتیاط و نامناسب ہے، ایسے بیجا خوف کھانیوالوں کی نسبت آٹھ سو سال قبل کے ماحول میں حضرت امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) اپنے رسالہ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں کہ "یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی عقائد و خیالات کی تائید کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام علوم دنیاوی اور فلسفہ وغیرہ کا انکار کیا جائے، اور یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ ان علوم میں بھی صداقتیں پائی جاتی ہیں حتی کہ وہ امور جن کا تعلق

ٹھیک ٹھیک حساب دریاضی سے ہے جیسے کسوف وخسوف کا تعین وغیرہ تو اس کو بھی انھوں نے جھٹلایا اور خلافِ شرع قرار دیا...... حالانکہ اسلام کا جہاں تک تعلق ہے نفیاً واثباتاً ان علوم وفنون سے اس میں کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے ......"

یہ قطعی ہے کہ قرآن وحدیث اور اسلام کا ہرگز منشائے اصلی یہ ہے ہی نہیں اور نہ اس باب میں وہ حکم لگا کر انسان سے اپنا اعجاز منوانا چاہتا ہے، حالانکہ ایسا ہو سکتا تھا لیکن یہ امر انسان کی آزمائش وامتحان اور عالم کی تکوینی مصلحت کے خلاف ہوتا جو اسکی جدوجہد جذباتِ تحقیق وتلاش پر اوس اور پالا ڈالنے اور فطرتِ انسانی کو بجھا دینے کے مترادف ہوتا، لیکن اسکے باوجود بقدرِ مصلحت وضرورت اسکو پیش کرنے سے بھی اس نے گریز نہیں کیا ہے یہاں تک کہ سارا قرآن اپنے احکام وضوابط، مناہی ومواعظ کے ساتھ متوازی طور پر قدم قدم پر کائناتِ عالم کے حقائق اور صداقتوں کی جانب متوجہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے لحاظ سے ہم کو کہیں کھلے اشارے ملتے ہیں تو کہیں یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ پردوں اور حجابوں میں بات کہی گئی ہے، میرا یہ ایقان ہے کہ قرآن واحادیث صحیحہ نہ صرف ظاہری علم وعقل ومشاہدات وغیرہ جتنے بھی درجات علم وتحقیق ہو سکتے ہیں، ان کی رو سے مطابقت رکھتے اور سچے ہیں بلکہ ہم اپنے دین کو ان راہوں سے بھی خم ٹھوک کر پیش کر سکتے ہیں صداقت جہاں کہیں پائی جائے یا موجود ونمودار ہو، اس کا ماننا ایک مسلم کے لئے ضروری ہے کیوں کہ وہ دینِ صدق ودینِ حق کا پیرو ہے، حتیٰ کہ اسلام ذہنی وخیالی حد تک بھی سچائی کو مجروح کرنے والے اندیشوں کا تک علاج کرتا، اور ان پر روک لگاتا ہے اور اسی طرح کذب کے بارے میں بھی اسکا یہی اصول کار فرما ہے، ساری دنیا اسی معیار پر اس ملت بیضاء کی جملہ تعلیمات کو پرکھ کر دیکھ سکتی ہے، اگر وہ کہیں جھوٹ پر راضی نظر آئے سچ سے چشم پوشی کرے یا لغو وفضول کو گوارا کرلے تو ہرگز وہ دینِ حق نہیں ہو سکتا، پورے عزم واطمینان کے ساتھ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ صحیح علم وصحیح دین میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ ممکن نہیں اور اگر ایسا نہ پایا جائے تو یہ ایمان ہونا چاہیے کہ خدا ورسول ہی کا فرمودہ اصل معیار ہے اور دنیا جس کو اسکے مقابلہ میں صحیح اور سچ سمجھ کر لے آئی ہے، غیر صحیح صداقت سے بعید ہے اسلئے کوششیں جاری رہنی چاہئیں کہ حق تک رسائی ہو جائے۔

نعوذ باللہ میرا ہرگز یہ مسلک نہیں ہے کہ میں اہلِ دنیا کی وساطت سے ہونیوالے انکشافات ومعلومات وغیرہ کو درجۂ یقین دیتا ہوں، اور ان کے لئے قرآن وحدیث کی

خواہی نخواہی تاویل میں مشغول ہوں بلکہ میری کوشش یہ ہے کہ ان ہر دو کے معیار پر، اور انکے نور میں دنیا کو اور اس کی مساعی کو جانچوں پرکھوں، نہ کہ جب کبھی دنیا کے ان خیالات و معلومات، نظریات و مشاہدات وغیرہ میں تغیر پیدا ہو تو پھر سے میں قرآن و حدیث کو دوسرے معانی و مفاہیم پہنانے لگ جاؤں۔

جب قرآن و حدیث کی نزاکت اور ان کی عظمتوں کا ایک خاکہ آپ نے سمجھ لیا، اور آج تیرہ صدیوں کے طویل علمی سفر، معلومات و حالات میں سابقہ علماء و صالحین امت کی کوششیں کمزور انسانوں کی مساعی ہی ثابت ہوتی چلی آتی ہیں تو ایسے حال میں سر سے پاؤں تک میں لرز جاتا ہوں، جی چاہتا ہے کہ قلم توڑ دوں، زبان بند کر دوں، مگر جب خدا اور رسول بقدر استطاعت جد و جہد کا حکم دے کر ہمت دلاتے ہیں تو دم میں دم آتا ہے۔

سب سے پہلے اسی رؤف و رحیم کی بارگاہ میں عفو کا طالب اور پناہ گزین ہو کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس بارہ میں جو "امر حق" ہے صرف — اسی کو معلوم ہے — اور میں اس کی ہر ہر سطر اور ہر ہر حرف پر بلکہ لاتعد و لاتحصیٰ واللہ اعلم بالصواب کہتا ہوں — خدا اور رسول کی باتیں اور ان کی شان اتنی اونچی ہے کہ میرا کیا دھرا سب لغو و باطل ہو سکتا ہے، میری تعبیر، توضیح، تاویل ہر چیز سے یہ دونوں مستغنی و بے نیاز ہیں، ان کا دامن پاک اس سے قطعاً بری اور کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ بقول حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) اگر مجھے راہِ صواب میسر آئی ہے تو یہ مِنْ جَانِبِ اللّٰہ ہے اور محض اس کا فضل و کرم۔ باقی جتنا کچھ ہے وہ سب میرے علمِ خام، علم ناقص اور نفس و شیطان کا کرشمہ و نتیجہ — میں بعد ندامت اور ہزار ہا ہزار عجز و الحاح کے ساتھ اس کے عفو و بخشش کے لئے اپنا دامن مغفرت طلب تا حشر پھیلائے رکھتا ہوں۔

آپ اس کتاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنے ہی علوم سے واسطہ پڑا ہے، اسلام کے دورِ عروج و علم کی تاریخ میں ہمیں ایسے لوگوں کی کثیر تعداد نظر آتی ہے، جو وقت واحد میں کئی صفات و کمالات اور علوم کے جامع تھے، اسی سبب سے اسلام کو تیزی کے ساتھ ہر مرحلہ میں ترقی میسر آئی۔ چنانچہ اگر وہ ایک طرف بہترین سپاہی (داری ار) اعلیٰ درجہ کے فاتح مسلمانوں کے امیر تھے تو دوسری طرف بہترین جج، مقنن، اڈمنسٹریٹر (ماہر نظم و نسق) علوم و فنون میں مہارت رکھنے والے تھے، دنیاوی معاملات میں "قائد قوم" تھے تو "روحانی و دینی پیشوا" کی بھی حیثیت انھیں ہی حاصل تھی، جیسے جیسے ان صفات جامعہ

میں کمی ہوتی گئی اسی لحاظ سے امت میں انحطاط پیدا ہونے لگا، یہاں تک کہ اس جامعیت میں بُعد المشرقین ــــ پیدا ہو کر ملت کا شیرازہ بکھر گیا۔

زمانہ ہم سے پھر نئے حالات کی رو سے نئے طرز پر ہی سہی دین و دنیا میں اسی جامعیت کا مطالبہ کرتا ہے تب کہیں ہم پھر سے دنیا کی امامت کے منصب پر فائز ہوسکیں گے، اور یہ منصب قرآنی نوید کے مطابق اسی امت کی تقدیر قرار دیا جاچکا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کے الفاظ پر بنظرِ غائر غور کرو تو یہ راز منکشف معلوم ہونے لگے گا خوشا! وہ لوگ اور زمانہ پھر جو اس کا اہل و علم بردار ہو جائے۔

دین و دنیا کے دو الگ الگ دائرہ بنا لینے اور ایک دوسرے کو جدا جدا رکھنے کے ہی سبب دین کا نور، اس کی تڑپ اور اس کے لئے بے مثال فداکاری کا وہ جذبہ ہوتے ہوتے چند صدیوں میں مسلمانوں سے ایسا رخصت ہوگیا کہ اسی حالتِ زبوں و زار سے متاثر ہو کر شاعرِ مشرق (اقبالؒ) کے سینہ سے یہ آہ نکلی ؂

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　　مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اگر ایک طرف عام مسلمان بھی اب اس دنیا کو اسی نظر سے دیکھنے لگا ہے جیسا کہ ایک غیر مسلم اس کی لذتوں اور اس کے مال و متاع ہی کو اصلِ حیات و مقصودِ زندگی جانتا ہے اور حالات کے دباؤ، زمانہ کی گردش، طلبِ معاش کے اقتضاء سے انکی بڑی تعداد اس وقت دیگر قوموں کی طرح علوم و فنون سے ضرور آراستہ ہے اور اسکے ذریعے ان ہی کی مانند، خدا فراموشی یا دین سے بے نیاز ہو کر رات دن تن پروری و تن آسانی کے لئے دنیا کمانے میں مشغول ہے دین سے ان کا تعلق اور اس کے تار اگر کٹے ہوئے نہیں تو خوابیدہ و خاموش ضرور پڑے ہیں جن میں ایمانی برق کی لہریں رقصاں نہیں، تو دوسری طرف مذہبی علماء کی جماعت جو کئی صدیوں سے الگ ہوگئی ہے، وہ دنیاوی علوم و فنون اور اس کی ترقیوں سے بے خبر و بے تعلق رہکر قناعت و صبر کو اپنا شیوۂ زندگی بنائے، حیاتِ مستعار سے گزر رہی ہے، ان ہر دو میں اتصال و جمع کی کوششوں کا یہی وقت ہے۔

دین و دنیا میں تفرقہ پڑجانے کے نتیجہ میں اور مسلمانوں کے ہر طرف سیاسی زوال اور مغربی علوم کی ترقی کے باعث ان سے فکر و نظر کی قوت چھن گئی، چنانچہ ہندوستان میں سر سید احمد خاں سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک اور ادھر مصر میں طنطاوی جوہری وغیرہ ان سب کے پاس، ان کے علم و فضل، خوبیوں اور خلوص کے اعتراف کے باوجود چھوٹا منھ

بڑی بات تو ہوگی، محض افکارِ جدیدہ کے زیرِ اثر آجانے کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں چنانچہ طنطاوی چاند کے زمین سے ٹوٹ کر بننے کے مغربی نظریہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ معجزۂ شق القمر اسی قبیل کا نوع من الانشقاق ہے، اور تازہ ترین تحقیقات میں تو اب یہ نظریہ بھی بدل رہا ہے۔

الغرض اس آخری ڈیڑھ دو سو سالہ مدت میں پیدا ہونے والی نسلوں پر مغربیت نے بڑا ہی ہلاکت آفریں اثر ڈالا۔ عوام و خواص، عالم و جاہل، صاحبانِ اقتدار و محکوم کوئی بھی نہ بچ سکا، اور بڑا نقصان تو اُن اقتدار رکھنے والے یا حاصل کر لینے والے مسلمانوں کے سبب ہوا، جو اسلام کے بارے میں مغربی خیالات کو قبول کر کے اپنے محکوموں پر بھی انھوں نے اس کو نافذ کر ڈالا، اور پھر سارے ملک کو اس میں مبتلا کر دیا۔ ایسے ملکوں کے نام آپ سے مخفی نہیں۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب ہر جگہ مسلمانوں کا رُخ اسلام کی جانب پھرتا دکھائی دے رہا ہے ادھر بیس پچیس سال کے اندر ایک تڑپ، حرکت و بیداری کی لہر رواں دواں نظر آتی ہے۔ یوں تو ہر طرف، لیکن خاص طور پر اسلامی ممالک میں عہدِ ماضی کی طرح تصنیف و تالیف کے ذریعے اسلامی فکر و جذبہ بیدار کرنے اور فروغِ دین کی تیز کوششیں کی جارہی ہیں، بہت سی جماعتیں بھی احیاءِ اسلام کے خدمات بجالانے میں سرگرمِ عمل ہیں، اور ابھی جامع و مجددانہ تالیفات یا عملی پروگرام کا آغاز باقی ہے، کیوں کہ اسلام کی سچی خدمت اور ترقی اس دور میں اس کے بغیر ممکن نہیں، علم و فن کے زمانہ کو علم و فن سے ہی توڑا جاسکتا ہے (الحدید یقطع بالحدید، لوہے سے لوہا کٹتا ہے) اگر قرآن و حدیث کی سچی بصیرت اور اس کے نور کی عظیم طاقت پاس ہو تو دنیاوی علوم، اس کی ترقیات و مشاہدات سب کچھ ان کے آگے مکڑی کے جالے سے زیادہ نظر نہیں آئیں گے۔ اشہبِ زمانہ کو صرف اسی امت کا انتظار ہے کہ وہ اس کے منھ میں دینِ حق کی لگام لگا کر اس کی باگ تھام لے، خدا کے بندوں کو اور اس کی اس زمین کو سچے لطف و راحت اور صداقت و انسانیت نوازی سے بھر دے، جیسا کہ سطور گزشتہ میں ہم نے عرض کیا ہے کہ قرآن و حدیث کا نور ہمیں یقین دلاتا ہے کہ خیرامت ہی کے نصیب میں یہ سعادت مقدر ہے اور اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کہاں کے اور کس ملک کے مسلمانوں کی قسمت میں آتی ہے، یہ ان ہی کا مقدر بنے گی جو اس کی جدوجہد کریں گے۔ ہماری ان سطور کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اللہ کے

ایسے بندے اٹھیں جو بقول کسے جدید علوم و فنون کو دین کے حقائق و مقاصد کے ماتحت لے آئیں اور جدید ترقیات، آلات و وسائل و ذرائع کو ان کے صحیح محل و مصرف پر مشغول کر دیں اور یہ سب خدا اور رسول کے دیئے ہوئے احکام و نور ہی میں ہوگا' جسکے بعد حیرت انگیز سارے عالم اور ساری انسانیت کا احاطہ کرنے والے نتائج و ثمرات سے دنیا متمتع ہوسکیگی۔
مشرق و مغرب ہر طرف "اسلامک ریسرچ اسٹڈیز سرکل"، سوسائٹیاں اور ادارے قائم ہیں، ہم بڑی امیدوں کے ساتھ ان کی طرف نظریں لگائے بیٹھے ہیں' خدا ہم سب کو مخلصانہ اور مقبول کام کی توفیق دے اور وہی کرائے جس سے اسلام اور انسانیت کی سچی خدمت ہو۔ اتفاق ہے کہ یہ کتاب انسان کے سنہ ۱۹۷۰ء تک چاند پر اترنے سے قبل شائع ہو رہی ہے۔

۱۴/ شعبان ۱۳۸۸ھ م ۶- نومبر ۱۹۶۸ء
(چہار شنبہ شب برات)

معین الدین رہبر فاروقی
حریم شوکت - بیرون یاقوت پورہ
املی بن حیدر آباد دکن

ھدیۂ تشکر

اللہ تعالیٰ کے محض لطف و کرم سے راقم کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اُسے اپنی کمزور جسمانی حالت و صحت کے باوجود، لمحاتِ حیات کے ایسے دو سال میسر آئے کہ جس میں شبانہ روز کی دیوانہ وار جد و جہد کے بعد، اس عظیم ترین موضوع پر، اپنی بساطِ علمی کے مطابق اس کتاب کے مرتب کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ ـــ ثم الحمد للہ

جب اس سے فارغ ہوا تو اشاعت کا سوال سامنے کھڑا ہو گیا، اور اس ضمن میں بڑے دل شکن اور یاس انگیز حالات پیش آئے جسے محسوس کر کے میرے عزیز بڑے داماد نورِ چشم ابو حسین محمد کریم اللہ صاحب فاروقی بی۔اے عثمانیہ (خلف محترم مولوی محمد عبد الجبار شریف صاحب مرحوم سابق تحصیلدار محبوب آباد) نے مشکلات کی پروا کئے بغیر اپنے جذبۂ محبت و سعادت مندی سے چھپائی پر بے تامل اپنی رقم صرف کر دی، اور یوں یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو سکی۔

خدا و رسولؐ کے دربار میں، ان کی اس خدمت کو پیش کر کے قبول فرمانے کی استدعا کرتا ہوں۔ دُعا ہے کہ وہ کریم و بندہ نواز! ان کو اور ان کے اہل و عیال کو درازیٔ عمر و صحت کے ساتھ زندگی بھر دین و دنیا کی فَوزو فَلاح عطا فرمائے، اور جملہ بلاؤں سے محفوظ رکھے ـــ آمین بجاہِ رحمۃ للعالمینؐ۔

اس سلسلہ میں دوسرے کرم فرما اور مخلص معاونین کا بھی تذکرہ ضروری ہے چنانچہ اس تالیف کی ترتیب کے دوران رائے اور مشوروں کے لئے ہر ہر قدم پر میں نے اپنے دیرینہ عزیز و رفیق حکیم سید عبد الستار صاحب جوشؔ کو بڑی زحمتیں دیں، جب اس کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو موضوع کی اہمیت و عظمت کے مدِ نظر، نیز اس خیال سے کہ مبادا میرے سبب دین میں کوئی نیا فتنہ و رخنہ پیدا ہو، قبل اشاعت ہی میں دیگر مبصرین کے خیالات اور ان کی کڑی تنقیدوں کے لئے مضطرب تھا تو جناب جوشؔ کی ایما پر اپنے ایک اور جامع الکمالات مخلص مولوی سید محمد معز الدین صاحب معز

قادری و ملتانی کو سارا مسودہ سننے کی زحمت دی جو اپنی گوناگوں صلاحیت اور خوبیوں کے باعث ہر دل عزیز شخصیت کے مالک ہیں، انھوں نے شدید مصروفیت کے باوجود عین گرما کے زمانہ میں کئی دنوں تک یہ تکلیف بخوشی و مسرت برداشت فرمائی اور فی الحقیقت محبی صاحبزادہ مولوی میر نصیر الدین علی خاں صاحب بی۔اے کی نگرانی اور عملی اقدام کی بدولت ہم دونوں نے یہ مرحلہ ختم کیا۔

استاذ گرامی افضل العلماء حضرت مولانا حکیم سید عبد الباقی صاحب شطاری (مدظلہ) پروفیسر نظامیہ طبی کالج یونانی حیدرآباد نے بھی اپنی کبر سنی کے باوجود میری درخواست پر اس مقالہ کو عزت سماعت بخشی اور حسب ضرورت مجھے غور و فکر اور اصلاح کی ہدایت فرمائی۔ یہ امر میرے لئے بڑی طمانیت دلی و مسرت قلبی کا موجب ہوا، اور حضرت ممدوح کے ایسے توجہات و الطاف کا تو میں برسوں سے امیدوار تھا۔

ادارۂ حج میوزیم حیدرآباد کے بانی الحاج مولوی محمد حسین صاحب اظہر کے پاس بھی میں مکۂ مکرمہ اور مدینہ کے پہاڑوں اور یہاں کے مقامی جغرافیہ کو سمجھنے کے لئے حاضر ہوا، برسوں کی عملی دلچسپی کے باعث موصوف "فریضۂ حج" سے متعلق وسیع تجربہ و علم رکھتے ہیں، جس سے میں مستفید بھی ہوا اور متاثر بھی۔

انحطاط عمر اور کمزوری کے عالم میں ایک فرزند رشید صحیح معنوں میں باپ کا "عصائے پیری" بن جاتا ہے، خدائے تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے یہ عظیم سرفرازی بھی بخشی۔ چناں چہ اگر فرزندم عارف الدین فاروقی سلمہ نے میری تلاش، فرمائش اور ذوق کے مطابق زیر استفادہ کتابیں فراہم نہ کی ہوتیں اور اپنی ملازمت و دیگر ذمہ داریوں کے باوصف مسلسل دو برس تک اس کام کو سب امور پر ترجیح نہ دی ہوتی تو میرے لئے ایسے تحقیقی مقالہ کا مرتب کرنا ممکن نہ ہوتا، اس کتاب کے نقشے بھی اپنے اصل ماخذ سے ان ہی کے نہ صرف مرتبہ بلکہ کتابت کردہ بھی ہیں، اور ضمیمہ احادیث بھی (بخط نسخ) باوجود پہلی مشق ہونے کے ان ہی کے قلم سے کتابت پاکر شائع ہو رہا ہے خلف الصدق حکیم محمد حفیظ الدین انور فاروقی سلمہٗ نے بھی میری صحت و راحت کا بہت اہتمام رکھا کہ میں بکرمہٖ اس کام کی تکمیل کا شرف پاسکا، جو مجھے اپنی جان، اور ہر چیز سے زیادہ عزیز رہا ــــ ماشاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ۔

محترم جناب پروفیسر سید محمد صاحب پرنسپل اُردو کالج حیدرآباد، مولوی سید محمود علی صاحب بی۔اے اسسٹنٹ رجسٹرار جامعہ عثمانیہ، مولوی انعام اللہ صاحب ام۔اے لکچرار جغرافیہ آرٹس کالج عثمانیہ یونیورسٹی اور مولوی حبیب علوی الحسین صاحب بی۔ایس۔سی۔ایف آر، اے، ایس (انگلینڈ) مددگار ریسرچ رصدگاہ نظامیہ حیدرآباد۔ مجبی قاری قاضی محمد عبدالقدیر صاحب اور دوسرے کئی احباب و اہلِ خاندان ہیں، جن سے مجھے مختلف مخلصانہ تعاون حاصل ہوئے۔

بہرحال میں سب اصحاب کا تہہ دل سے سپاس گزار اور ان کے لئے دُعا کرتا ہوں۔

رہبر فاروقی

باب اوّل

تعارفِ معجزہ

(الف) معجزہ کسے کہتے ہیں؟

(ب) عقل ونظرِ انسانی کا ایک تماشا

(ج) کیا معجزوں کے آثار باقی رہتے ہیں؟

(د) کیا اب بھی دنیا میں کوئی زندہ معجزہ موجود ہے

(ھ) بعد آنیوالوں کے لئے معجزوں کے تسلیم و تصدیق کا کیا ذریعہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معجزہ کسے کہتے ہیں؟

چاند کے متعلق جدید ترین کتابوں، اور خاص طور پر اس کے شگافوں کے تازہ فوٹو کی تلاش میں، راقم الحروف کو ایک بہت ہی مشہور اور اعلیٰ وسائل سے آراستہ ایک بڑے علمی ادارہ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، اور اس کے شعبۂ ہیئت (آسٹرانومی) کے اربابِ مجاز سے ملاقات کر کے میں نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی۔ یہ اصحاب مسلم نکلے انھوں نے مجھ سے اپنی تلاش کی وجہ پوچھی، جواباً عرض کیا کہ میں بحیثیت ایک مسلمان طالب علم کے معجزۂ شق القمر کے واقعات کو، نئے مشاہدات کی روشنی میں بنظرِ تحقیق پڑھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں۔

کہا گیا کہ قرآن میں اس کا کہاں ذکر آیا ہے، یہ سن کر میں نے آیتوں کی تلاوت کے ساتھ مختصراً اس کی وضاحت بھی پیش کی، جس پر گفتگو چل پڑی، اور "معجزہ کسے کہتے ہیں"؟ پر بحث چھڑ گئی۔ صدر صاحب شعبہ نے اس کی نسبت جو اظہار خیال فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ حقیقی نہیں بلکہ دیکھنے والوں کے لئے ایک وقتی معاملہ تھا اور بس! میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ میں ایک طالب علم ہوں، یہاں کسی بحث کے واسطے نہیں بلکہ اپنے مقصد کی طلب میں حاضر ہوا ہوں۔

شعبہ کے ایک اور صاحب نے ارشاد کیا کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ حقیقتاً چاند شق ہوا تھا تو اس واقعہ پر چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور چاند کی اتنی صدیوں کی گردش میں تو وہ شگاف مل بھی چکے ہوں گے، کہاں باقی رہ سکتے ہیں۔

میں یہ اعتراض سن کر حیران رہ گیا اور مجھ سے خاموش رہا نہ گیا، میں نے کہا کہ ہیئت کے خصوصی شعبہ میں اس کے ماہرین کی زبان سے ایسی بات کی ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی، ہیئت دانوں کے نزدیک تو چاند کا شمار بہت سست رفتاروں میں ہے، کیوں کہ اس کا ایک دن (۲۸) یوم میں پورا ہوتا ہے اور

اس کے مقابلہ میں ہماری زمین ۲۴ گھنٹوں میں اس کو پورا کر لیتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چاند کے مقابلہ میں کتنی تیز رفتار ہے، لیکن اس کے باوجود اتنی سریع رفتار زمین کا حال یہ ہے کہ اس پر جہاں جہاں غار پڑے ہوئے ہیں اور جن جن مقامات پر گڑھے اور دراڑ ہیں، اور جس قدر اس کی سطح پر طبعی حالات پائے جاتے ہیں وہ ویسے ہی جہاں کے تہاں چلے آ رہے ہیں، جب ہمارے تیز رفتار کرہ پر ایسا نہیں ہوتا تو سست رفتار چاند کے جرم میں کس طرح باور کر لیا جائے کہ اس کے شگاف مل چکے ہیں۔

بہرحال ان حضرات نے نہایت مہربانی سے مجھے کتابیں اور تصویریں دکھائیں جس کے لئے میں ممنون ہوں، لیکن اس ملاقات نے مجھے چونکا دیا، اور یہ شدید احساس ہوا کہ مجھے شق القمر پر تحقیقی کام کے علاوہ اولاً بطورِ تعارف "معجزہ کسے کہتے ہیں" کے عنوان پر بھی قلم اٹھانا چاہیئے، اس لئے اس مشہور و معرکے علمی باب کو زمانۂ حال کے مذاق کے مطابق مرتب کر کے یہاں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خارقِ عادت واقعات میں دنیا کا عام رَوِیّہ

اس زمین پر جب سے انسان آباد ہے اُس کو ہر عہد میں اپنی جماعت کے بعض خاص افراد سے دنیا کے مقررہ و مسلمہ اصول اور معمول کے عادات کے خلاف، بعض "غیر معمولی" واقعات کے دیکھنے کا موقع ملتا رہا ہے، اسی لئے کوئی قوم اور ملک ایسا نہیں ہے کہ اس کی تاریخ میں، ان کا تذکرہ نہ ملتا ہو، اور اس کے چرچے ان کی زبانوں پر نہ ہوں، اور اہلِ مذاہب کے نزدیک تو ان واقعات کی بڑی اہمیت ہے جنھیں بڑے اہتمام کے ساتھ بیان اور نقل کیا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے چاہے یہودی ہوں یا عیسائی، یا ہندوستان کے دھرم ان سب کے پاس ان کے تذکرے کثرت اور بڑی تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں، چونکہ یہ واقعات نہایت مُحیّرُالعقول اور ان کے ظہور کے موقع پر ان سے بڑے بڑے اثرات اور نتائج رونما ہوئے تھے اسی لئے انھیں نہایت احترام محبت اور عقیدت کے ساتھ یاد رکھا، اور دہرایا جاتا ہے جس سے انکے ماننے والوں کو ان کی اپنی زندگی میں رہنمائی اور فیض میسر آتا ہے اور پوری قوم اور ملک

اِن کو اپنی ایک نہایت قیمتی اور عزیز متاع سمجھتا ہے۔

اِن واقعات کو کسی بھی مذہب کی اصطلاح اختیار کئے بغیر، اگر عمومی حیثیت سے کوئی نام دیا جائے تو خارقِ عادت واقعات کہا جائے گا، بہرحال اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ دنیا کا سوادِ اَعظم (اکثریت) خرقِ عادت کا معترف اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔

خارقِ عادت واقعات کے اقسام

مسلم علمائے اِن واقعات کو حسبِ ذیل چار قسموں میں تقسیم کیا ہے:-

(۱) جو شخص خدا کے رسول اور نبی ہونے کا دعویٰ کرے، اور خدا کی وحی اور تعلیماتِ دینی کو لوگوں کے سامنے قبول کرنے کی غرض سے پیش کرے اور اسکے ثبوت میں وہ نہ ہوسکنے والے واقعات کر دکھائے تو انھیں معجزہ کہا جاتا ہے، اور معجزہ کے معنی ہیں عاجز کر دینے والا، یعنی کوئی دوسرا ایسا کرنے سے ہمیشہ عاجز و قاصر رہے۔

(۲) چونکہ نبی و رسول کی شخصیت بہت اہم اور خاص ہوتی ہے اسکی پیدائش سے نبوت تک کے درمیانی زمانہ میں بھی، اس سے ایسے ہی خاص خاص واقعات سرزد ہوتے ہیں، چونکہ یہ بعثت سے پہلے کے ہوتے ہیں، اس لئے انھیں ارہاص کہا جاتا ہے، تاکہ نبی کے دونوں زمانوں کے واقعات میں فرق و امتیاز ملحوظ رکھا جا سکے۔

(۳) اَولیَاءُ اللّٰہ جو رسول کے تابع ہوتے ہیں ان کے غیرمعمولی واقعات کو کرامت کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۴) نیز ایسے جملہ افراد جو اسلام میں داخل نہیں ہیں اور غیرمسلم کہلاتے ہیں، بعض باطنی مشقوں، محنتوں اور طریقوں سے ایسی صلاحیت حاصل کر لیتے ہیں کہ ان سے بھی بعض غیرمعمولی واقعات ظاہر ہوا کرتے ہیں جنھیں اِستدراج کہا جاتا ہے۔

ان چاروں میں باہمی فرق کیا ہے وہ خود ہر زمرہ کے لوگوں سے جو جو واقعات سرزد ہوئے ہیں، اُن پر مقابلۃً غور کر لیا جائے تو یہ فرق بہ آسانی سمجھ میں آسکتا ہے، پھر بھی تمثیلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہی فرق محسوس ہوگا، جو آفتاب، مہتاب، ستاروں اور کسی مصنوعی روشنی میں ہوا کرتا ہے نیز آگے آنے والے جب اور مباحث بھی آپ پڑھ لیں گے تو اِن شاءَ اللّٰہ پھر کوئی تشنگی باقی نہیں رہے گی۔

چونکہ ان اوراق میں ہمیں "معجزہ" سے بحث کرنی مقصود ہے، اس لئے مذکورہ اصول کی

روشنی میں معجزہ کی واضح تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ :-

معجزہ کی تعریف

انبیاء کرام سے فطرت اور جملہ قوانینِ طبعی انکے آثار و نتائج و کیفیات اور سبب اور اسباب کے اصولوں کو توڑ دینے والے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں انھیں معجزہ کہا جاتا ہے جنھیں آیاتِ نبوّت و دلائلِ نبوّت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، یعنی قدرت کی وہ نشانیاں جن کو خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کی تصدیق کے لئے خصوصی طور پر سارے اصولوں کو توڑ کر اپنی قدرت مطلقہ سے ان کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے جیسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی کے سوتے پھوٹ کر نکلتے تھے اور لوگوں کو سیراب کرتے تھے یا آپ کا انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا (شق القمر) معجزہ کی اصطلاح کے لئے انگریزی میں لفظ مراکل (MIRACLE) آتا ہے۔

معجزہ کے کون لوگ منکر ہیں

جو لوگ خدا کے منکر اور اس کے قائل نہیں ہیں صرف وہی معجزوں کا انکار کرتے ہیں حالانکہ فرش تا عرش، وسیع کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کے وجود اور اسکی قدرت کی شہادت دیتا ہے، کیونکہ وہ "خودکار" نہیں بلکہ کسی بااردہ، باشعور، لاحد و نہایت علم و حکمت رکھنے والی ہستی کا منہ بولتا پیکر بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہے اور جس میں اسکے پیدا کرنے والے کی مرضی، منشاء اور ارادے کا عمل دخل اور تصرف ہمیں جاری و ساری دکھائی دیتا ہے اور یہی سارا جہاں اس کی عظمت و جبروت اور اسکی قدرتِ کاملہ کو ماننے اور اقرار کرنے کے واسطے ہماری عقل و نظر اور بصیرت پر معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے مگر اسکے باوجود ایسے بدنصیب منکرین اور دہریت پسند افراد، اس بالاتر ہستی کا اعتراف نہیں کرتے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ اشرف المخلوق اور انسان ہونے کے باوصف ان کی آنکھیں اور عقلیں کتنی شدید اندھی ہیں کہ وہ جانور تو کجا اس سے بھی بدتر ہیں (اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط) پ۹ - اعراف آیت ۱۷۹ -

سرے سے خدا کا انکار کرنے والوں کے سوا، ایک اور طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو خدا کو ایک مافوق ہستی تسلیم تو کرتا ہے لیکن قادرِ مطلق، ارادے اور مشیت ذاتی کا مالک نہیں جانتا جیسے کہ بعض فلاسفہ و حکماء گزرے ہیں، ایسے گروہ کے لوگ بھی معجزوں کو تسلیم نہیں کرتے، بقیہ تمام افرادِ انسانی خارقِ عادت واقعات اور معجزات کے قائل ہیں۔

گزشتہ ادوار میں بھی ہوتا رہا ہے اور ہمارے زمانہ کا بھی یہی حال ہے کہ فساد، گمراہی، عقد

دشمنی، کج روی، کج فہمی اور مذہب سے دوری کی دنیا میں تیز آندھیاں چلتی رہتی ہیں کہ جن کے باعث عام عقلیں، بالکل غور و فکر سے عادی اور تاریک ہو کر رہ جاتی ہیں، پھر اسی کی بدولت لوگوں میں افراتفری، لغویت، فضول اعمال و عقائد پھیل جاتے ہیں، اور باطل خیالات دماغوں میں اس طرح جڑ پکڑ لیتے ہیں کہ انسان ان کے خلاف ہرگز کچھ سننا پسند نہیں کرتا، اور جب کبھی کوئی حق بات سامنے آتی ہے تو اس کا مضحکہ اڑاتا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔

معجزات دیکھ کر انکار کرنے والے اور
معجزوں کو نہ دیکھ کر انکار کرنے والے

معجزوں کی صداقت پر ایسے زمانے گزر چکے ہیں اور گزر رہے ہیں کہ جن لوگوں کے سامنے یہ وقوع میں آئے تھے اور جنھوں نے ان کا مطالبہ و مشاہدہ کیا تھا تو انھوں نے دیکھنے کے باوجود ان کو نہ مانا، اور اس کی خارقِ عادت کیفیت اور محیر العقول حالت (محال عادی، محال عقلی) کو دیکھ کر ان پر سحر اور جادو ہونے کا اتہام لگایا، پھر ان مشاہدہ کرنے والوں کے بعد جو دنیا نہ دیکھنے والوں کی آئی تو وہ ان پر خلافِ عقل ہونے کا الزام لگا کر ان کے ماننے اور تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، یعنی معجزوں کے دیکھنے والے بھی، اور نہ دیکھنے والے بھی "بلحاظ انکار" نتیجہ میں یکساں ہیں۔ بقول ایک فاضل کے "عجب اندھیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جنکے مصنف اکثر سنی سنائی لکھتے ہیں، اور راویوں کی تحقیق نہیں کرتے، دنیا والے قبول کر لیتے ہیں، اور نہ مانیں تو قرآن و حدیث کی صداقت ہی کو، اور جہاں ان واقعات کا رشتہ ذرا بھی مذہب سے وابستہ نظر آتا ہے، بس وہ بات لغویات کی فہرست میں شمار ہو کر تحقیق سے پہلے قابلِ انکار سمجھ لی جاتی ہے۔"

خدا کے ہر پیغمبر سے خارقِ عادت واقعات اور معجزے ظاہر ہوتے چلے آئے ہیں مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ جس سے بھی یہ خرقِ عادت سرزد ہو، یہ بالکل ضروری نہیں کہ بس صرف اس ایک ہی بنیاد پر اسے خدا کا رسول مان لیا جائے جو غیر معمولی نشانیاں کسی نبی کے توسط سے ظاہر ہوں، وہ آیاتِ نبوت کہلاتی ہیں، اور جو اس کے واسطے کے بغیر ظاہر ہوں وہ آیات اللہ ہیں جن کا سلسلہ ازل سے ابد تک جاری ہے، اور جاری رہے گا۔ یعنی عادتی واقعات کے علاوہ خرقِ عادت بھی خدا کی طرف سے روزمرہ رونما اور جاری ہے لیکن اسکی شناخت بہت مشکل

کام ہے، عموماً آدمی ایسے امور کو اتفاقات و واقعاتی اتفاق یقین کرتا اور سمجھتا، اور ساری عمر اسی غفلت میں کاٹ جاتا ہے مثلاً ہوائی جہاز کے حادثہ میں سارا جہاز اور سب مسافر تباہ ہو گئے لیکن ایک شخص کے بچ جانے پر عقل حیران کی حیران رہ جاتی ہے، البتہ صرف معجزہ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس میں اس شبہ اور ابہام کا پردہ بالکل ہٹ جاتا ہے، اگر آپ انبیاء کے تمام معجزات کو قدرت کی اسی کاری گری کے مقابلہ میں جس کا دنیا میں ظہور و شہود ہے رکھ کر موازنہ کریں تو دونوں آپ کو ایک ہی نوع کے نظر آئیں گے۔ کیا خوب کہا کہنے والے نے "نہ وہ مقدورِ بشری، نہ یہ مقدورِ بشری"

معجزہ ہر زمانہ میں معجزہ ہی ثابت ہوگا

مولانا بدرِ عالمؒ ترجمان السنۃ (جلد چہارم) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کل تک جو معجزہ ہو، وہ آج مادی ترقیات کے دور میں معجزہ باقی نہ رہے، مثلاً دوسرے ملک کی آواز سُن لینا، کل معجزہ تھا، تو آج بھی معجزہ ہے، کیوں کہ معجزہ کی حقیقت میں بلا واسطہ اسباب ظاہری ہونا رکن لازم ہے۔ لہٰذا آج بھی اگر کوئی بغیر آلات کی مدد کے سُن لے، تو بے شک اعجاز ہے[۱]"

معجزہ مدعی رسالت کا مؤید ہوتا ہے تاکہ وہ اس کو اپنی نبوت کی دلیل بنا سکے، اگر کوئی جانور اس کے حکم سے بولنے لگے، مگر یہ بولے کہ یہ شخص جھوٹا ہے نبی نہیں، تو اگرچہ جانور کا بولنا خرقِ عادت ہے، لیکن اس کے دعوے کے برخلاف ہے۔ دجّال بھی عجائبات دکھائے گا مگر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔

معجزہ کی حقیقت

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے معجزہ کی اصلیت اور حقیقت پر ایسی سچی اور عالمانہ بلیغ روشنی ڈالی ہے کہ جب کبھی کوئی شخص معجزہ کی تفصیل میں جو کچھ لکھے گا یا کہے گا وہ اسی کی شرح ہوگی، فرماتے ہیں (جسے ہم تفہیم عام کی غرض سے اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں) (۱) معجزہ کے ظاہر ہونے میں قطعاً نہ کسی طبعی سبب کو دخل ہوتا ہے نہ اس کے پیچھے

---

[۱] ترجمان السنۃ جلد چہارم ص۱۷

کوئی خفیہ، یا کوئی چھوٹے بڑے اسباب ہوتے ہیں، حتیٰ کہ

(۲) صاحب معجزہ کی قوت کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا ہے، اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اپنے معجزہ (لاٹھی کے اٹھانے سے) خود نہ ڈر جاتے۔

(۳) نہ کسی خارجی قوت کی مداخلت پائی جاتی ہے وہ براہِ راست حق تعالیٰ کی مشیّت سے بلا توسط، اسباب عادیہ (مقررہ) کے واقع ہوتا ہے۔

(۴) پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں طبعی سبب نہیں بتلا سکتا، کیوں کہ جو چیز موجود ہی نہ ہو اس کو موجود کون ثابت کر سکتا ہے، اگر معجزہ سے کسی زمانۂ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی تو دوسرے زمانہ میں اس کا سبب خفی بتلانے سے اس کی تکذیب ہو جاتی یہی وجہ ہے کہ معجزات کے ظہور میں کسی بھی خفی سبب کے دخل کو بتلا کر اس کے باطل کرنے سے ہر شخص قاصر رہا، حتیٰ کہ اسے شبہ بھی ظاہر کرنے کا یارا میسر نہ آسکا، چہ جائیکہ اس کی مانند ظاہر کرکے مقابلہ پر اترتا۔[1]

معجزہ سے کس طرح خدا کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے

سارے خدا پسندوں کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ اشیاء یا مادّے کی جملہ صورتوں اور شکلوں میں جو خاصیت و تاثیر پائی جاتی ہے، گو مستقلاً و ناقابل تغیر سہی، وہ صرف خدا کے امر و حکم سے اس میں قائم و ظہور پذیر ہے، اور اسی کے باعث ساری کائنات ایک زبردست نظام و قانون کے اندر جکڑی ہوئی نظر آتی ہے، اور اسی کے بل پر تنظیم کے ساتھ یہ سارا کارخانۂ جہاں یکساں چل رہا ہے۔

جس وقت خدا کا کوئی نبی اور رسول اس طاقتور نظام کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے تو گویا اس بات کی کھلی تصدیق اور شہادت لوگوں کے سامنے آجاتی ہے کہ جس خدا نے یہ نوامیسِ فطرت ان میں ودیعت کئے ہیں، اُسی قادرِ مطلق کی ذات نے بر بنائے ضرورت و مصلحت اور اپنے رسول کے اکرام کے لئے اپنے بندوں کے سامنے اس نبی کے ذریعے اس کو توڑنے کا مظاہرہ فرمایا ہے، اور یہی امر اس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ یہ نبی سچا اور خدا کا فرستادہ ہے۔ اسلام نے بتا دیا اور جتلا بھی دیا ہے کہ معجزہ

---

[1] بوادر النوادر (جلد ۲) ص ۳۸۲

نبی کا فعل نہیں خدا کا فعل ہے، جس کو اُس نے اپنے اِس مقرب و منتخب بندے کے ذریعے ظاہر فرمایا۔ اِسی سے یہ بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ انبیاءِ علیہم السلام باوجود ایک بشر نظر آنے کے ان کا باطن کتنا زبردست صلاحیت کا حامل اور طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں براہِ راست ارادۂ الٰہی ظہور فرماتا ہے اور معجزہ وقوع میں آتا ہے، اِسی لئے اگر ایک طرف انبیاء کے باطن اور رُوحانی فیض کی بلندی کا کوئی غیر نبی اندازہ نہیں کرسکتا ہے تو دوسری طرف بعد کے آنے والے ظاہر بین اور عقل پرست ہوں، یا چاہے خود نبی کے زمانہ کے انسان، ان سب کے روبرو معجزہ اپنی جلالتِ شان و عظمت کی رو سے، اور اپنے واقعات و اثرات کے لحاظ سے پیغمبر کے قرب و نسبت و تعلق مع اللہ کا وحی سے زیادہ کھلا اور ایک لرزہ فگن واضح نشان بن جاتا ہے، کیوں کہ مقامِ رسالت کو کسی اور رنگ میں دیکھنا اور سمجھنا ایسوں کے لئے ممکن نہ ہوتا۔

معجزہ سے فطرت انسانی چونک پڑتی ہے

انسانوں میں عقل و صلاحیت، اور ظاہری و باطنی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف درجے ہوتے ہیں اور ہمیشہ کثیر تعداد عوام کی پائی جاتی ہے اور معجزہ عامۃ الناس کی سطح پر ظہور پذیر ہوتا ہے جو نہ صرف عوام کو متاثر کر کے رکھ دیتا ہے بلکہ باصلاحیت خواص کو ان سے زیادہ لرزہ براندام کر دیتا اور حق کو دکھاتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر آنے والے جادوگر، ان کا معجزہ دیکھ کر سجدے میں گر پڑے اور ایمان لے آئے مگر فرعون پر الٹا اثر ہوا، اس کی ضد اور انکار میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔

بہرحال معجزہ کے خارق عادت افعال کو دیکھ کر ایک دم فطرت انسانی چونک پڑتی، اور اس کے اسباب و علل کو تلاش کرنے لگتی ہے، جب اس کو ان سب سے خارج دیکھتی ہے تو اس کے دل میں صاحب معجزہ کی عظمت و ہیبت بیٹھ جاتی ہے، اور قلوب کسی غیبی طاقت کا اقرار کرنے پر مائل ہوجاتے ہیں، یہ عام جبلّتِ انسانی ہے کسی دور کی تخصیص نہیں، اور ہر زمانہ میں اس کا یہی حال رہا ہے۔

نبوت تو ختم ہوچکی ہے لیکن خاصانِ خدا اور اولیاء اللہ سے کبھی دنیا خالی نہیں رہی، جب کبھی لوگ کسی ولی سے کرامت دیکھ لیتے ہیں تو بلا لحاظ مذہب و قوم اس کی ذات سب کا مرجع بن جاتی، اور اس کی عظمت کے آگے سب کی گردنیں جھکی

پڑتی ہیں، اور ایک خلق، اس کی دہلیز پر اپنی پیشانیاں رگڑنے کو سعادت و موجب برکت جاننے لگتی ہے، گو نبی اور ولی ہیں، اور ان کے معجزہ و کرامت میں زمین و آسمان کا تفاوت ہوتا ہے، جیسے کہ کسی شخص میں اور اس کے آئینہ کے عکس میں ہوتا ہے لیکن کرامت سے معجزہ کا ایک اندازہ تو ضرور لگایا جا سکتا ہے۔

معجزوں کے ماننے میں لوگوں کا تفاوت

اور معجزوں سے جو چیزیں عموماً آدمی کو متاثر نہیں ہونے دیتیں، یا وہ ان کا انکار کرتا ہے تو اس کی وجہ جہالت ہوتی ہے، یا بصیرت سے خالی خام علم ہوا کرتا ہے، یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال و دولت اور دنیاوی حکومت و اقتدار اس میں غرور و انانیت پیدا کر دیتا ہے جس سے جوہر عقل پر زنگ چڑھ جاتا ہے، تعقل و تفکر جیسی لطیف قوتوں کا کیا ذکر، وہ تو ظاہری اور موٹی موٹی باتوں ہی کو جب اپنی سمجھ کے خلاف پاتا ہے تو ماننے کے لئے قطعاً آمادہ نہیں ہوتا بلکہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا، اور طعنہ کرتا ہے اور اگر خاندانی، قومی و ملکی عصبیت کا روگ بھی مزاج میں داخل ہے تو پھر اس سے سلامتیٔ فکر و صحیح بصیرت رخصت ہو جاتی ہے، ان مذموم اخلاق میں سے ایک بھی کسی کی طبیعت میں جاگزیں رہے تو صرف اسی ایک کی وجہ سے حامل صداقت کے تعلق سے اس کے دل میں نفرت، دشمنی اور بغض گھر کر لیتا ہے اور کفر و شرک کی تو خاص تاثیر ہی یہ ہے کہ اس میں جوہر عقل کا ادراک بے حد ناقص ہو جاتا ہے، یعنی ایسا شخص صرف اپنی زندگی اور اس کے گرد و پیش کے محسوسات و مشاہدات میں ہی منحصر ہو کر رہ جاتا ہے، جس سے دل کی تاریکی اور سیاہی اس قدر بھیانک ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی خدا کی پیدا کردہ نشانیوں اور کائنات کے مشاہدہ کے اثر سے اس کے قلب میں نورِ معرفت کی ایک آدھ لہر اٹھتی بھی ہے تو اس کے قلب کی یہی سیاہی، اس نور کو نگل لیتی ہے۔ یہی اسباب تھے کہ ابوجہل، ابولہب، فرعون و نمرود کے قلوب انبیاء کی صداقت اور معجزوں کی حقانیت کو تازندگی قبول نہ کر سکے۔ مرشد رومیؒ نے کس مزے کی تمثیل دی ہے کہ "دریا کا پانی حیات بخش سہی لیکن اس میں خشکی کے جانور زندہ نہیں رہ سکتے"۔

اللہ کے رسول اور انبیاء جو دعوتِ حق پیش کرتے ہیں اس کی صداقت پر خود

ان کا پیام بھی گواہ ہوتا ہے، پھر ان کی زندگی کے شب و روز اُن کا اخلاص و عمل، اور ان کے غیر معمولی اخلاق بھی، اس پر کھلی شہادت بن جاتے ہیں، جس کے بعد کسی معجزے کے دکھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ اسی لئے بہت سے ایسے افراد جن کی فطرت میں سلامتی اور سچائی کو قبول و شناخت کرنے کا جوہر پایا جاتا ہے وہ فوراً نبی کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کرتے ہیں، جیسا کہ ہم حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ و دیگر صحابہ کرام کے واقعاتِ زندگی میں اس کے ثبوت پاتے ہیں کہ یہ سب کوئی معجزہ دیکھے بغیر ایمان لے آئے تھے اور ایک جماعت ایسی بھی رہی ہے کہ جن کے نورِ فطرت پر خفیف سا زنگ چڑھ گیا تھا، جب معجزہ رونما ہوا تو فوراً اس واقعہ کے اثر نے یہ کدورت نکال پھینکی، اور اُن کے قلبِ مُصفّا نے صداقت کو دیکھ لیا اور وہ بھی تسلیم و ایمان لانے والوں کے گروہ میں دوڑ کر شامل ہو گئے، چنانچہ فتحِ روم کی پیشین گوئی جب پوری ہوئی تو قریش کے بہت سے لوگ اسلام لے آئے[1] چلتے چلتے یہ بھی ذہن میں رہے کہ پہلے سے جو لوگ دین میں داخل رہتے ہیں، معجزے اُن کے لئے تسکین و خوشی کا باعث بھی بنتے ہیں، اور دین میں اُن کی ثابت قدمی بڑھتی اور ان کے ایمان کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

کافر کیوں معجزہ طلب کرتے ہیں

اہلِ کفر جب کبھی کوئی معجزہ مانگتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ مانگتے ہیں کہ یہ رسول جھوٹا ہے اور ایسی اَن ہونی بات وہ پیش نہیں کر سکے گا، جس سے سب لوگوں کے سامنے اس کی تحقیر و ذلت ہو گی، اُن کو یہ بالکل باور نہیں ہوتا کہ اُن جیسا ایک آدمی جو دنیاوی حیثیت میں ہر طرح ان سے کمتر بھی ہے وہ خدا کا فرستادہ بن جائے اور خاص طور پر جبکہ اس کی تعلیم بھی ان کے آباء و اجداد کے مسلک کے صریح خلاف ہو، جب مخالفت کا کوئی خاص وقت آ جاتا ہے اور خدا کو منظور ہوتا ہے، یا خود اللہ تعالیٰ وقت و موقع منتخب فرما لیتا ہے تو تکمیلِ حجّت و رسول کی صداقت کے لئے اپنے نبی کو معجزہ عطا فرماتا ہے، جس کا خارقِ عادت واقعہ ساری علتوں، سببوں اور عقل و فکر کے ادراک سے اس قدر ماوراء ہوتا ہے کہ سب مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں اور جواب نہ ہو سکنے والی

---

[1] اس واقعہ کو کتاب ہٰذا کے عنوان چند معجزات قبل واقعہ شق صفحہ ۳ پر ملاحظہ فرمایئے۔

یقین کی جاتی تھی وہ مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے نری عقلیت کے تو اس کے آگے بال و پر بکھر جاتے اور اس کی کمر ٹوٹ کر رہ جاتی ہے۔ معجزہ کے طلبگاروں کو سارے لوگ بر سر عام، ذلت و رسوائی کے گڑھے میں ڈوبتا دیکھنے لگتے ہیں اور پیغمبر کی صداقت کا غلغلہ بلند ہو کر عالم آشکار بن جاتا ہے، جیسا کہ فرعون نے موسیٰؑ کو جادوگروں کے ذریعے رسوا کرنا چاہا مگر اسے کہاں یقین تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں اپنی ناکامی و ذلت کے اسباب جمع کر رہا ہے۔

ہر ہر فرمائش پر معجزہ نہ دیئے جانے کے وجوہ

سابقہ زمانوں میں گزشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں سے ایسے ایسے مہمل اور احمقانہ معجزات طلب کئے ہیں کہ جن پر حیرت ہوتی اور ہنسی بھی آتی ہے، مثلاً حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے فرمائش کی کہ پتھر سے اونٹنی پیدا ہو، اور وہ اسی وقت بچہ بھی جنے۔ غرض اس کا اندازہ ہم قرآن پاک کی تلاوت سے اب بھی بخوبی کر سکتے ہیں ان نشانوں پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کی رسالت کو ان سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہو سکتا تھا مگر ان کافروں کی فرمائشیں پوری کی گئیں، جب اس کے بعد بھی انھوں نے ایمان کا راستہ اختیار نہیں کیا، اور معجزوں کو سحر ٹھہرایا تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا، اور ہمیشہ کے لئے انھیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

اور جب حضرت ختم المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا عہد رسالت آیا اور کفار مکہ بھی سابقہ امتوں کی طرح بار بار معجزات کے طلبگار ہونے لگے کہ:۔

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ — پس لے آ ہمارے پاس کوئی نشانی جیسے بھیجے گئے، تھے پہلے پیغمبر۔

پ ۱۷۔ سورۂ انبیاء۔ رکوع (۱)۔ آیت (۵)۔

تو اس بار رحمت و حکمتِ الٰہی کا اقتضاء کچھ اور ہوا:۔

(الف) چوں کہ حضورؐ پر نبوت ختم تھی اور

(ب) خود قرآن جیسے عظیم معجزہ کو وہ دیکھ رہے تھے اور اس کا نزول ان کے سامنے جاری تھا پھر

(ج) بے انگنت بھی متعدد معجزات وقوع پذیر ہو رہے تھے اس کے علاوہ

(د) حضورؐ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ کی موجودگی کے سبب، قدرت فرمائشی

معجزوں کی طلب پورا کرنے کے بعد اہل شقاوت کے انکار پر انہیں عذاب میں مبتلا کر کے تباہ کرنے سے گریز کرنا چاہتی تھی، اور خود رحمت عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی بھی یہی آرزو رہی، اِس لئے مطالبہ کنندوں کے جواب میں وحی نازل ہوئی کہ:۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط
پ۱۵۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۶۔ آیت ۵۹

ہم کو نشانیوں (معجزات) کے بھیجنے میں صرف یہ امر مانع رہا ہے کہ سابقہ لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

لہٰذا حق تعالیٰ نے بڑی حد تک اہل کفر کے لغو مطالبات کو ٹال کر انہیں ہر طرح اپنے اصل پیغام و دین کی طرف متوجہ ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ ان مصالح اور حکمتوں کے سبب شدّتِ مطالبہ کے باوجود بہت ہی کم فرمائشی معجزے دیئے گئے اور یوں سرزمین مکہ اور اہل مکہ ایک دم کی تباہی و عذاب سے بچائے گئے۔ مذکورہ وجوہ کے باعث متعدد مواقع پر حضورؐ کو بھی بذریعہ وحی حکم ہوا کہ آپ ان کافروں سے فرما دیجئے کہ میں بغیر اِذنِ الٰہی اپنے اختیار سے کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا (جس کی بحث علٰحدہ عنوان کے تحت آگے آتی ہے)۔

اصطلاحِ معجزہ کی تنگ دامانی

آغازِ اسلام سے تقریباً دو سو سال بعد جب مسلمان علوم فلسفہ و کلام وغیرہ کی طرف مائل اور اس میں مشغول ہوئے تو انھوں نے معجزہ کی اصطلاح وضع کی اور اس موضوع پر معرکۃ الآراء فلسفیانہ و کلامی مباحث لکھے، جس کے بعد یہ لفظ ان کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے مشرق و مغرب میں پھیل کر زباں زدِ خاص و عام ہو گیا۔ لیکن قرآن حکیم میں اس کی بجائے آیت اور برھان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسا کہ:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ
پ۱۵ بنی اسرائیل رکوع ۱۱۔ آیت ۱۰۱۔

اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں (معجزات) دیں۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
پ۲۰۔ سورۂ قصص۔ رکوع ۴۔ آیت ۳۲

پس یہ دو دلیلیں (معجزات) ہیں تیرے پروردگار کی طرف سے۔

ان الفاظ میں اس قدر جامعیت ہے کہ ان میں سارے پیغمبرانہ کمالات و صفات کی کوئی بھی بات خارج نہیں ہونے پاتی، اسی لئے قدیم محدثین نے بھی معجزات کے واسطے دلائل و علامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو قرآنی لفظوں کے ہم معنیٰ ہیں۔

اصطلاح معجزہ کے اختیار کرنے میں اس کا عجب سے بڑا کھلا اور امتیازی وصف تو نمایاں ہو گیا لیکن محسوس ہوتا ہے کہ معنیٰ و مفہوم کی وہ وسعت اس میں باقی نہیں رہی بلکہ کچھ حد بندی ہی ہو گئی ہے۔ چناں چہ بقول مولانا سید سلیمان ندویؒ، سیر ملکوت، خدائے تعالیٰ سے شرفِ تکلم، ملائکہ سے ربط و گفتگو وغیرہ جیسے بیسیوں امور اس اصطلاح سے باہر ہو جاتے ہیں۔

معجزہ دکھانا پیغمبر کے اختیار میں نہیں خدا کے اختیار میں ہے

عام طور پر ذہنوں میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے، اس لئے ان مباحث کے سلسلہ میں اس امر پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے تاکہ جو صحیح بات ہے وہ سامنے آجائے۔ جب کبھی لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں اُن سے معجزے صادر ہوتے دیکھے ہیں، تو اس میں سرے سے ان کو کسی غیر کی کوئی مداخلت نظر نہیں آتی تھی تو کیا یہ ان کی قوت و شخصیت کا اختیاری کرشمہ تھے؟ یا کم از کم ان کی ذات کو اس میں کچھ تھوڑا بہت دخل تھا؟ واقعہ یہ ہے کہ معجزات میں نفسِ نبوت و رسالت کو ذرا سا بھی دخل نہیں ہوتا، یہاں تک کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں رہتا کہ قدرت ابھی ابھی اُن سے کوئی معجزہ دکھانے والی ہے۔ چناں چہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عصا ڈالنے کا حکم ہوا، جب یہ لاٹھی زمین پر گری تو فوراً اژدھا بن گئی، جسے دیکھ کر وہ ڈرنے لگے پھر حکم ہوا کہ خوف کھائے بغیر اسے اٹھا لو، تو تب اٹھایا۔ پس اسی سے اندازہ کیجئے کہ نبی اور اس کی کسی قوت کو اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہوتا ورنہ حضرت موسیٰ اپنے معجزہ سے آپ کیسے ڈرتے؟ اور اگر یہ نبی کی قدرت و اختیار کی چیز ہوتی تو آقائے دوجہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اُحد کی جنگ میں ناکامی کیوں ہوتی بلکہ حنین کے معرکہ کی طرح "مٹھی بھر خاک" پھینک کر اس لڑائی میں بھی فتح یاب ہو جاتے، اسی لئے قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد مواقع پر اہل کفر کی معجزہ طلبی پر آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ معجزات خدا کے پاس ہیں[۱] ان کا دکھانا میرے بس میں نہیں، صرف اسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہے تو عطا فرمائے۔

---

[۱] دیکھئے پارہ (۸) سورۂ انعام رکوع ۱۳۔ آیت (۱۱۰) و پ ۲۱ سورۂ عنکبوت رکوع (۵) آیت (۵۰-۵۱)

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً — کہہ دیجئے کہ تحقیق اللہ تعالےٰ قادر ہے اس پر کہ اتارے نشانی۔

پ ۔ سورۂ انعام ۔ رکوع ۴ ۔ آیت ۳۷۔

دوسری جگہ تو وحی الٰہی نے لوگوں کو خطاب کرکے یہ سنایا کہ:۔

وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط — اور نہ تھا واسطے کسی پیغمبر کے (ممکن) یہ کہ لے آئے کوئی نشانی (معجزہ) مگر اللہ ہی کے حکم سے۔

پ ۱۳ ۔ سورۂ رعد ۔ رکوع ۶ ۔ آیت ۳۹۔

نہ صرف اتنا ہی بلکہ قرآن کریم سے ایک سخت مرحلہ کا بھی انکشاف ہوتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو افتادِ حالات کے پیش نظر شاید یہ توقع بھی ہونے لگی تھی کہ اب معجزہ عطا ہوا اور تب۔ مگر مشیتِ الٰہی کو منظور نہ تھا اور ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا، اور کفار طعن و تشنیع کرکے چلے گئے تو رحمتِ عالم رنجیدہ و متاثر ہوگئے، ایسے حال میں وحی نازل ہوئی کہ:۔

وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ ط — اور اگر گراں ہوا ہے تجھ پر ان کا منہ پھرنا پس اگر تجھ سے ہو سکے یہ کہ تو زمین میں سرنگ ڈھونڈھ لے یا آسمان میں سیڑھی تو پس لے آ ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ)

پ ۔ سورۂ انعام ۔ رکوع ۴ ۔ آیت ۳۵

اس کے ماسوا جب کبھی ان پیغمبرانِ اولوالعزم نے کوئی معجزہ دکھایا ہے تو ہمیشہ اپنی قوم اور لوگوں کو یہ سنا دیا، اور ان کے روبرو یہ اقرار کیا کہ یہ سب کچھ ہم نے نہیں کیا ہے بلکہ اذنِ الٰہی سے ہوا ہے، چنانچہ حضرت مسیحؑ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ ج — اور چنگا کرتا ہوں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو، اور جلاتا ہوں مُردے کو اللہ کے حکم سے۔

پ ۳ ۔ آل عمران ۔ رکوع ۵ ۔ آیت ۴۹۔

اور ایک مقام پر تو خدا نے صاف بتا دیا ہے کہ "معجزہ نبی کا نہیں میرا فعل ہے" چنانچہ جب سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بدر کی جنگ میں مشغول تھے اور میدانِ جنگ لشکرِ اسلام پر بہت تنگ ہوگیا تو حضورؐ نے ایک مٹھی خاک اٹھا کر دشمنوں کی فوج پر پھینکی کوئی آدمی بھی ایسا باقی نہ تھا کہ یہ خاک اس کی آنکھوں میں نہ جا پڑی ہو،

تب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ! وہ مٹی تم نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ج — اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی

پ۹ - سورہ انفال - رکوع ۲ - آیت ۱۷

بہرحال خدا نے توحید و نبوت ہر دو مقام کی اصل حقیقت سے ہمیشہ کے لئے نقاب الٹ کر رکھ دیا ہے، اور بتا دیا ہے کہ معجزوں کو دیکھ کر انبیاء کے بارہ میں افراط و تفریط سے بچو، اور معجزہ کی اصل صرف خدا کی قدرت اور اس کا ارادہ ہے۔

انبیاء کی ذات سے معجزوں کا صدور دیکھ کر گزشتہ قوموں کی تباہی

مذکورہ حقیقت کو فراموش کر کے، اسلام سے پہلے کے اہل مذاہب اور قومیں تباہ و برباد ہوگئیں، کیوں کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں سے جب کثیر معجزات دیکھے، جن کی عظمت و جلالت نے ان کو بے حد مرعوب کر دیا تو وہ دھوکا کھا گئے، اور اپنے نبی و رسول کا درجہ اتنا بڑھا ڈالا کہ اُسے بھی ذات وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ میں شریک کر ڈالا اور خدا کی خدائی میں حصہ دار ٹھہرا دیا، جس کے نتیجے میں مذاہب کی سچی تعلیمات بالکل مسخ ہو کر رہ گئیں، اور اعمال و عبادات وغیرہ کی ساری بنیادیں متزلزل ہو کر ڈھیر ہوگئیں، چناں چہ مسیحیت کے مشہور عقیدۂ تثلیث سے جو عیسائیت کی بنیاد اعظم ہے، ساری دنیا اچھی طرح واقف ہے اِسی لئے حق تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے انسانوں کو اِس گمراہی پر متنبہ فرمایا ہے، اور قرآن میں کھل کر جگہ جگہ اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے تاکہ شک اور شبہات کے رخنے ہمیشہ کے لئے مضبوطی کے ساتھ بند ہو جائیں۔

معجزوں کے اقسام

انبیائے کرام سے بے شمار نوعیت کے معجزے وقوع میں آئے ہیں، علمائے دین نے اپنے اپنے ذوق و فکر کے لحاظ سے اِن کی قسمیں مقرر کی ہیں، کسی نے کہا جملہ معجزات کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) ایک حسّی، یعنی جن کے ادراک کرنے میں کسی بڑی عقل و فہم کی ضرورت نہیں، اور جو حواسِ ظاہری سے محسوس ہوں جسے بعضوں نے عملی کا نام دیا ہے، مطلب یہ کہ کوئی

شخص نبوت کا دعویٰ کر کے، ایسے کام کر دکھائے کہ دوسرے اس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں
(۲) دوسری قسم عقلی (معنوی یا علمی) کہلاتی ہے، یعنی وہ نبی ایسے علوم ظاہر کرے کہ دوسرے افراد اس کے مقابلہ سے عاجز آجائیں، چنانچہ قرآن و حدیث ایسے ہی ہیں
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی کمی بصیرت کے سبب، پہلی قسم کے معجزے زیادہ عطا ہوئے تھے اور امت محمدیہ کے واسطے حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حسی کے ساتھ ساتھ عقلی معجزات بھی بخشے گئے ہیں، کیوں کہ یہ شریعت باقی رہنے والی بنائی گئی ہے اور اس کے لئے زمانہ میں جہانِ حکمت و دَورِ عقل چلایا جا رہا ہے جو اُس وقت تک برابر ترقی کرتا چلا جائے گا، جو اس کے واسطے معین و مقرر ہے، جس میں اسلام کا ہر گوشہ روشن ہو کر عقل و فہم میں اترتا چلا جائے گا۔

ایک فاضل نے بیان کیا کہ انبیاء کے جملہ معجزات میں سے بعض ایسے ہیں جو مخصوص تھے، کسی اور کو عطا نہ ہوں گے جیسے قرآن، شق القمر، شق بحر۔

معجزہ و کرامت میں فرق

بہت سے ایسے بھی ہیں، جن میں امت کے اَولیائے کرام کو بھی حصہ ملا ہے اور ملتا رہے گا، جیسے ان کی دعا سے پانی کا برسنا، کھانے میں برکت کا ظاہر ہونا اور بیمار کا اچھا ہو جانا وغیرہ، جسے کرامت کی اصطلاح خاص سے یاد کیا جاتا ہے، تاکہ نبی و ولی کا فرق واضح رہے۔ کیوں کہ ولی، باطنِ رسالت و نورِ نبوت سے اکتسابِ فیض اور اس سے اپنی غیر منقطع نسبت کی بنا پر ہی "مصدرِ کرامت" بنتا ہے، جیسے سورج بذاتہ منور ہے اور چاند اپنی "صلاحیت وجودی" کے باعث اس سے اکتسابِ نور کر کے خود روشن ہوتا ہے اور دوسروں تک بھی اپنا نور پہنچاتا ہے یعنی چاند کی روشنی اصلی نہیں، سورج نہ ہو تو چاند بھی منور نہ ہو سکے، رسول سے تعلق و نسبت نہ ہو تو، نہ ولایت نہ کرامت۔

حضرت مولانا بدرِ عالم نے حافظ ابن تیمیہ جیسے متشدد کی یہ تنبیہ نقل فرمائی ہے کہ "نبی کا ایک معجزہ، کسی ولی کی مدت العمر کی کرامات کے مقابلہ میں زیادہ وزنی ہوتا ہے اس فرق کو یوں سمجھئے جیسے کہ وحی اور الہام کہاں، اور وحی کی شوکت و عظمت کہاں؟

معجزہ اور سحر میں فرق

معجزہ کے ذکر میں ہمیشہ سحر کا نام بھی آیا کرتا ہے اور عرصۂ دراز سے ان ہر دو کا موازنہ

ومقابلہ ایک معرکۃ الآراء علمی بحث وموضوع بنا رہا ہے اور یوں بھی ہر دَور میں اُن منکرین نبوت اور رسالت نے جنھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے معجزے وقوع پاتے دیکھے تھے، باوجود مشاہدہ کے ان کو سحر اور جادو سے تعبیر کر کے ماننے سے انکار کیا ہے۔

ایک عام آدمی یہ سوال کر سکتا ہے کہ جس طرح معجزہ سے محیر العقول اور عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں، ویسے تو جادو، طلسمات، مسمریزم اور شعبدوں سے بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں تو پھر ایک نبی اور ایک ساحر کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے؟ علمائے اسلام نے علم کلام میں اس پر بڑی بڑی اور اعلیٰ درجہ کی بحثیں کی ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سحر و معجزہ اپنی ماہیت اپنے فاعل اور اپنی غایت ومقصد وغیرہ میں ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہے۔

(۱) سحر صرف فریب نظر ہوتا ہے جس میں منظر سچا نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنی کوئی اصلیت وحقیقت رکھتا ہے، برخلاف اس کے مُعجزہ امر واقعہ وحقیقت ہوتا ہے، بلکہ اس کے اثر سے حقیقت وماہیت ہی تبدیل پا جاتی ہے، جیسے نارِ نمرود میں آگ سے حرارت کی بجائے سلامتی بخشنے والی برودت کا ظہور ہوا۔
نیز سمندر کا پھاڑ دینا، چاند کا دو ٹکڑے کر دینا جیسے واقعات ہرگز سحر وطلسم سے نہیں کئے جا سکتے۔

(۲) سحر میں کلماتِ شرک، نفسی توجہ اور ارواحِ خبیثہ کی امداد کام میں لائی جاتی ہے۔

(۳) ساحر کی گندگی، آلودگی اور خبیث النفسی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، اس کو سب ہی جانتے ہیں، اس کی بجائے نبی کی پاکیزگی، شرافت وعظمت کا، اس کی دعوت قبول نہ کرنے والے بھی اقرار کرتے ہیں۔

(۴) معرفتِ رب، نجاتِ آخرت اور تعلیماتِ حقہ کی قبولیت وتسلیم، معجزہ کی اصل غرض ہوتی ہے تو ساحر کا مقصودِ حقیقی، محض متاع دنیا کا حصول ہوتا ہے۔

(۵) نبی ورسول اپنی قوتوں کو نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں، تو جادوگر، شر، فساد اور بگاڑ میں خرچ کرتے ہیں۔

(۶) نبی بغیر اذنِ الٰہی معجزہ نہیں دکھا سکتا، لیکن ساحر جب چاہے اپنے اختیار کو استعمال کر کے سحر کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔

(۷) یعنی وہ ایک تماشا گر ہوتا ہے اور اپنی اس حیثیت سے کبھی بلند نہیں ہو سکتا اور اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ صلاح و فلاح انسانی کے کارنامے انجام دے، لوگوں کے مذموم عادات، معاملات و اخلاق کو سنوار دے، اور اُن کے قلوب کا تزکیہ کر ڈالے، اس کے برخلاف صرف پیغمبروں نے ایسا کر دکھایا ہے، بڑے بڑے انسانی گروہوں اور سرکشوں کو ایسا پاک کیا کہ نہ صرف وہ اس کے مطیع اور جان فدا کرنے والے بن گئے بلکہ خود دوسرے انسانوں کی قیادت و رہنمائی کے منصب پر فائز ہو گئے۔ اور ان میں جو لوگ ضدی، جابر، ظالم اور منکر تھے، پیغمبر کے مقابلہ پر آکر ہمیشہ کے لئے مٹ گئے اور باقی نہ رہ سکے۔

(۸) اس موازنہ و مقابلہ میں یہ بات بھی بھولئے نہیں کہ سحر کا تماشا دوسرے ہم پیشہ جادوگر دکھا سکتے ہیں، اور سحر سیکھا اور سکھایا بھی جا سکتا ہے، اور سحر کو سحر سے توڑا بھی جاتا ہے لیکن معجزہ میں ان سب امور میں سے کوئی بات بھی ممکن نہیں، اور سحر ساحر کے ساتھ فوراً فنا ہو جاتا ہے لیکن بہت سے معجزوں کی تاثیر اور اُن کے آثار نبی کے بعد بھی جاری اور باقی رہتے ہیں (جسے ہم آگے بیان کریں گے)

(۹) دنیا کے کسی گوشہ کی تاریخ میں کسی بھی جادوگر کے ایسے واقعات و حالات پائے ہی نہیں جاتے، جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کے کارنامے اور تذکرے زمانہ کے سینہ پر ثبت ہیں اور آج بھی ان کی امتیں اور قومیں ان کی تاریخ و آثار کو اپنے سینے سے لگائے زندہ ہیں، اس سے بھی نبی اور ساحر میں کیا فرق ہوتا ہے، وہ آفتاب کی طرح روشن نظر آ سکتا ہے۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ پیمبروں کی زندگی اور جادوگروں کی زندگی ہی ان دونوں کے فرق باہمی کو ثابت کرنے کے لئے کافی و وافی ہے۔

نیز کتابِ ربّانی بھی یہی تصدیق کرتی ہے کہ سحر کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف ایک خیال بندی و نظر بندی ہے۔ چناں چہ جب موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا تو اس موقع پر مذکورہ حقیقت کا ان الفاظ میں انکشاف فرمایا گیا ہے۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝	(موسیٰ نے جادوگروں سے) کہا کہ نہیں تم ڈالو، تو فوراً ہی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو سے اس کے خیال میں آئیں کہ دوڑ رہی ہیں۔
پ ۱۶ طٰہٰ - رکوع ۳ - آیت ۶۶	

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ سحر اور معجزہ کے فرق کو تو وہی جان سکتا اور کہہ سکتا ہے جو خود اس فن کا ماہر ہوا اور اپنے جادوؤں کو سبھوں کے سامنے بے تکلف ظاہر کرے اور پھر اس میں سچائی کو ہاتھ سے جانے نہ دے جیسا کہ اسی فرق کو فرعون کے جادوگروں نے موسیٰ کے معجزے کی صداقت کے آگے پایا، اور اپنے کذب کو پہچان کر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون کی سطوت اور اس کی جباری و قہاری سے ذرا بھی خوف نہ کھایا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْا آمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝

پ ۱۶۔ سورۂ طٰہٰ۔ رکوع ۳۔ آیت ۷۰

پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے اور بولے کہ ہم ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

معجزے اپنے اثر و تاثیر و نتائج میں بھی مختلف نوعیت کے صادر ہوئے ہیں۔ انفرادی، جماعتی یا ہمہ گیر اثر کے ساتھ ساتھ بعض معجزات کا اثر علم و یقین کے لئے بھی انقلاب انگیز ثابت ہوا ہے، قرآن جس کی زندہ مثال ہے تو کبھی قوم کی تقدیر و تاریخ ہی بدل گئی" جیسی کہ بنی اسرائیل اور عرب قوم کی بدلی، اور مادی فواید بھی میسر آئے، جیسے کہ عصا کی ضرب سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے تھے اور یہود سیراب ہوتے تھے، یا حدیبیہ کے خشک کنویں میں حضور رسالت مآبؐ نے حکم دیا کہ آپ کے وضو کا پانی ڈالا جائے جس کے بعد ڈیڑھ ہزار کا لشکر اس سے سیراب ہو گیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحؒ نے کیا خوب فرمایا کہ درحقیقت رسول اور نبی اپنے عہد کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔

سحر کا زور کس طرح ٹوٹا اور کمزور ہوا

سحر اور نیرنگ بھی دنیا میں قدیم سے ہیں، اور قرآن پاک سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آغاز تک اس کا بڑا زور و شور تھا اور انسانوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جنگل میں پھنسی ہوئی تھی، اور دنیا میں بڑے بڑے جادوگر پائے جاتے تھے جن کے کمالات کا تو اب اس زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی ولادت باسعادت اور نزولِ قرآن کے اثر سے خدا نے ہمیشہ کے لئے اس کو توڑ دیا ہے اور سحر و ساحری اب بہت بے جان و کمزور شکل میں باقی رہ گئی ہے اور موجودہ جادوگروں سے سابقہ کمالات کا شمہ بھی دکھانے کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس صورتِ حال کو دیکھ کر ہمارے

اپنے زمانہ کی اکثریت سحر کی قائل ہی نہیں رہی، اور گزشتہ واقعات کو فسانہ سمجھتی ہے۔ حالانکہ پچھلے زمانہ کے لوگوں کے اقرار و اعتراف آج تک موجود ہیں اور خود مسلمانوں کی آسمانی کتاب تک بھی اس کا اقرار کرتی ہے، جیسا کہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ بعضوں کو سحر کے ٹوٹ جانے اور اس کے کمزور ہو جانے پر شاید حیرت و تامل ہو اس لئے مختصراً یہ سن لیجئے کہ :-

اسلام تھے پہلے کی بعض کتابوں میں اور خود ظہور اسلام کے وقت عربوں کی زندگی کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں، نیز کلام الٰہی میں بھی مختصراً اور اشارۃً جو ذکر موجود ہے (جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات میں لکھا ہے یا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ط

پ - سورۂ انعام - رکوع ۱۵ آیت ۱۲۹

اے جماعت جنوں کی تم نے تحقیق انسانوں میں سے بہت سوں کو لے لیا ہے (اور) آدمیوں میں سے (جو لوگ جنوں کے) دوست تھے انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہم میں سے بعضوں نے ان (جنوں) کے بعضوں سے فائدہ اٹھایا ہے (اپنی دنیاوی زندگی میں)۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں کے ہمراہ شیاطین اور جن بھی رہا کرتے تھے، اور ایک دوسرے کے مددگار تھے لیکن جب سرکار جہانیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ اقدس ہوئی، اور پھر آپ کو نبوت عطا کی گئی تو اس نئے دور کے اقتضا کے سبب

(۱) خدائے تعالےٰ نے ایک طرف تو زمین پر ایسا نامعلوم انتظام فرمایا کہ جن و انس کا یہ باہمی ربط اور میل ملاپ جاتا رہا (جس کا ثبوت ان گزری ہوئی صدیوں کے حالات ہیں جس میں سابق جیسے واقعات سے انسانوں کے دوچار ہونے کے تذکرے نہیں پائے جاتے)۔

(۲) تو دوسری طرف نظمِ آسمانی میں تبدیلی فرمائی جس کی تصدیق خود قرآن سے ہوتی ہے چوں کہ انسان اس راز سے باخبر نہیں ہو سکتا تھا جب جنوں کو اس حقیقت اور تبدیلی سے سابقہ پڑا تو وہ کہنے لگے۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ

پ ۲۹ - سورۂ جن - رکوع ۱ - آیت (۶)

اور یہ کہ کتنے لوگ انسانوں میں تھے جو افراد جن کی پناہ پکڑتے تھے تو پھر وہ (جن) اور زیادہ سر چڑھنے لگے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ

اور یہ کہ ہم (جنوں) نے ٹٹول دیکھا آسمان کو

حَرَسًا شَدِيدًا وَّشُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ

پھر پایا اس کو کہ اُس میں سخت نگہبان اور شہاب بھرے ہوئے ہیں، اور یہ کہ ہم بیٹھا کرتے تھے اس میں (بعض) جگہوں پر سننے کی خاطر لیکن اب جو کوئی سننا چاہے (آسمانی رازوں اور خبروں کو) تو وہ شعلوں (شہاب) کو اپنا تعاقب کرتا ہوا پائے گا، اور کہ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ (اس وقت) اہل زمین کے واسطے (کوئی) برا ارادہ ٹھہرا ہے، یا اُن کے ربّ نے ان کے حق میں ہدایت رسانی کا قصد فرمایا ہے۔

پ ۲۹ - سورہ جن - رکوع ۱ - آیت ۸، ۹، ۱۰

انسانوں کے لئے سحر کا منبع جن اور شیاطین تھے، جیسا کہ کتاب الٰہی شہادت دیتی ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ

اور نہیں کفر کیا تھا سلیمان نے، اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا تھا اور سکھاتے تھے لوگوں کو سحر۔

پ ۱ - سورہ بقر - رکوع ۱۲ - آیت ۱۰۲

بہر حال جب بعثتِ نبویؐ کے بعد ان کا یہ کنکشن (تعلق) توڑ دیا گیا، جو ان کے کرتوت میں زور و قوت کا باعث تھا اور ساتھ ہی انسانوں کے ساتھ ان کے تعلقات ویسے باقی نہیں رہنے دیئے گئے تو آدمی سحر سے دور ہوتے گئے اور آہستہ آہستہ ان کے ساحرانہ کمالات کا فور و ختم ہو گئے۔

(۳) تیسرا امر یہ بھی ہے کہ قرآن کی سطح ارض پر موجودگی اور اس کی عظیم باطنی قوت تہت اثر و برکت نے بھی جادو کے شر کو بے اثر و کمزور کر کے رکھ دیا ہے، اب زمین پر ان کا کہیں بھی کوئی بڑا مرکز باقی نہ رہا، اور بت کدوں میں بھی جو زور و شور تھا، اس کا بھی طلسم ٹوٹ گیا، لہذا ہم بدلے ہوئے حالات میں ان امور کا کہاں اندازہ کرنے کے قابل ہیں، اسی لئے کسی آنکھ والے نے کہا ہے ع

محمدؐ سے پہلے تھا عالم نرالا

معجزوں کے اسباب و علل معلوم کرنے سے بشر عاجز ہے

معجزہ ایک مافوق الفطرت امر ہوتا ہے، دنیا کے دیگر امور کی طرح اگر اس کے بھی اسباب و علل کی تلاش کی جائے تو نادانی ہوگی اور انسان کو ناکامی کا منہ دیکھنا

پڑے گا، صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ معجزے مَنشائے الٰہی سے وقوع میں آتے ہیں، اگر
یہ بھی عالمِ اسباب کی چیز ٹھہریں، جیسے کہ تمام عالم "اسباب" کے گرد حرکت کر رہا ہے
تو اِن معجزوں کا آج نہیں تو کل راز فاش ہو کر رہ جاتا اور دنیا کہنے لگتی کہ اس کے ظہور
کا سبب یہ یہ تھا، جو اب تک چھپا ہوا تھا، جب یہ اسی عالم کے اسباب علل کی بدولت
ظاہر ہوا ہے تو ایسے معجزہ کی اہمیت ہی کیا ہے بلکہ وہ معجزہ ہی کہاں باقی رہتا ہے، یہی
وجہ ہے کہ کئی پیغمبر گزرے اور صدیاں بیت گئیں مگر ان معجزات کی حقیقت کا پتہ نہ لگ سکا
اِسی لئے اہلِ علم ویقین نے جو بات سچی تھی وہ بتا دی ہے کہ معجزوں کے بارہ میں اسباب
کی تلاش نہ کرو بلکہ یقین رکھو کہ ان کا وقوع محض ارادۂ الٰہی سے ہے اور بس! کیوں کہ
"اسباب وعلل کا جتنا بھی سلسلہ پایا جاتا ہے، وہ سب عالم کے لئے ہے خالقِ عالم کے لئے
نہیں، کیوں کہ خود عالم بھی اور اس کے اسباب وعلل بھی سب کے سب اس کی مخلوق ہیں"۔

مولانا بدرِ عالم نے امام شاطبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ چوں کہ انسان اپنے ماحول
میں ہمیشہ اسباب ومسبّبات کا ایک مسلسل نظام مشاہدہ کرتا چلا آتا ہے اور کسی خارجی قدرت
کے تحت اُس کو اِن کے محکوم ہونے کا تصوّر نہیں آتا، اس لئے وہ ان امور کے درمیان بھی
ایک عقلی لزُوم سمجھنے لگتا ہے اور "خرقِ عادت" کو محال کہہ دیتا ہے، اگر انبیاء نہ آتے،
اور معجزہ کے ذریعے خرقِ عادت کا جو مظاہرہ ہوا وہ نہ ہوا ہوتا تو آدمی کا علم اسباب ہی
میں محدود ہو کر رہ جاتا لیکن انبیاء کے خرقِ عادت کے ذریعے اس کا راز فاش ہو جاتا
ہے، بھلا یہ کون ثابت کر سکتا ہے کہ آگ کا جلانا ایک دائمی تجربہ کے سوا کسی عقلی دلیل
کا تقاضا ہے[1]۔ اگر قادرِ مطلق کی قدرت کا متلاشی، اس کی قدرتِ علی الاطلاق کے مظاہر
کا مشاہدہ کرنا چاہیے تو آخر وہ کہاں جا کر کرے[2]۔ اسی لئے خدا نے معجزوں میں یہ نمونے بھی
ہمارے سامنے رکھ دیئے ہیں کہ قدرتِ حق کو بے پردہ دیکھ سکیں۔ مولانا رومؒ نے کیا خوب
فرمایا ہے ؎

جملہ قرآں ہست در قطعِ سبب ‏ ‏ ‏ ‏ عزِّ درویش و ہلاکِ بولہب

(تمام قرآن قطع اسباب کے بیان سے بھرا ہوا ہے، چنانچہ حضور کی کامیابی اور ابولہب

[1،2] ترجمان السنہ - جلد چہارم ص ۱۱، ۱۲

کی ہلاکت، قطع اسباب کی مثال ہے)

کیا آں حضرتؐ کے معجزات کا قرآن میں ذکر نہیں ہے اور خود حدیثوں میں بھی کم ہے

بعض بے خبر افراد کہتے ہیں کہ نہ صرف حضورؐ کے بلکہ دیگر انبیاء کے بھی معجزوں کا قرآن میں ذکر نہیں ہے کیوں کہ آیت کے معنی نشانی کے ہیں جس سے مراد یا تو خدا کی نشانیاں ہیں یا پھر قرآن کی آیتیں۔ یہ دلیل یا خیال انتہائی کم علمی یا فتور عقل پر مبنی ہے، ہم سابقہ صفحات میں لفظ آیت پر، جو معجزہ کے معنی میں آیا ہے، مع ثبوت بحث پیش کر چکے ہیں، و لو فرض اگر ہم ان کے اس استدلال کو ان بھی لیں تو بقول مولانا ندوی آں حضرتؐ کے اور دیگر پیغمبروں کے شدید جانی دشمن اور ان کے خون کے پیاسے کافر انھیں جو ساحر و کاہن کہا کرتے اور سمجھتے تھے اور جس کا تذکرہ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر آیا ہے، کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ان حضرات مرسلین سے خارق عادت واقعات سرزد ہوتے تھے تب ہی تو کافروں کو انہیں ساحر کہنا پڑا لہٰذا ان کا یہ کہنا کس قدر غلط اور مضحکہ خیز ہے اور بعض صرف یہ کہنے والے بھی پائے جاتے ہیں کہ دیگر انبیاء کے معجزوں کا تو البتہ قرآن میں ذکر ہے لیکن حضورؐ کے معجزوں کا تذکرہ نہیں، یہ بھی عیاذاً باللہ صریح اور بہت بڑا جھوٹ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے سرے سے قرآن پڑھا یا سمجھا ہی نہیں ورنہ اس میں بہت موٹے اور کھلے طور پر آپ کے کنکریوں کے پھینکنے، معراج جسمانی، شق قمر اور کئی غیب کی خبروں کا حال بیان ہوا ہے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

فان الآیات المستفادة بالقرآن قد تجرد لها طوائف من المسلمین ذکروا من انواعها وصفاتها ماهو مبسوط فی غیر هذا الموضع حتی بینوا ان مافی القرآن من الآیات یزید علی عشرة آلاف من الآیات (الجواب الصحیح جلد چہارم ص ۔۔)

وہ نشانیاں اور معجزات جو قرآن کریم سے مستفاد ہو سکتے ہیں مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کو علیحدہ کیا ہے اور ان کے اقسام و صفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان معجزات کی تعداد دس ہزار سے اوپر پہنچتی ہے جن کی تفصیل اپنے محل پر بیان کی گئی ہے۔

ہم اس عنوان کے مباحث کو کتاب ترجمان السنۃ سے بیان کرتے ہیں جس میں اس کا نہایت عالمانہ اور ایمان افروز احاطہ کیا گیا ہے۔

اہلِ شک قرآن کے بعد حدیثوں کا بھی حوالہ دے کر گمراہی پھیلاتے ہیں کہ دیکھو مستند حدیثوں میں بھی معجزات کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے کیوں کہ محدثین کے نزدیک بھی یہ قابلِ قبول نہیں تھے، صاحب ترجمان فرماتے ہیں کہ حدیث کی چھ مستند کتابوں (صحاح ستہ) کا "موضوع خاص" شریعت کے اُن احکام کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا رہا ہے جن سے رات دن کی زندگی میں ہر وقت آدمی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے، اس لئے ان کتابوں میں معجزات کا باب پایا تو جاتا ہے لیکن بہت مختصر محسوس ہوتا ہے، مثلاً امام بخاریؒ نے اگر "باب علامات نبوت" میں چند ہی معجزوں کے بیان پر اکتفا کیا ہے تو اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے کیوں کہ انھوں نے اپنی اسی کتاب میں دوسرے ابواب کے تحت بیسیوں معجزوں کا ذکر کیا ہے اور بعد والوں نے صرف معجزات ہی کو موضوع بنا کر ان ہی کتابوں کی مدد سے اچھے خاصے مجموعے مرتب کئے ہیں، جس طرح قرآن کریم کی تلاش میں سطحی نظر رکھنے والے دھوکا کھاتے ہیں، اسی طرح "صحاح ستہ" کی نسبت بھی ان کو یہ گمان لگ جاتا ہے کہ ان محدثین کے نزدیک بھی، چوں کہ معجزات ثابت شدہ نہیں تھے، اسی لئے ان حضرات نے ان کو بیان نہیں کیا ہے، حالانکہ یہ بات امرِ واقعہ کے خلاف ہے[1]"

"احادیث کی کتابوں سے جو مجموعے خاص معجزات کی حدیثوں کو ایک جگہ بیان کرنے کے لئے مرتب کئے گئے ہیں، ان مجموعوں کا نام "دلائل النبوۃ" رکھا گیا ہے اور اصحاب دلائل نے آپ کے معجزات کی یہ تعداد، صرف کثیر تعداد کو پیش کرنے کے شوق میں جمع نہیں کی ہے بلکہ اگر وہ حدیث کی مسلّمہ بنیاد (سندوں کی تحقیق یعنی راویوں کی جانچ پڑتال) کو ملحوظ نہ رکھتے اور معجزوں کی نسبت صرف شہرتِ عام پر اکتفا کر لیتے تو ان کی کتابیں موجودہ صفحات سے کئی حصے حجم میں زیادہ نظر آتیں گویا ایک طرح سے انھوں نے تقلیلِ معجزات کی سعی کی ہے[2]"

آں حضرتؐ کے معجزات تو آپ کی حیاتِ طیبہ ہی میں خود دنیا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہی تھی، موجود الوقت باتیں تو بعدِ انقضائے وقت، بعد والے لکھا کرتے ہیں جیسا کہ

[1,2] ترجمان السنۃ جلد چہارم ص ۶۵، ۶۰

آج تک بھی دنیا کا ایک عمومی دستور چلا آتا ہے، چونکہ وحی کا سلسلہ آپ کی وفات پر بند ہوا اور پھر دنیا میں دوسری کتاب آسمانی نازل ہونے والی نہیں تھی، اور نبوت بھی آپ پر ختم ہو گئی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام یہ فرمایا کہ مضبوط ذریعوں، یعنی احادیث کے مستند طریقوں سے آپ کے معجزات کے تذکروں کو بھی اہلِ عالم تک پہنچا دیا اور قیامت تک کے لئے محفوظ فرما دیا اور قرآن میں سابقہ انبیاء کے معجزات کا ذکر اس لئے فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے ہاتھوں ان کے مستند ذرائع و صحیح معلومات معدوم ہو چکے تھے اگر ایک طرف ان انبیاء کی تکریم و یادگار کے واسطے اپنی آخری کتاب میں، دوامی طور پر انکو ثبت فرما دیا تو دوسری طرف یہ بھی ملحوظ نظر آتا ہے کہ یہ ہمارے رسول کے معجزوں کے لئے بھی وجہِ اثبات و مثال بنے رہیں۔

مولانا بدرِ عالم کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

مکی زندگی جس صورت سے گزری، وہ سب کے علم میں ہے، اس کے بعد ہجرت کا دور آیا تو لیل و نہار، غزوات و سرایا کا تانتا لگا رہا، بھلا ان حالات میں معجزات کا غلغلہ بلند کرنے کی فرصت کس کو تھی، ہاں ان ہی غزوات و سرایا کے تذکرہ میں جہاں جب کوئی محیر العقول واقعہ نظر آ گیا تو وہ اسی سلسلۂ بیان میں آ گیا ہے۔

صحابۂ کرام کے نزدیک ان واقعات کے ثبوت اور معجزہ ہونے میں کوئی ضعف نہ تھا، اس وقت کے خاص حالات اور اپنی ضرورت کے مدنظر ان سب کی توجہ، حضور کی طرف اور آپ کے لائے ہوئے دین کو جمع کرنے کی جانب مبذول رہا کرتی تھی اس لئے معجزات کا موضوع "صحابہ کی حیات" میں ایک مستقل موضوع کیسے بنتا۔

اس کے علاوہ اس قسم کے واقعات جب شب و روز ان کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتے تھے تو صاحبِ معجزات کی عظمت سے قلوب اتنے معمور ہوئے رہتے تھے کہ ان واقعات کا دیکھنا ان کے لئے ایک عادت بن گئی تھی، آج بھی کوئی صاحبِ کرامات ہوا ہے تو اس کی حیات میں ان کا ڈھول کبھی نہیں پیٹا گیا ہاں ان کا ذکر کبھی آیا بھی تو صاحبِ کرامات کے کمالات کے ذکر میں ضمنی طور پر آ گیا ہے حدیثوں میں ایسا واقعہ خال خال ہی نظر پڑتا ہے کہ صحابۂ کرام مستقل ان تذکروں کے لئے کبھی بیٹھے ہوں، وہ یا شغلِ جہاد میں منہمک نظر آتے، اگر پھر ان کو فرصت

ملتی تو حدیثوں کی تکرار اور علمی شغل یا عبادات میں مصروف رہا کرتے اور سب سے زیادہ اِس شوق میں لگے رہتے کہ بیت نبوت سے کب "آفتاب نبوت" طلوع ہو اور کب وہ اس کی زیارت سے مشرف ہوں آپ کی ذرا سی غیبت ان کے لئے ایک مصیبت کا پہاڑ تھی۔

معجزات دیکھنے کی نہ کسی کو ضرورت تھی نہ فرصت، کفار اس کی رٹ لگایا کرتے اگر ان کی خاطر کوئی معجزہ ظاہر ہو جاتا تو اس کو صحابہ کی مشتاق آنکھیں بھی دیکھ لیتیں، یا کبھی کسی موقع پر کسی وقتی ضرورت سے یہ صورت پیدا ہو جاتی تو آپ کے "رخ انور" کے شیدائی، معجزہ سے پہلے بھاگ بھاگ کر خود صاحب معجزہ کے اردگرد اسی کے دیدار کی خاطر جمع ہو جاتے، جب کسی کے کمال کا علم یقین سے پہلے حاصل ہو چکا ہو تو اب اس کے ظہور کمال پر حیرت کیا ؟

ایک مرتبہ شق القمر جیسا عظیم الشان معجزہ، کفار قریش کی فرمائش پر منیٰ میں ظاہر ہوا لیکن وہاں تو ایسی جماعت بھی کھڑی ہوئی تھی، جو اس کمال کو، اس باکمال کا صرف ایک ذرا سا پرتو سمجھتی تھی، ان کو اس پر تحیر کیا ہوتا، ہاں اس عظیم الشان واقعہ کے دیکھنے والے حسب الاتفاق چوں کہ چند جان نثار بھی موجود تھے، اس لئے انہوں نے اپنی نظروں میں سب سے محبوب ہستی کے ذکر میں اس ایک واقعہ کا بھی ذکر کر دیا لیکن اس کے بعد جگہ جگہ نہ اس کا تذکرہ کرتے پھرنا ثابت ہوتا ہے، نہ اس کو کوئی غیر معمولی واقعہ بنا کر اس کے لئے محفلیں قائم کرنا نظر آتا ہے، ورنہ تو اس کے راوی آپ کو سیکڑوں صحابہ ملتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جب کسی کی نظروں میں کسی کی نفس شخصیت ہی سمائی ہو، اس کو دوسری طرف نظر اٹھانے کی فرصت کہاں ؟

آفتاب درخشاں خود کامل ہوتا ہے، اس لئے اس کی ایک عام ضوافشانی کے کمال پر کسی کا ذہن ہی نہیں جاتا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبین صحابۂ کرام کی نظروں کے سامنے سب سے بڑا کمال آپ ہی کا وجود مجمع کمالات تھا.....

لیکن جب آپ کا یہ مبارک دور ختم ہو گیا اور اب وہ ماہ کامل ہی نظروں سے

غائب ہوگیا تو اب عشق و محبت سے معمور سینوں میں اس کے کمالات کی تلاش پیدا ہوئی۔

یہ کبھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اپنے معجزات کے لئے ہمیشہ کسی بڑے مجمع کی تلاش کی تھی بلکہ حسب مشیتِ ایزدی، کبھی جماعتوں میں اور کبھی بہت ہی محدود افراد میں اور کبھی ایک ہی شخص کے سامنے معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔[۱]

حضورؐ کے معجزات کی شان کا ایک سرسری خاکہ

حضور کے مبارک عہد کا جس میں قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور معجزے ظاہر ہو رہے تھے، اس کی سعادت و برکت کا اندازہ میں آنا مشکل، صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ہم کھانا کھاتے تھے تو اپنے کانوں سے، اپنے کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ان کا انداز بیان ایسا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف ان کے گھر کا معاملہ نہیں تھا بلکہ گویا اس وقت یہ عام بات تھی، جب اس طرح چوبیس گھنٹے اِن خوش نصیبوں اور سعادت لوٹنے والوں کے لیل ونہار معجزانہ ماحول میں گزر رہے تھے، تو خود ان کے لئے بھی اس کا اندازہ لگانا ممکن نہ رہا تھا، اس کی مثال ٹھیک ایسی سمجھئے جیسی سمندر کی متلاطم موجوں کا اندازہ وہ شخص نہیں لگا سکتا جو خود اِن موجوں میں پڑا کھیل رہا ہو، ان کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو ساحل پر کھڑے ہو کر دُور سے ان کا تماشا دیکھے۔[۲]

حافظ بیہقی کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کئے گئے، اس پر راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مقابلہ میں یہ معجزہ عطا ہوا کہ منبر بننے سے پہلے جس ستون سے لگ کر آپ خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ نے اس کے بجائے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون نالہ و فغان کرنے لگا، یہاں تک کہ اس کے رونے کی آواز صحابہؓ نے بھی سنی، اور یہ مردہ زندہ کرنے سے بڑھ کر تھا (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۲) کیونکہ کھجور کا تنا حیات کا محل ہی نہیں۔

---

[۱] [۲] ترجمان السنہ جلد چہارم ص ۱۰۲ تا ۱۰۱ ، ص ۴۳ و ص ۵۹

اور بایں ہمہ اس کو اتنا شعور حاصل ہو گیا کہ جب آپ اس کے بجائے منبر پر خطبہ دینے کے لئے تشریف لائے تو اس نے اس طرح آواز نکالی، جیسی دس مہینے کی اونٹنی جس کے دن پورے ہو گئے ہوں، کراہنے کی آواز نکالتی ہو، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آپ منبر سے اترے اور اس کو گلے لگائے رکھا، اور تسکین دی یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔

"حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے جسم میں اللہ کے حکم سے حیات کا لوٹ آنا جس میں پہلے سے حیات موجود تھی تو یہ بھی ایک بڑی بات تھی لیکن جس میں حیات و شعور پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو، اس میں شعور و حیات کا پیدا ہو جانا، یہ یقیناً اس سے زیادہ عجیب اور بڑی بات ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔"

حضرت مولانا نانوتوی رسالہ حجۃ الاسلام کے صفحہ (۴۲ و ۴۳) پر لکھتے ہیں:۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں، پتھر میں سے پانی نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا، اور آپ کے انگشتان مبارک سے پانی نکلنے میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض الا انتہا ہے علیٰ ھذا القیاس، کنویں میں آپ کے لعاب دہن ڈالنے سے پانی کا زیادہ ہو جانا، آپ کے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے، اور فقط یوں ہی روٹیوں کا زیادہ ہو جانا...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا ان کے تقرب الٰہی پر دلالت کرتا ہے اور اسی وجہ سے معجزہ سمجھا جاتا ہے۔"

سرکارؐ کے معجزات میں تنہا قرآن کریم ہی اتنا عظیم و اکبر معجزہ ہے کہ جس کے سامنے سارے معجزات ایسے ہی ماند پڑ جاتے ہیں، جیسا کہ آفتاب کے بلند ہوتے ہوتے، ماہتاب اور جملہ تارے اس کی روشنی میں گم اور مفقود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

آیات، سنۃ اللہ و فطرت اللہ و خلق اللہ کی حقیقت اور منکرین معجزہ کا غلط استدلال

مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی (جلد سوم) میں مسلمانوں کے ایک اور

۱؎ ترجمان السنۃ جلد چہارم صفحہ ۱۰۶-۱۰۷

ایسے گروہ کا بھی تذکرہ کرکے اُن کا رد لکھا ہے جو معجزوں کے منکر ہیں اور اسباب و علل کے خلاف، واقعات کے ظہور پانے کو محال جانتے ہیں، یہ لوگ اپنی غلط فہمی کے سبب یا دوسروں کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کے لئے قرآن کی ان آیات کو، جن میں سنۃ اللہ، فطرت اللہ اور خلق اللہ میں کسی تبدیلی کے نہ ہونے کی وضاحت کی گئی ہے، پیش کرکے یہ حجت کیا کرتے ہیں کہ چوں کہ معجزوں کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان ہی ہر سہ انواع میں تغیر و تبدل پر دلالت کرتے ہیں، اور جب قرآن صاف کہتا ہے کہ ایسا ممکن ہی نہیں، لہٰذا معجزوں کی باتیں، ان پر عقیدہ و اقرار سب غلط اور خلافِ قرآن ہے۔ اس بحث کی اہمیت و نزاکت کے مدنظر، باوجود طوالت کے ہم ان آیات کو مع سیاق و سباق ذیل میں درج کرتے ہیں، تاکہ غور کرنے والوں کو سہولت ہو۔

(۱) وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

پ ۱۵ - بنی اسرائیل - رکوع ۸ - آیت ۷۶-۷۷

اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرادیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں یہاں سے تجھ کو، اور اس وقت نہ ٹھیرینگے وہ بھی تیرے بعد مگر تھوڑا۔ دستور چلا آتا ہے ان لوگوں کا جو تجھ سے پہلے ہم نے بھیجے اپنے پیغمبر، اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت (یعنی ہمارا دستور یہی رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا گیا تو بستی والے خود بھی نہیں رہنے پائے)

(۲) مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ

پ ۲۱ - سورہ احزاب - رکوع ۵ - آیت (۳۸)

نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کردی اللہ نے اس کے واسطے، جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور اللہ کا حکم مقرر ٹھہر چکا ہے۔

(یعنی اللہ کے یہاں جو بات طے ہو گئی، ضرور ہو کر رہے گی۔ ان آیات میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک نکاح کا ذکر ہے)

(۳) لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں

الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ أَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا أُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے پھر نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں پھٹکارے ہوئے جہاں پائے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی۔

پ ۲۲ - سورہ احزاب - رکوع ۸ - آیت ۶۱ تا ۶۳

(یعنی سنت اللہ یہ ہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنھوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے، اسی طرح ذلیل وخوار یا ہلاک کیے گئے)

(۴) وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝

اور برائی کا داؤ الٹے گا ان ہی داؤ والوں پر، پھر کیا اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی، سو تو نہ پائے گا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔

پ ۲۲ - سورہ فاطر - رکوع ۵ - آیت ۴۳

(یعنی اللہ کا جو دستور بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملنے کے واسطے مقرر ہے وہ بدلنے والا اور ٹلنے والا نہیں ہے)

(۵) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ع

پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو ایمان لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب، یہی دستور ہے اللہ کا، جو چلا آیا ہے اس کے بندوں میں اور گھاٹے میں رہیں اس جگہ منکر۔

پ ۲۴ - سورہ مومن - رکوع ۹ - آیت ۸۵

(یعنی منکر بندوں کے حق میں اللہ کا یہ ہمیشہ سے دستور چلا آیا ہے کہ وہ عذاب دیکھنے اور اس میں پکڑے جانے کے بعد ان کے بعد از وقت ایمان لانے کو قبول نہیں فرماتا۔

(۶) وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ

اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پیٹھ پھیرتے پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور نہ مددگار، دستور

وَّ لِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

پڑا ہوا ہے اللہ کا، جو چلا آتا ہے پہلے سے، اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کے دستور کو بدلتے۔

پ ۲۶ - سورۂ فتح - رکوع ۳ - آیت ۲۳

یعنی جب سچّے اور حق پرستوں کا اہل باطل سے فیصلہ کن مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور باطل پرست مغلوب کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی عادت، اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں بعضوں نے "ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" کے معنی یوں کئے ہیں کہ اللہ کی عادت کو کوئی دوسرا بدل نہیں سکتا۔ یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنۃ اللہ کے موافق ہونا چاہئے تھا۔

(۷) فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ

سو تو سیدھا رکھ منھ اپنا دین پر ایک طرف کا ہو کر، وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں، اللہ کے بنائے ہوئے کو یہی ہے دین سیدھا۔

پ ۲۱ - سورہ روم - رکوع ۴ - آیت ۳۰

(یعنی اللہ نے سب انسانوں کو دین فطرت (اسلام) پر پیدا کیا ہے اُس کی اس تخلیق میں بذاتہٖ کوئی تغیر نہیں۔ پھر یہ جو مختلف مذاہب کے پیرو نظر آتے ہیں، وہ ماں باپ اور ماحول کے باعث دینِ فطرت سے ہٹ گئے ہیں۔ اس کی تفصیل حدیث نبوی سے بھی معلوم ہوتی ہے جو بخاری میں تحت تفسیر سورۂ روم بیان ہوئی ہے)

مذکورہ بالا آیتوں کو آپ بار بار گہری توجہ اور غور سے پڑھیں گے تو آپ پر یہ قطعی حقیقت ظاہر ہوگی کہ ان میں نظام فطرت، وقدرت یا اسباب وعلل عالم میں تغیر و تبدل کے نہ ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے بلکہ انسان کے اعمال خیر و شر کے لئے جو نتائج و آثار حق تعالےٰ نے مقرر کر دیئے ہیں انھیں "سنۃ اللہ" کا نام دیا ہے یعنی جب خیر و شر متصادم ہوتے ہیں، اور حق و باطل میں ٹھن جاتی ہے یا ظلم و انصاف برسرِ جنگ ہوتے ہیں تو اللہ تعالےٰ نے یہ مقدر فرما دیا ہے کہ آخری فتح نیکی کو اور حق و انصاف کو عطا ہوگی اور اس کا یہ قانون اٹل ہے، جو نہ تحویل پاتا ہے، اور نہ اس میں تبدیلی ہوتی ہے۔

رہا فطرت اللہ تو اس سے مراد دینِ فطرت (اسلام) و توحید ہے جس کی تصدیق خود ہی اس آیت کریمہ سے بھی ہو جاتی ہے اور بعض احادیث بھی اسی کی توضیح و تفصیل پر مشتمل ہیں۔

مادّی اسباب کو قرآن کس انداز میں تسلیم کرتا ہے

ہم ابتداء میں ظاہر کر چکے ہیں کہ جہان کی یہ کُل نہایت نظم و ضبط کے ساتھ چل رہی ہے جس میں ہر چیز مادی اسباب کے قانون کے تابع اور قوتوں کے طبعی فعل و انفعال کے اثر کے شکنجے میں کسی ہوئی ہے اور ساری کائنات کو اِس سے سرِ مُو تجاوز کرنے کی قدرت حاصل نہیں جیسے آگ سے حرارت اور برف سے اس کی ٹھنڈک نہ کوئی چھین سکتا ہے، نہ خود ان کی ذات کو اس کی تبدیلی کی قدرت۔ مگر یہ عارفانہ بات عمر بھر فراموش نہ کیجئے کہ "خواص اشیاء ہوں کہ اسباب و علل، اِن کے طبائع و اثر کا تقاضا نہیں ہیں بلکہ صرف خالق کی حکمت کا تقاضا ہیں" کلامِ حق بھی جا بجا ان ہی حقائق کا اظہار فرماتا ہے۔ انہیں تسلیم کرتا اور اِن پر انسان کی توجہ بھی مبذول کراتا ہے۔ تمثیلاً اِن آیتوں پر غور کیجئے تو ان سے اسباب کے سلسلے کی موجودگی، علتوں اور نتیجوں کی دنیا کے اندر کارفرمائی کی تصدیق حاصل ہو سکے گی۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

اور اتارا ہم نے نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی گرتا بکثرت تاکہ نکالیں ہم ساتھ اس کے اناج اور بوٹیاں اور باغ لپٹے ہوئے۔

پ۳۰ ـ سورہ نبا ـ آیت ۱۵-۱۶

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً الخ

پھر ہم نے بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی۔

پ۱۸ ـ سورۂ مومنون ـ رکوع ۱ ـ آیت ۱۴

اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح فرما دیتا ہے کہ یہ سب نظام محض خدا کی مشیت اور ارادے پر عمل کر رہے ہیں خود خدا ان کا پابند ہو کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ ـ کرنے والا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

پ۱۲ ـ سورہ ہود ـ رکوع ۹ ـ آیت ۱۰۷

وہ فرماں روائے کُل اپنے اقتدار و اختیار میں لاشریک ہے اس کو اس کی

مرضی سے روکنے والا کوئی نہیں۔ ایسے خیال کا تصور تک بھی کفر و شرک میں داخل اور اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ یہی وہ گناہ عظیم ہے کہ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ محبت رکھنے اور اپنی رحمت کو ہر شئے سے وسیع رکھنے کے باوجود یہ جتلا دیا کہ :-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج	بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے۔
پ ۵ - سورۂ نساء - رکوع ۷ - آیت ۴۸	

یعنی یہ جرم ابدالآباد تک ناقابل معافی ہے، کیوں کہ اس سے اس کی خدائی عظمت وجبروت میں رخنہ پڑجاتا ہے۔ اسی لئے اس نازک ترا ور ہیبت ناک مقام (شرک) کو اسلام نے انسان کی عقل و تصور سے بڑھ کر تفصیل سے بیان کر دیا ہے تاکہ آدمی اس ایقان کے ساتھ صحیح مسلک پر قائم رہیں، اور ساری زندگی اسی پر گزاریں۔

خرقِ عادت کے مشاہدہ و مظاہرہ پر انسانی جبلت میں چھپی ہوئی حیرت کا خروج

برقی قوت کا ظہور، بجلی کے پنکھے میں ہو، یا ضیا پاش برقی قمقمے میں، برق کی حقیقت سے باخبر آدمی، دھوکا نہیں کھا سکتا، اسی طرح امر و مشیتِ الٰہی چاہے عادت کے پردے میں ظہور فرمائے، یا خرقِ عادت کی شکل میں نمود کرے، یہاں بھی انسان کو اپنی تمیز و عقل نہیں کھونی چاہیئے۔ چونکہ خرقِ عادت کے مواقع شاذ ہی پیش آتے ہیں طبیعت و نظر، عادی کو دیکھتے دیکھتے اسی کی خوگر ہو جاتی ہے اور اس کی گرفت و غلبہ اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ اصل حقیقت ذہن سے فراموش سی ہو جاتی ہے۔ اچھے سے اچھا انسان خلافِ عادت امر کو دیکھ کر الجھنے میں پڑجاتا ہے لیکن ایمان دار آدمی کا صحیح ایقان فوراً جاگ جاتا ہے اور اسے بیدار کر کے ہلاکت سے بچا لیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس مرحلہ کی ہلاکت آفرینی کے مدنظر اس سلسلہ میں اپنی تعلیمات کے پیش کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی ہے بلکہ خدا کے بعض پسندیدہ بندوں کے جیسے حضرت زکریّا، حضرت مریمؑ اور حضرت سارہ کے چند واقعات بھی (جو عطاءِ اولاد کے بارہ میں ہیں) بغرض نصیحت اہل جہاں کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اسی انسانی کمزوری کا نتیجہ تھے، حالانکہ ان میں سے ہر ایک اسی سچے عقیدہ و یقین کا حامل تھا جو مطلوب خداوندی ہے۔

(ب) عقل و نظرِ انسانی کا ایک تماشا

عام طور پر انسان کو یہ یقین ہے کہ اس کی قوت عاقلہ اتنی تیز، کامل درست اور بلند ہے کہ اس کی زد اور گرفت سے کارخانہ جہاں کی کوئی شئے بچ نہیں سکتی، وہ سب کچھ سمجھ سکتا اور جان سکتا ہے اسی لئے جب اُس کی عقل میں کوئی بات نہیں آتی تو وہ اس کے وجود سے اور اس کے ماننے سے انکار کر دیتا ہے، حالانکہ ماورائے فہم و نظر سیکڑوں حقائق موجود و ثابت ہیں، جب واسطہ پڑتا ہے تو اس وقت آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے لگتا ہے۔ اسی لئے شاعرِ مشرق نے مقامِ عقل کی کتنی عارفانہ نشاندہی کی ہے ؎

عقل گو آستاں سے دور نہیں   اس کی تقدیر میں حضور نہیں

لہٰذا مباحثِ معجزہ کے سلسلہ میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اس کی قوتوں کا ایک عملی امتحان کرا دیا جائے تاکہ اس کو یہ فراموش نہ ہونے پائے کہ اس کی بساط کیا ہے، اور وہ کتنے پانی میں ہے۔ پھر اس کے چہرے سے نقاب الٹا کر اس کو اس کی اصلی شکل و صورت بتا دی جائے تو لیجئے ذیل کے چند حقائق کا تماشا دیکھیے :-

۱- عقل کی بے چارگی: بقول امام غزالیؒ سارے انسانوں کو سیکڑوں باب میں اپنے خدا سے گلا اور شکوہ رہتا ہے کہ اس نے مجھے یہ نہ دیا، اور وہ نہ دیا، اولاد دی مگر مال عطا نہیں فرمایا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ کیا تماشا ہے کہ کسی بھی بشر کو اپنے پیدا کرنے والے سے کبھی یہ شکایت نہیں ہوی کہ اسے عقل کم دی گئی حالانکہ لوگوں میں تفاوتِ عقلی ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس دنیا کی کیا تاثیر ہے کہ یہاں بے وقوف سے بے وقوف بھی اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے، حتیٰ کہ دوسرے کو اپنے مقابلہ میں کم عقل، کیا اس راز سے آگاہی کی کوئی صورت اور اس بھید کو پانا ممکن ہے؟

(۲) نظر کے دھوکے۔ ہماری ان دونوں آنکھوں کی بدولت کائنات کا

ذرہ ذرہ ہم پر روشن ہے اور ہمیں اپنی قوت نظر و طاقت بصر پر بڑا فخر و ناز ہے، یہ ناز جو حق سہی لیکن اتنا نہیں جتنا کہ تم اس کا یقین رکھتے اور سمجھتے ہو، اور اپنی عملی زندگی کے کیل و نہار میں خود فراموشی کے ساتھ دنیا دیکھنے میں مشغول ہو گیا تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہاری نظر محدود بھی ہے اور کمزور بھی کیوں کہ اس سے سب کچھ دکھائی نہیں دیتا اور جو کچھ دیکھتے ہو تمہیں پتہ نہیں کہ کہاں کہاں تمہاری نظر فریب کھا رہی ہے۔

دن روشن ہے اور آفتاب نور فگن، جس سے ہر چیز کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہے، تم دیکھتے ہو کہ یہ سایہ ایک جگہ ٹھہرا اور کھڑا ہوا ہے، اس میں کوئی حس و حرکت نہیں، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے جسے دیکھنے کے باوجود تم نہیں دیکھ رہے ہو، یعنی سایہ حرکت کر رہا ہے اس کی رفتار اتنی سست ہے کہ تمہاری نظریں اس کو پا نہیں سکتیں، جب اس کا تجربہ کرنے بیٹھو گے تب پتہ چلے گا کہ واقعی نظر کا کتنا بڑا دھوکا ہے۔

(۳) تیل سے چراغ جلتا ہے، انسان دیکھتا ہے کہ مسلسل ایک ہی شعلہ قائم ہے لیکن اس کی حقیقت بھی حیرت ناک ہے کہ ہر شعلہ کے فنا کے ساتھ ہی دوسرا نیا شعلہ آموجود ہوتا ہے، یہ عمل اس تیز رفتاری و تسلسل سے جاری ہے کہ لاکھ کوشش کے بعد بھی ہماری نظر اس کے دیکھنے سے عاجز ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ چراغ کی ایک ہی لَو برابر قائم ہے۔

(۴) قریب اور بعید کی چیزیں ہمیں چھوٹی بڑی نظر نہیں آنی چاہیے تھیں، حالانکہ دُور جانے سے وہ چیزیں چھوٹی نہیں بن جاتیں، اگر نظر و مشاہدہ کامل و قوی ہے تو قریب اور دُور کے فاصلے یکساں ہونے چاہیئے تھے اور اپنی محتاجی کو دور کرنے کے لئے خوردبین اور دُوربین کے سہارے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہئے تھی۔

(۵) خود آپ کو تجربہ ہے کہ شاہین، عقاب، گدھ، کوّے اور چیل کی چھوٹی چھوٹی گول آنکھیں انتہائی بلندی پر پرواز کرنے کے باوجود اڑتے اڑتے زمین پر پڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں دیکھ لیتی ہیں کہ ہرگز جن کا دیکھنا انسان کے لئے ممکن نہیں، بادی النظر میں اِن کی آنکھوں کا نظامِ تخلیق بھی ہم سے کمتر نظر آتا ہے مگر وہ مسلمہ طور پر بینائی میں

انسان سے قوی اور تیز ہیں، زلزلوں اور دوسرے بہت سے موقعوں اور حادثوں پر گھر کے پلے ہوئے مرغ، کتوں، بلیوں اور دیگر حیوانات کے کچھ ہم سے زیادہ دیکھنے کے بھی ثبوت صدیوں سے انسانوں کو اپنی بستیوں اور گھروں میں ملتے چلے آتے ہیں کہ ہمارے واقف ہونے سے قبل، وہ حادثہ کی خبر دے دیا کرتے ہیں۔

ہماری نظر کی اس سے بڑھ کر کیا بے مائگی ہوگی کہ اسے فلم جیسی ایک ایجاد سے فریب دیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس میں جو کچھ نظر آتا ہے اکثر وہ حقیقت سے بعید ہوتا ہے فلم کی پتیوں میں نہ حرکت، نہ آواز بلکہ اپنی جگہ ساکت و صامت۔ الغرض جب عقل و بصیرت رکھنے والوں پر ایسے بے شمار حقایق کھلتے ہیں تو وہ بے اختیار یہ عاجزانہ دعا کرنے لگتے ہیں رَبَّنَا اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (اے ہمارے رب! ہمیں چیزوں کو ایسے ہی دکھائیے جیسی کہ ان کی حقیقت ہے)۔

(۶) سماعت، ذائقہ ونطق وغیرہ کی بے بسی، آئیے اپنی کچھ اور بقیہ طاقتوں کا بھی امتحان کر دیکھیں۔

مثال کے طور پر اگر کوئی ماں پیٹ کا بہرا ہم سے سوال کرے کہ ستار اور ہارمونیم کی آوازوں کا مجھے فرق سمجھائیے، تو کیا آپ اس فرق کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی مادر زاد نابینا، سیکڑوں رنگوں سے بھری دنیا کے رنگوں کے بارہ میں یہ پوچھ بیٹھے کہ سفید اور لال کیسا ہوتا ہے تو کیا اس کا جواب دینا ایک "ٹیڑھی کھیر" نہیں بن جائیگا یا مغربی ممالک کے لوگ آپ سے ہندوستانی مٹھائیوں اور آموں کا مزہ دریافت کریں، یا پیٹ اور سر کے درد کا فرق پوچھا جائے تو کیا اظہار خیال کی بے مثل قدرت کے باوجود آپ کی زبان اس کے جواب میں بالکل گونگی نہ ہو جائے گی۔

اسی طرح آدمی کو اپنی "جسمانی طاقت" پر بھی گھمنڈ ہوتا ہے اگر کسی وقت شیر، ہاتھی تو درکنار ان سے کمتر کسی دوسرے جانور سے سابقہ پڑ جائے تو حقیقت کھل جاتی ہے اور "سونگھنے کی قوت" میں تو وہ کتے کے برابر بھی نہیں رہی "گویائی" کی قوت تو حکیم مطلق نے طوطا مینا کو بھی زبان دیکر اس وصف میں اس کی یکتائی باقی نہ رہنے دی۔

شاید ہم یہ سمجھتے ہوں کہ کم از کم قوت شعور اور قوی الاحساس ہونے میں تو ہمارا کوئی مدمقابل نہیں، اگر یہ بات ہے تو کیا آپ نے یہ منظر دیکھا ہے کہ آپ کے

گھر کا پلا ہوا مرغ اپنے پست تنگ و تاریک چاروں طرف سے بند ڈربے میں بند ہونے کے باوصف صبح صادق کے نمودار ہونے کو محسوس کر لیتا اور بار بار اذان دے کر اس کا اعلان کرتا ہے اور غافلوں کو جگاتا ہے، آپ محسوس کرنا تو کجا خود محوِ خواب ہیں، اگر نہ سوئے ہوتے تو تب بھی یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مرغ کی طرح اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اس کو محسوس کرنے سے بالکل عاجز تھے۔

یہ تو ایک حیوان کی مثال ہے اِس سے نیچے کی دنیا یعنی نباتات میں سے ایک درخت چھوئی موئی باوجود ہماری طرح نظامِ اعصاب اور دماغ نہیں رکھتا اگر اسکو ہم چھو لیں تو اس کے احساس کی شدت و تیزی دیکھیئے کہ فوراً اپنی پتیاں سیکڑ کر ہم پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اُس نے ہمارے چھونے کو بری طرح محسوس کر لیا ہے۔

خرقِ عادت کی چند متحیر کن مثالیں

چوں کہ معجزات کی نہایت واضح اور سب سے اہم نوع کا تعلق "خرقِ عادت" سے ہے اور عادت کے خلاف ہونے کو منکرین معجزہ محال جانتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ خدا کے نظامِ عادت میں کچھ فرق نہیں۔ صرف ہمارے ذہن و فکر کا مغالطہ ہے ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ حیوانات میں نر و مادہ کا میل ملاپ، نظامِ عادت ہے، حالاں کہ اس کے برخلاف بعض "حشرات الارض" اس کے بغیر بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس عادی و خلافِ عادی کا فرق حق تعالیٰ کی نظر میں کچھ نہیں اگر خارقِ عادت کہا جاتا ہے تو گویا ہم اپنے لحاظ سے کہا کرتے ہیں۔ ذرا ذیل کی چند مثالوں پر غور کیجیے جو ہمارے خود ساختہ "طبیعی مسلمات" کو یکسر توڑ دینے والی ہیں اور ان کو پڑھ کر آپ کہہ اٹھیں گے کہ قدرت کو کہیں بند نہیں کیا جا سکتا، اور ہم نے عادت و خرقِ عادت کا جو تصور و تعین قایم کر رکھا ہے، وہ حقایق میں ٹھیک طور پر ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا چنانچہ عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ انسان اور حیوان جو اپنی بصارت میں روشنی کے محتاج ہیں اور تاریکی میں دیکھ نہیں سکتے لیکن خلاقِ عالم کی قدرت و ندرتِ تخلیق دیکھیے کہ اس نے ایک حیوان کو ایسی خاص قوت عطا کی ہے کہ جہاں سب دیکھنے سے عاجز ہوتے ہیں، وہاں اس کی نظر کام کرتی ہے یعنی چمگادڑ اور الو رات کو دیکھتے ہیں اور دن کی روشنی انھیں اندھا بنا دیتی ہے شاید بلی تو دن و رات ہر دو حالتوں

میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ہماری نظروں کے سامنے ہے کہ سارے نباتات زمین سے اُگتے، سیراب ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں، اور زمین سے تعلق رکھے بغیر ان کا زندہ رہنا محال۔ اس لیے اس کا خلاف، ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ لیکن کیا انھوں نے کبھی آکاش بیل کی طرف توجہ کی ہے جو نیم کے اور دوسرے درختوں کے اوپر پیدا ہوتی ہے جس کا نہ زمین سے تعلق ہوتا ہے اور نہ زمین سے اُگتی ہے اور نہ اپنی زندگی کے لئے زمین کی محتاج ہے۔

عالم میں جہاں کہیں بھی روشنی پائی جاتی ہے، بغیر حرارت کے نہیں ہوتی۔ جگنو کی روشنی لڑکپن میں دیکھ کر حیرت کی تھی تو اب کمالِ عقل و شعور حاصل ہونے کے باوجود اس سے زیادہ تعجب کیجیے، کیوں کہ جگنو سے جتنی روشنی نکلتی ہے، اگر اتنی چنگاری اس کے جسم پر رکھ دی جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی روشنی ایسی ہے جس میں حرارت نہیں ہوتی۔ لہٰذا روشنی تو ہو، اور حرارت نہ ہو، خرقِ عادت بات تھی لیکن مثال موجود ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آگ ہر شئے کو پگھلا دیتی ہے منجمد نہیں کرتی اور یہی قانونِ فطرت ہے لیکن یہ کیسی جادوگری ہے کہ انڈا جس کا مادہ رقیق و سیال تھا آگ پر آکر منجمد ہو گیا۔

زمین اور اس کے نباتات یا جمادات، ساری دنیا کے لئے جملہ قسم کے رنگوں کا منبع اور ماخذ ہیں، مختلف رنگ کے بیل بوٹے اور ہزار ہا رنگ کے پھول، اسی زمین سے پیدا ہوتے ہیں، یعنی زمین اور پانی کے وسیلہ کے بغیر رنگوں کی پیدائش و ظہور ممکن نہیں، لیکن کبھی حسین و جمیل پرندوں اور مور کو دیکھ کر محظوظ و مسرور ہوتے وقت یہ خیال بھی آیا تھا کہ محض خون اور صرف گوشت پوست سے اتنے رنگ کس طرح پیدا ہو گئے۔

(ج) کیا معجزوں کے آثار باقی ہیں؟

کیا معجزوں کے آثار باقی ہیں، یا رہ بھی سکتے ہیں؟ اس تعلق سے حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں:-
"آیات النبوة وبراهینها تکون فی حیاة الرسول وقبل مولده وبعد مماته، لا تختص بحیاته فضلاً عن ان تختص بحال دعوی نبوته او حال التحدی کما ظنه بعض اهل الکلام" (آیات نبوت کا ظہور صرف رسول کی زندگی کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، چہ جائیکہ اس کے دعوائے نبوت کے ساتھ خاص ہو، یا تحدی اور مقابلہ کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ بعض علمائے کلام کا گمان ہے بلکہ آیات نبوت اس کی زندگی، بلکہ اس کی ولادت سے قبل اور وفات کے بعد بھی ظاہر ہوتی ہیں۔) (الجواب الصحیح جلد ۴ ص ۲۴۹)

چناں چہ علمائے دین نے بتایا ہے کہ حضورؐ کے کون کون سے معجزات کے آثار آپ کی وفات کے بعد تک باقی رہے اور بعض ایسے بھی ہوئے کہ جن کا ظہور ہی آپ کی وفات کے بعد ہوا۔ چناں چہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے کھجوروں میں برکت، پہلی قسم میں، اور "اخبار غیب" دوسری قسم میں شامل ہے۔

راقم الحروف نے بھی اس نکتۂ نظر سے کتاب حکیم کی بغور وفکر اور تفحص کے ساتھ تلاوت کی تو میں نے ایک اصول اور چند مثالیں بطور شہادت پائیں کہ ہزاروں سال گذرنے کے باوجود خدائے تعالیٰ نے بعض معجزوں کے آثار وعلامات باقی رکھے ہیں۔

قرآن عزیز میں ایک جگہ یہ ارشاد خداوندی ملتا ہے کہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ
وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ
وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَ
عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا

اور بھیج چکے ہیں ہم کتنے رسول تجھ سے پہلے
اور ہم نے دی تھیں ان کو جوروئیں، اور
اولاد، اور نہیں ہوا کسی رسول سے کہ وہ
لے آئے کوئی نشانی، مگر اللہ کے اذن سے
ہر ایک وعدہ ہے لکھا ہوا، مٹاتا ہے اللہ
جو چاہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

پ ۱۳ - سورۂ رعد - رکوع ۶ - آیت ۳۸، ۳۹، ۴۰

پاس ہے اصل کتاب ۝ اور اگر دکھلادیں ہم تجھ کو کوئی وعدہ جو ہم نے کیا ہے اُن سے، یا تجھ کو اٹھا لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا ۝

(ترجمہ اُردو از مولانا محمود الحسن رح)

ان آیاتِ شریفہ میں معجزہ کی نسبت حسبِ ذیل امور بیان فرمائے گئے ہیں۔

(الف) معجزہ بغیر اذنِ الٰہی پیش کرنے سے رسول قاصر ہے۔

(ب) ہر کام اور ہر بات کا ایک وقت مقرر ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے، اسی طرح معجزے کے لئے بھی مقرر ہے، جب اس کا وقت آتا ہے تب ہی ظہورِ معجزہ کے واسطے اذنِ الٰہی ہوتا ہے، لہٰذا رسول کو اور معجزہ مانگنے والوں کو اس کا انتظار کرنا چاہیئے۔

(ج) اللہ تعالیٰ لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے پر مجبور و پابند نہیں، چاہے تو اس کو میٹ دے اور اپنے نبی کو معجزہ عطا کر دے اور نہ چاہے تو لوحِ محفوظ کا لکھا ویسا ہی رہنے دے اور معجزہ ظاہر نہ ہو۔ نیز قضا و قدر کے جملہ احکام اور لوحِ محفوظ کی جو بنیاد اور اصل ہے وہ اُمّ الکتاب کہلاتی ہے جو اُس کے پاس ہے اور جو ہر قسم کے تغیر و تبدل سے بالکل پاک ہے یا جیسا کہ ابنِ کثیرؒ نے علی بن عباس کی روایت سے، حضرتِ ابنِ عباسؓ کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ محو ہونے والے اور ثابت رہنے والے دونوں اس کی اُمّ الکتاب میں درج ہیں۔

(د) رسول سے خطاب فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ جو وعدے لوگوں سے کیئے گئے ہیں خواہ وہ کسی قسم کے کیوں نہ ہوں، تو ہم مختار ہیں، چاہیں تو آپ کی موجودگی میں انھیں پورا کر دیں یا آپ کی وفات کے بعد ظاہر کریں، آپ کو اس فکر میں نہ پڑنا چاہیئے اور نہ تاخیر کے باعث ان لوگوں کو بے فکر ہونا چاہیئے، آیت شریفہ میں و ع د ہ کا لفظ نہایت وسیع معنیٰ اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے۔

یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ کو اکثر مفسرین نے ایک عمومی بات کے طور پر بیان کیا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے ترجمہ سے بھی ظاہر ہے لیکن ہماری فہم ناقص میں یوں آتا ہے کہ جب معجزوں کے تذکرہ کے ساتھ محو و اثبات کو بیان کیا گیا ہے تو اسے اولاً قریب کے قرینے سے متصل سمجھنا چاہیئے، ثانیاً وسعت، بلاغت، اور

ان الفاظ کی لا متناہی عمومیت کو واضح کرنا مناسب ہوگا، چناں چہ ہمارے خیال میں اس آیت کریمہ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ:-

یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ (مِنْ اٰیَۃٍ) وَیُثْبِتُ مَا یَشَاءُ (مِنْ اٰیَۃٍ) یعنی نشانات و معجزات میں سے جن کو چاہے میٹ دے اور جنہیں چاہے باقی رکھے، بعد کا ٹکڑا کہ "جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں" اسی امر پر دلالت کرتا ہے، آیات و دلائل نبوت میں سے معجزات، مسلمانوں کی خلافت و دیگر بشارات اور اہل کفر کے لئے عذاب وغیرہ وغیرہ کچھ تو آپ کی حیاتِ طیبہ میں تکمیل پاکر ختم ہو گئے اور بقیہ آپ کے بعد پورے ہوتے رہیں گے۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ بھی ایسا ہی ارشاد آیا ہے۔

وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ
پ۱۱ - یونس - رکوع ۵ - آیت ۴۶

اور اگر ہم دکھائیں گے تجھ کو کوئی چیز، ان وعدوں میں سے جو ہم نے ان سے کئے ہیں یا تجھ کو وفات دیں۔

موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے نَعِدُھُمْ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے غلبۂ اسلام مراد ہے۔

معجزوں کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں:-

(الف) ایک وہ جو زمانۂ نبوت وقوع پذیر ہوئے بھی اور ختم بھی ہو گئے۔

(ب) دوسرے ایسے، جو پیغمبر کی وفات کے بعد پورے ہوں گے۔

(ج) تیسری شکل یہ نکلتی ہے کہ بعض تکمیل پائے ہوئے معجزوں کے آثار و علامات باقی ہوں، یعنی خدائے تعالےٰ نے اپنے انبیاء کی عظمت و تکریم کے لئے ان کا باقی رکھنا طے فرمایا۔

اوّل الذکر آیت سے ایک اور امر یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ بعد وفات نبی، ان کا اہلِ زمانہ تک پہنچا دینا بھی خدا نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ چناں چہ اس کی جو مثالیں کلامِ مبین میں ملتی ہیں، ان میں سے چند ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

کیا کشتیٔ نوحؑ دنیا میں موجود ہے؟

ایک مثال ہمیں حضرت نوحؑ کے واقعات میں ملتی ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ بالوضاحت ارشاد فرمایا ہے کہ "کشتی نوح" دنیا کے لئے نمونہ بنا کر باقی رکھی گئی ہے۔

فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَۃِ وَ
پھر ہم نے اس کو اور کشتی والوں کو بچا دیا

جَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ اور کشتی کو جہان والوں کے واسطے نشانی بنا کر (باقی) رکھا۔

پ۲۰ - سورہ عنکبوت - رکوع ۲ - آیت ۱۵

اس میں ہا کی ضمیر کشتی کی طرف راجع ہے، جملہ مفسرین کو اس سے اتفاق بھی ہے، پھر دوسری جگہ بھی یہی فرمایا گیا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ اور اس کو رہنے دیا ہم نے نشانی کے لئے پھر کوئی ہے سوچنے والا۔

پ۲۷ - سورہ قمر - رکوع ۱ - آیت ۱۵

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر نوحؑ کی کشتی کہاں باقی ہے؟ اور خدا نے تو اس بارہ میں سوچنے، غور اور تلاش کرنے کی دعوت دی ہے کیا مسلمانوں نے اور دنیا نے اسے دیکھا اور پایا ہے۔

قرآن کے بعد سب سے معتبر اور قدیم ترین تحریری شہادت بخاری کی ہے چنانچہ باب تفسیر آیت "وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً" کے تحت فرماتے ہیں۔

قَالَ قَتَادَةُ اَبْقَى اللّٰهُ سَفِيْنَةَ نُوْحٍ حَتّٰى اَدْرَكَهَا اَوَائِلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (قتادہ نے کہا اللہ تعالےٰ نے نوح کی کشتی کو دنیا میں قائم رکھا، یہاں تک کہ اِس امت کے اگلے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا (بخاری شریف پ۲۷ تفسیر سورۃ اقتربت الساعۃ یعنی سورۂ قمر) و شرح بخاری علامہ عینی ص۱۴۳۔

بعضوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اس امت کے لوگوں نے جہادِ موصل میں اسکو دیکھا تھا[1] قرآن شریف نے بیان کیا ہے کہ کشتی کوہ جودی پر ٹھہری تھی اور کوہ جودی کے بارہ میں امام بخاری نے تحت تفسیر سورۂ ہود پارہ (۱۹) مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ پہاڑ دجلہ و فرات کے بیچ میں موصل کے قریب واقع ہے۔

زمانہ حال کے علماء کی یہ تحقیق ہے کہ "اَلْجُوْدِی کوہستان ارارا ط کی اس چوٹی کا نام ہے جو جبل وام (VAM) کے جنوب مغرب میں واقع ہے، اور اس جوار میں کردوں کی زبان پر آج تک یہ روایت چلی آرہی ہے کہ کشتی نوحؑ یہیں آکر رکی تھی، توریت میں ذکر کسی چوٹی کا نہیں صرف سلسلۂ کوہستانِ ارارا ط کا ہے پیدائش ۸:۵[2]

---

[1] تفسیر مواہب الرحمٰن جلد (۲۷) ص۱۳۶ ۔ [2] تفسیر ماجدی اردو پارہ (۱۲) ص۴۶۸)

فارسی زبان کے ایک مجلہ تاج محل کے حوالہ سے خاں بہادر رحیم بخش صاحب ایم۔اے سابق سشن جج لاہور نے اس کشتی کے بارہ میں یہ تفصیلات بیان کیں کہ :-

"روسی ہواباز ولاڈ ہیر روسکووسکی نے آرمینیا کے پہاڑ کی چوٹی پر کوئی بڑی چیز دیکھی، جب اس نے متعجب ہو کر جہاز کو نیچے اتارا تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑی کشتی برف کے ایک منجمد گڑھے میں پھنسی پڑی تھی اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ کشتی بہت بڑے طوفان سے متصادم ہو چکی ہے ولاڈ ھیر اپنے کپتان کے ساتھ آیا روسی کپتان اس قدر بڑی کشتی کو ایک دشوار گذار اور بلند پہاڑ پر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، جہاں کسی بھی انسان کی آمد و رفت کا نشان موجود نہیں ہے، کپتان نے کہا مجھے وہی کشتی معلوم ہوتی ہے جو مذہبی کتابوں میں کشتی نوح کے نام سے مشہور ہے جنگ عظیم کے قریب ماسکو سے دو فوجی دستے چند محققین کے ساتھ یہاں سیر کو آئے اور شدید ترین محنت اور مشکلات کے بعد کشتی تک پہنچے انھوں نے کشتی کے مختلف کمروں کی پیمائش کی اور دیکھا کہ کئی کمرے مختلف حیوانات کی سکونت سے مناسبت رکھتے تھے، بعض کمرے بہت بڑے تھے جو ہاتھی کے قابل ہو سکتے تھے، بعض زیادہ اونچے تھے جو اونٹ اور شیر کے لئے موزوں معلوم ہوتے تھے۔ جب روسی وفد واپس لوٹا تو اس وقت بالشویک انقلاب آچکا تھا۔

اس کے ایک زمانہ بعد ترکوں کی ایک جماعت پورے ساز و سامان کے ساتھ وہاں پہنچی، جس میں ایک انگریز بھی شامل تھا، اس نے دیکھا کہ کشتی چاروں طرف سے برف کے بڑے بڑے تودوں سے ڈھکی ہوئی ہے، کشتی کو فر (ایک قسم کا سَرو) کی لکڑی سے بنی ہوئی ہے عرض پچاس فٹ، طول تین سو فٹ، اور بلندی تیس فٹ۔ کشتی کے اندر باہر تارکول جیسا مادہ لیپا ہوا ہے۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۸۲ء کے ایک زلزلہ میں اپنی اصلی جگہ سے ہٹ کر موجودہ گڑھے میں آرہی ہے[1]۔"

کیا فرعون کی نعش بھی موجود ہے؟

دوسری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ملتی ہے کہ عصائے موسوی ہے

---

[1] اخبار رہنمائے دکن حیدر آباد (آندھرا پردیش۔ بھارت) مورخہ ۲۵ ڈسمبر ۱۹۶۱ء

سمندر شق ہوا، اور فرعون مع لشکر بیچ دریا میں پہنچ کر غرق ہوگیا، اور خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ اس کی نعش کو بھی آنے والی نسلوں کے لئے نمونۂ عبرت بنا کر دنیا میں باقی رکھے، اور اپنے اس ارادے اور فیصلے کو کھلے طور پر قرآن میں آشکارہ فرمادیا جب کہ وقوع واقعہ کے بعد لوگ اس کو آہستہ آہستہ بھول گئے تھے اور صدیوں سے اس حقیقت سے ناواقف چلے آرہے تھے کہ قرآن پاک تیرہ چودہ صدیوں سے اس کا اعلان عام کرتا چلا آرہا ہے کہ فرعون کی نعش موجود ہے مگر اسلام کے بعد کے زمانہ میں مشیت نے جو وقت اس نشانی کو کھلے طور پر دکھانے کے لئے مقرر فرمایا تھا، جب وہ تقریباً اب سے ساٹھ ستر سال پہلے آیا تو اب ساری دنیا کے لئے بہ آسانی اس حقیقت کو دیکھنے کا انتظام فرمادیا ہے، قرآن شریف میں اس بارہ میں جو معجزانہ انکشاف فرمایا گیا ہے اس کے اصل الفاظ یہ ہیں :-

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○

سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بے شک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے ۔

پ۱۱ - سورہ یونس - رکوع ۱۴ - آیت ۹۲

عرصہ ہوا کہ قدیم مصری شہر تھیبس (THEBES) میں غرق شدہ فرعون مصر کی نعش ماہرین اثریات کو دستیاب ہوئی جو آج قاہرہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے ۔ چوں کہ یہ مصر کا معاملہ ہے ۔ خود مصر کے بہت ہی مشہور عالم اور مفسر قرآن طنطاوی جوہری اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ مصری آثار کے ماہر و مہتمم عجائب خانہ احمد بک نجیب نے بیان کیا کہ ۲ - مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو میں نے علمائے آثار کی موجودگی میں فرعون کا تابوت کھولا، اس پر جو تحریر ہے وہ ثابت کرتی ہے کہ یہ دَیَّانْ بَا کا تابوت اصلی ہے رعمسیس ثانی (سیزوستریس) وہ فرعون ہے جس نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی اور اس کا بیٹا "ریان با" جو منفطہ

کے نام سے مشہور ہے، وہی ہے جو سمندر میں غرق ہوا۔[۵]

نیز انسائیکلو پیڈیا برطانیکا میں بھی ممی کے عنوان سے یہی خیالات ظاہر کئے گئے ہیں، تاریخ بائبل کے مصنف پادری ولیم جی بلیکی ڈی ڈی بھی اسی کی تصدیق کرتے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۲)

کیا حضرت علیٰسی کا بنایا ہوا پرندہ موجود ہے؟

تیسری مثال یہ ہے کہ حضرت علیٰسی علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ مٹی سے پرندہ جیسا ایک جانور بناتے اور اس میں پھونک مارا کرتے تو وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا تھا۔

اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط	میں تمہارے لئے مٹی سے "پرندہ جیسا جانور بناتا ہوں۔ پس اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا ہے۔

پ۳ ۔ آل عمران ۔ رکوع ۵ ۔ آیت ۴۹

مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ وہ پرندہ جیسا جانور چمگاڈر ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی کہا ہے مشہور عربی کتاب "عجائب المخلوقات" (جس کا فارسی اور اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے) کے مصنف نے جو کچھ کہا ہے اس کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ چمگاڈر

---

[۵] تفسیر المنطاوی جوہری جلد (۶) صفحہ (۷۸، ۷۹)

میرے منجھلے لڑکے عارف الدین سلمہ نے یہ سن کر کہا کہ یہ بیان قرآن کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیوں کہ پرورش کرنے والا اور مقابلہ کرنے والا فرعون ایک ہی ہے، جیسا کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔

فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العلمین ۝ ان ارسل معنا بنی اسرائیل ۝ قال الم نربك فینا ولیدا ولبثت فینا من عمرك سنین ۝	کہا کہ کیا نہیں پالا تھا ہم نے تجھ کو درمیان اپنے بچہ، اور رہا ہے تو درمیان ہمارے عمر اپنی سے کتنے برس۔

پ۱۹ ۔ سورہ شعرا ۔ رکوع ۲ ۔ آیت ۱۶ تا ۱۸

تو میں نے کہا کہ اس انداز کی گفتگو موسیٰ کو مخاطب کر کے باپ اور بیٹا ہر دو کر سکتے ہیں میری رائے میں ان آیات سے کسی ایک شخصیت کا تعین مشکل ہے۔

کی جونسل دنیا میں پائی جاتی ہے وہ اسی معجزہ کی یادگار ہے[1]۔ وہ عام پرندوں کی طرح پر نہیں رکھتی، مگر اپنے پھیلے ہوئے چمڑے جیسے بازوؤں سے اڑنے والے جانوروں میں شامل ہے تو اس کے برخلاف باہر نکلے ہوئے کان، منھ میں دانت اور اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے وصف سے حیوانات میں شامل ہے، اس تفصیل کے بعد اب آیت میں الفاظ "کھیئۃ الطیر" کی خوبی پر غور کیجئے۔

تفسیر مواہب الرحمٰن کے مولف نے سیوطی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"قال السیوطی فخلق لھم الخفاش، لانہ اکمل الطیر خلقا فکان یطیر وھم ینظرونہ فاذا غاب عن اعینھم سقط میتا"

نیز وہب بن منبہ (متوفی ۱۱۴ھ) کا یہ قول بھی درج کیا ہے کہ وہ اڑتا رہتا جب تک کہ لوگ اس کو دیکھتے۔ پھر جب ان کی نظر سے غائب ہوتا تو مردہ ہوکر گر پڑتا[2]۔

باقی رہنے والے معجزات میں سے چوتھی مثال شق القمر کی ہے، اور ہماری رائے میں قرآن سے بھی اس معجزہ کے نشانات و آثار کا باقی رہنا ثابت ہے، اور اس کتاب میں ان ہی مباحث کی تصدیق آپ کو آیندہ صفحات میں ملے گی۔

---

[1] دیکھئے عجائب المخلوقات مقالہ طیور
[2] تفیسر مواہب الرحمٰن جلد (۳) صفحہ ۱۰۹

(د) کیا اب بھی دنیا میں کوئی زندہ معجزہ موجود ہے

پانچویں مثال خود قرآن مجید ہے، وہ ایسا زندہ معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے جس کی بدولت نہ صرف گزرے ہوئے معجزوں کے تذکرے بھی زندہ ہیں بلکہ شمار و قطار سے باہر، اور طاقتِ بشری سے ماوراء اتنے معجزات، نشانیاں، عجائبات اور اخبارِ غیب درج ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، اس نے اپنا جس قدر علم و معلوم پیش کیا ہے، اس کی حقیقت پانا یا اس سے مافوق علم و معلومات کے ظاہر کرنے سے دنیا ابدالآباد تک عاجز ہے یعنی اپنی پیش کردہ ابدی حقیقتوں، صداقتوں، علم و تعلیم اور دلائل کی خدائی طاقت کے باعث اپنے ہر حریف کو چاہے وہ کسی انداز، طرز، رنگ اور شکل میں مقابلہ پر آئے، یہ کتاب اُسے "پست و عاجز" کر کے غالب ہوگی۔ یہ اٹل یقین بھی رکھیے کہ اِس دور میں اور آئندہ جتنی بھی ترقی ہوتی جائے غلبہ ہمیشہ دائماً اسی کو حاصل رہے گا جیسا کہ خود خدائے پاک نے اس کی اِس شان و حقیقت سے بھی دنیا کو آگاہ فرما دیا ہے چناں چہ ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

پ ۲۴ ۔ سورۂ حم سجدہ ۔ رکوع ۵ ۔ آیت ۴۱ ۔ ۴۲

اور یہ وہ غلبہ پانے والی کتاب ہے کہ اس میں (کسی بھی) باطل کے لئے سامنے اور پیچھے سے داخلہ کی راہ نہیں، کیوں کہ یہ حکمتوں والے اور سب تعریفوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

معجزات کا حال پڑھتے ہوئے خیال آنے لگتا ہے کہ کاش! ہم بھی اس دَور میں ہوتے اور ان معجزوں کو دیکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء کرام کو معجزات ان کے زمانہ کے اقتضاء ماحول اور ان کی امتوں کے حالات کے پیشِ نظر عطا ہوتے رہے ہیں، تاکہ نبی کی قوم متاثر ہو، اور پیامِ حق قبول کر کے راہِ راست اختیار کرے۔ جیسا کہ ہم نے صفحاتِ گزشتہ میں بیان کیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی، اسی اصول کے

مطابق معجزے عطا کئے گئے ہیں اور آپ کا عہد قیامت تک کے لئے ہے اور بعثت اقدس کے صدقہ میں، جہان پر علوم وحکمت کے نئے باب کھولے گئے ہیں، جو یوماً فیوماً ترقی کرتے چلے جائیں گے اور یہ کس انتہا پر پہنچیں گے کوئی نہیں جانتا، یہ دور علم وادب و حکمت کا دور ہے اور اتنا بڑھا ہوا کہ سابقہ زمانوں کی تاریخ میں اِس کی نظیر نہیں ملتی، اور اب تو حال یہ ہے کہ ہر پچھلا عہد، بلکہ گزرے ہوئے چند سال بھی ترقی علوم وفنون کی تیز رفتاری کے سبب، حال سے پست اور کم نظر آنے لگے ہیں۔

غرض دنیا میں سحر وساحری کے بجائے اب مقابلہ پر علم وفن تحقیقات وانکشافات کا وسیع وعظیم میدان موجود ہے، تو اس میدان کے لئے بھی اسی شان کا معجزہ موجود ہے دنیا آئے اور مقابلہ کر کے دیکھ لے لیکن اِس ضمن میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ عہدِ قدیم میں جس طرح جہل وعناد، معجزہ کے تسلیم کرنے میں مانع بن جاتے تھے تو آج مادی دَور میں ان مادی علوم کو "حرفِ آخر" کی طرح سمجھ کر، معجزے کے ماننے میں حائل نہ ہونے دینا لازمی ہوگا۔

یہ سب پڑھنے کے بعد خیال آتا ہوگا کہ جب ایسا ہے تو اچھا! آخر قرآن کا کچھ سرسری ہی تعارف کرایا جائے تا کہ غیر عربی دان اور غیر مسلم دنیا اس کا اندازہ لگا سکے۔

اولاً اختصار کے ساتھ قرآن کے اوصاف پڑھنے سے قبل یہ ذہن نشین رکھنا مفید اور وسعتِ معلومات کا موجب ہوگا کہ اسلام سے پہلے کی بہت سی کتابیں، مذہبی وغیر مذہبی اب تک دنیا میں باقی ہیں، جو اپنی اصلی زبان میں بھی پائی جاتی ہیں، اور ترجمہ شدہ بھی، مثلاً کالی داس، آریہ بھٹ، ہومر، افلاطون وارسطو کی تصنیفات۔

اور توریت وانجیل بھی موجود ہیں، جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اصل صحیفے سب سے پہلے سریانی میں ترجمہ کئے گئے تھے جو بعد کو یونانی زبان میں منتقل ہوئے اور پھر یونانی سے دوسری زبانوں میں، اور اس وقت یہ دونوں کتابیں اہل دنیا کے ہاتھوں میں ترجموں کے ترجمے ہیں، ان کا ایک جملہ بھی اپنی اصلی زبان میں موجود نہیں ہے اس کا نہ صرف یہود ونصاریٰ اور علمائے مذاہب کو اقرار ہے بلکہ یہ حقیقت بھی ان لوگوں کی مانی ہوئی ہے کہ توریت وانجیل ہر دو کے صرف مطالب ومضامین وحیٔ ربانی تھے ان کے الفاظ خدا کے الفاظ نہیں تھے۔

کسی کتاب کی سب سے پہلی چیز، جس سے واسطہ پڑتا ہے وہ اس کا طرزِ بیان،

اور قوتِ بیان ہے۔ قرآن نہ نثر ہے اور نہ نظم، مگر موزوں ایسا کہ شعر اور نثر دونوں میں سما جائے۔ انسانی کلام تو ان ہی دو صنفوں میں محدود ہے لیکن قرآن نے جو تیسری نئی راہ اپنے لئے نکالی اس سے قبل زمانہ میں موجود نہ تھی، جب دنیا کے سامنے اس انداز بیان کی مثال آگئی اور موجود ہے تو اس کو دیکھ کر حتیٰ کہ پڑھ اور سمجھنے کے بعد بھی اس کی پیش کردہ تیسری قسم اختیار کرنے سے عاجز ہے۔

قرآن کی سورتوں اور اس کی آیتوں کا یہ حال نظر آتا ہے جیسے کسی "سلطانِ بحر و بر" نے سارے جہان سے بے مثال نادر و نایاب بڑے بڑے اور ایسے آبدار موتی (مَرْوَارِیْدِ صَادِق) اکٹھے کئے کہ جن کی پاکیزگی اور جن کا حُسن و جمال دیکھنے والوں کو بے اختیار بنائے دیتا تھا۔ پھر ان سے ایک ہار تیار ہوا جب ایسے موتی اس طرح اکٹھے (جماعت بن کر) سامنے جمال آراء ہوئے تو اہلِ نظر دیکھ کر لوٹ پوٹ ہو گئے ہر قرآنی سورۃ کی یہی مثال ہے اور پھر ہر آیت ایسی ہی ہے کہ اگر ہار کا ایک ایک موتی جدا کر لیا جائے تو ہر موتی اپنی انفرادیت کے باعث دُرِّ یتیم و لاثانی اور اپنی ذات و وجود میں ہار کے بغیر، خود مکمل، علیحدہ اور وحدانی شان کا مالک، ہار سے جدا ہو جانے کے باوصف، اس کی بے مثلی و یکتائی میں ذرّہ بھر فرق نہ آئے، اور ہر ہر آیت اپنی اپنی جگہ بھی بلا سیاق و سباق و سورت کامل و مکمل۔

نفسِ کلام بھی بے حد گوناگوں، جوادق، مشکل اور بلند و اعلیٰ پایہ کے مضامین سے پُر، یہاں تک کہ ظاہر و باطن بھی تمام و کمال طور پر اس میں جمع و ملحوظ اور صدیوں سے اس کی تعبیر، تاویل، توضیح، تفسیر کی کوشش جاری، لیکن حد بندیوں میں جکڑا نہ جا سکا، پھر اتنا سہل بیان کیا گیا ہے کہ ہر معمولی پڑھا لکھا بھی بغیر تشنگی کے اچھی طرح سمجھ لے اور مستفید ہو فصاحت و بلاغت ایسی کہ عموماً ساری دنیا سمجھتی ہے کہ قرآن اسی اعتبار سے معجزہ ہے۔

ادائے مطلب میں لفظوں کا کم سے کم استعمال جسے اِیجاز کہتے ہیں ایسا اعجازی کہ سارے قرآن میں بے ضرورت زاید اور بھرتی کا لفظ ہی نہ ملے اہل جہان نے کبھی اور کہیں ایسی کتاب دیکھی یا سنی ہے یا کہیں پائی جاتی ہے، اسی لئے اس کے کسی لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹانا انسان کے لئے محال یا اس کے بدل میں دوسرا لفظ رکھنا

دشوار، اور اگر رکھ ہی دیا جائے تو آیتیں ان کو ایسا ہی نکال باہر پھینکتی محسوس ہوں جیسے مزاج انسانی 'بطور غذا کائی (کنجاں) کو نگلنے سے انکار کرے اور عجیب تر بات یہ کہ کمیٔ الفاظ کے باوجود معانی و مطالب کے گنجلک و خبط سے پاک، الفاظ میں معانی کا فراواں سمندر، اور پھر معانی کی لامحدود وسعت کے باوجود اس لفظ کا' ان سب معنوں کے واسطے برابر ظرف ثابت ہونا، ادبا و دانشورانِ عالم کو حیرت سے گزار کر سکتہ تک پہنچا دے اور کلام و الفاظ کی یہ شان کہ وہ زمان و مکان کی قید سے ایسا بلند کہ اس پر قدامت و کہنگی و متروک کی اصطلاح قطعاً غیر مؤثر۔

حتیٰ کہ یہ نتیجہ برآمد ہو کر کھلی آنکھوں دکھائی دینے لگتا ہے کہ قیامت تک باقی رہنے والے قرآن کے تصدق میں اس کے ساتھ عربی زبان اور اسکے بولنے والے بھی زندہ رہیں گے۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہ کبھی مردہ نہ ہو سکے گی، جیسا کہ اسلام سے قبل اور بعد کی متعدد زبانیں آج مر چکی ہیں۔

یہ کتاب رکیک، مبتذل و ناگوار الفاظ سے اس درجہ بری ہے کہ ہم چاہے اِسے پڑھتے ہوں یا سنتے، دونوں صورتوں میں ایسا ہی پائیں جزالت (کلام کا قانون کی طرح مضبوط ہونا) اور عذوبت (شیریں ہونا) دو متضاد صفات ہیں جو کلام بشر میں کبھی جمع نہیں ہو سکے لیکن جب آپ انھیں قرآن میں متحد دیکھیں گے تو خدا کے سامنے سجدہ میں گر پڑیں گے۔

جب آپ یہ دیکھیں گے کہ خود قرآن سے جو متعدد علوم اخذ کئے گئے ہیں، جیسے فقہ، تفسیر و تجوید تو ان میں اصطلاحات کی اتنی بھرمار کہ اس کے بغیر قدم اٹھانا مشکل لیکن خود قرآن میں اصطلاحات بہت سادہ و آسان اور اتنے کم کہ نہ ہونے کے برابر، جس سے ہر آدمی کے لئے اس کا سمجھنا آسان۔

جملوں میں زمانہ (ٹنسس TENSES) اور ضمیروں کا اس درجہ استعجاب انگیز استعمال کہ عقلِ بشری سمجھتے سمجھتے تھک جائے لیکن سیر ختم نہ ہو۔

دنیا میں ادب کے جتنے شہ پارے (ماسٹر پی سس) تسلیم کئے جاتے ہیں، ان کی خوبی کی بنیاد، خیال و فکر کی بلندی سے زیادہ شوکت و حسن الفاظ و استعارات اور زورِ بیان کے لئے مبالغہ آرائی کے سہارے پہ کھڑی ہوتی ہے اور جملہ انسانوں کا

کلام بلالحاظ زبان اور ملک اس کے بغیر پایا ہی نہیں جاتا، اگر ان میں سے اسکو الگ کر دیا جائے تو ادبیات عالیہ میں شمار کے قابل ہی نہ رہے لیکن قرآن نے مبالغہ (جو جھوٹ کی ایک شکل ہے) تو درکنار استعارہ بھی اتنا کم استعمال کیا ہے کہ اگر آپ بہ مشقت تمام تلاش کریں تو اتنے نکلیں جو بمشکل انگلیوں پر گنے جا سکیں، متضاد و مختلف مضامین کو ایک جگہ جمع کر کے ایک ہی انداز اور زورِ بیان کے ساتھ بیان کرنا محال ہے جیسے تعریف و مذمت اور خوشی وغم وغیرہ کے مضامین۔ چناں چہ آپ نے سنا ہوگا کہ اُردو میں میر تقی میرؔ غزل کے، ذوقؔ قصیدہ کے، سوداؔ ہجو کے، میر انیسؔ مرثیہ گوئی کے بادشاہ ہیں تو فارسی میں فردوسی و نظامی کو "رزم و بزم" اور سعدی کو "غزل و پند و نصائح" کا پیمبر کہا جاتا ہے یا عربی زبان میں اعشیٰ مضامین شراب کے لئے اور نابغہ خوف اور ڈر، زہیر رغبت و رجا اور امرأ القیس گھوڑوں کی تعریف میں اپنا ثانی نہیں رکھتے لیکن دوسرے مضامین میں ان کی شاعری ماند پڑ جاتی ہے اگر آپ کلام ربانی کی تلاوت فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ عذاب و ثواب، جنت و دوزخ اور دیگر متعدد و مختلف مضامین میں وہی زورِ بیان اور کلام کی جملہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مولانا قاضی سلمان صاحب منصور پوریؒ نے بڑی اچھی وضاحت کی ہے کہ:۔

فردوسی و ہومر، سعدی و شکسپیر، والمیک و ملٹن، سحبان و بیکن، نابغہ و بشر و امرأ القیس و خسرو وغیرہ وغیرہ جن کی فصاحت و بلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں، ان سب کا جوش و خروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات و تصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات و استعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی جن میں مبالغہ نہ کرنے اور جھوٹ نہ بولنے کی کوئی پابندی نہ تھی، اگر ان ہی زبان آوروں کو کوئی قانون کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقایق الٰہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سست، الفاظ کیسے گھٹیں، طرز ادا کتنا مبتذل ہوتا۔ یہ قرآن حکیم ہی کا حصّہ ہے کہ وہ احکام شریعت مواعظ و امثال، اخبار و انذار .... کسی جگہ بھی نہ صداقت و روحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے

مرکز سے متنزل ہوا ہے[۱]۔"

قرآن مجید کسی ایک علم کی کتاب نہیں ہے، اس کا موضوع، تعلیم توحید، مبدا و معاد وغیرہ اور انسانی اخلاق حسنہ کی تکمیل، رذائل اخلاق سے اجتناب، معاشرت و معاملات و تہذیب انفرادی و ملی پر حاوی ہے لیکن کونسا علم ہے جو اس کتاب سے خارج ہو سکے۔ اس میں ملکوت السمٰوٰت والارض ہے اور جو کچھ از افق اعلیٰ تا تحت الثریٰ ہے وہ سب مندرج ہے، متعدد اہل علم و فضل کی کیا حیثیت، ہم عہد رسالت کے دو ایسے عظیم الشان صحابہ کے یہاں اقوال پیش کرتے ہیں، جن کی قرآن دانی میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

انزل فی ھٰذا القراٰن کل علم و بین لنا فیہ کل شیئٍ و لٰکن علمنا یقصر عما بین لنا فی القراٰن (اخرجہ ابن جریر و ابن ابی حاتم)

قرآنی علوم

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا لو ضاع لی عقال بعیر لوجدتہٗ فی کتاب اللہ تعالیٰ (اگر میں نے اپنے اونٹ کی رسی کھو دی تو اس کو بھی میں نے کتاب اللہ سے پایا) اور حضرت ابن عربی کا شمار تو یہ ہے کہ ستر ہزار علوم اس سے مستنبط ہوتے ہیں[۲]، صرف سرسری اندازہ کے لئے چند علوم قرآنی کے نام پیش ہیں:۔

علم ہیئت، علم نباتات، علم جمادات، علم طبعیات، علم الحیوانات، علم طبقات الارض علم ریاضی، علم طب، علم منطق، علم کلام، علم زراعت، علم تعبیر خواب، علم تجارت، علم الآثار، علم تاریخ علم جغرافیہ، علم تفسیر قرآن، علم تجوید، علم رموز القرآن، علم المیراث، علم الحدیث، علم فقہ، علم الرجال علم الہیات، علم تصوف، علم الاخلاق، سیاست مدن (یعنی قانون انتظام مملکت) علم تدبیر منزل یعنی قواعد انتظام خانہ داری) وغیرہ وغیرہ۔

جہاں جہاں ان علوم کی نسبت آیتیں آئی ہیں، وہ انسانی انداز پر نہیں ہیں، بلکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کائنات میں اپنی فطرت کا جس رنگ میں اظہار فرمایا ہے ان آیات میں بھی وہی طرز پایا جاتا ہے، یعنی ان کی اصل و تخم کو پیش کر دیا گیا ہے جس طرح ایک تخم یا

---

[۱] رحمۃ للعالمین، جلد سوم ص ۲۸۴۔ [۲] تاریخ قرآن مولانا صارم سیوہاروی ص ۱۳۶ و ص ۱۳۵

ایک تناور درخت چھپا ہوتا ہے یا اس سے پیدا و ظاہر ہو جاتا ہے، یہی حال آیات کریمہ کا ہے، چناں چہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے صرف پانسو آیتوں سے تیرہ لاکھ مسائل استنباط کئے ہیں (قلائد العقود العقیان) [1]

اور خود قرآن نے بھی اپنے بارہ میں بتادیا ہے کہ:۔

(۱) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

اور نہ کوئی تر چیز، اور نہ ہی خشک چیز مگر کہ سب کتاب مبین میں ہے۔

پ۷ ۔ سورہ انعام ۔ رکوع ۷ ۔ آیت ۵۹

(۲) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ

اور ہم نے تجھ پر ہر چیز کا بیان کرنے والی کتاب اتاری۔

پ۱۴ ۔ سورہ نحل ۔ رکوع ۱۱ ۔ آیت ۸۹

(۳) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور البتہ تحقیق بیان کی ہے ہم نے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک قسم کی مثال۔

پ۲۳ ۔ سورہ زمر ۔ رکوع ۳ ۔ آیت ۲۷

(۴) وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا

اور اسی نے تم پر مفصل کتاب اتاری۔

پ۸ ۔ سورہ انعام ۔ رکوع ۱۴ ۔ آیت ۱۱۵

(۵) وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبرداری سے، راہ دکھلانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

پ۸ ۔ سورۂ اعراف ۔ رکوع ۶ ۔ آیت ۵۲

قرآن کی دی ہوئی عظیم تعلیم
توحید باری

اس کتاب عظیم نے باری تعالیٰ کی توحید، اس کے صفات اور اسماء حسنیٰ کی

---

[1] تاریخ قرآن مولانا صارم سیوہاروی ص۱۳۶ و ص۱۳۵

نسبت جو کچھ ظاہر کیا ہے، سارے عالم امکان میں اس سے زیادہ گراں قدر امانت مقدس ہو یا عظمت، پہلے کبھی ظاہر نہیں کی گئی تھی، یہ رسول پاکؐ اور ان کی امتِ مرحومہ کا ایسا خاص حصّہ ہے کہ اس نوازش و شرف کو دیکھ کر سارا عالم غیب و شہادت اپنی محرومی پر مغموم و متاسف ہے۔

اسی کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اس کی بدولت تمام دنیا میں بلالحاظ مذہب و ملک، شرک و بت پرستی کا سارا زور ٹوٹ چکا ہے، علم و عقل والے تمام انسان اپنے آبائی مذہب کے سبب اس میں رسماً و عادتاً مبتلا بھی ہوں تو ہوں، لیکن اس پر سے ان کا یقین بالکل جاتا رہا، خدا اور اس کی خدائی کو اب منوانے کی بہت کم ضرورت باقی رہ گئی ہے۔

اس کا ایک اور پہلو بھی نہایت عظیم ہے بقول مشہور مغربی سیرت نگار کارلائل کے اسلام کے بعد کسی انسان کو خُدائی کا دعویٰ کرنے کی ہمت نہ ہوسکی۔

اس موقع پر مرشدی و مولائی حضرت مولانا یوسف احمد شاہ قلندر[1] قادری اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی تعلیم یاد آگئی کہ ہمارے رسول پاک توحید باری میں سے صرف اس ایک آیت کے سوا، کچھ بھی نہ لائے ہوتے تو فقط اسی سے پلڑا بھاری ہو جاتا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (نہیں مانند اس کی کوئی چیز پ۲۵ شوریٰ آیت ۱۱) اور انعام مزید یہ کہ دین بھی ایسا بخشا کہ خود دینے والے نے کہا کہ اکمل بخش دیا ہے (الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا)

پیدائش عالم سے قبل کے واقعات

قرآن نے انسان اور عالم کے پیدا ہونے سے پہلے کے واقعات بھی منکشف کئے ہیں اور پیدائش عالم کی بہت تفصیل دی ہے۔ عرش، کرسی، ملائکہ، زمین و آسمان، دن رات سورج چاند، ملاء اعلیٰ وغیرہ کے بارہ میں جتنا ظاہر کرنا پسند فرمایا ہے اُس میں بقدرِ رتی بھی اضافہ کرنے کی کسی میں قدرت نہیں، اضافہ تو درکنار نسل در نسل اور صدیوں تک بھی ان ظاہر کردہ معلومات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوسکی، سارے قرآن میں ایسے

---

[1] تاریخ وفات ۲۳ رجب ۱۳۸۴ھ م ۲۸ - نومبر ۱۹۶۴ء شنبہ (مدفون بہ دائرہ میر مومن حیدرآباد)

امور کافی مقدار میں بیان کئے گئے ہیں۔

چند انکشافات قرآنی

اسی طرح انکشافات قرآنی کی بھی چند مثالیں آپ کے سامنے پیش ہیں:۔

(۱) انسان زمین کے سوا کہیں اور کسی دوسرے کرہ میں نہ رہ سکے گا (ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین۔ فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون۔ منھا خلقنکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ پ۱۔ بقرہ۔ رکوع ۴۔ آیت ۳۶ و پ۸۔ اعراف۔ ع ۲۔ آیت ۲۴ و پ۱۶۔ طٰہٰ۔ ع ۲۔ آیت ۵۵)۔

(۲) زمین، انسان و حیوان کے علاوہ، شیاطین و جن کا بھی مسکن ہے۔ (وقلنا اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر ومتاع الیٰ حین۔ پ۱۔ بقرہ۔ آیت ۳۶)۔

(۳) زمین اپنے اطراف سے گھٹتی رہتی ہے (اولم یروا انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا۔ پ۱۳۔ رعد۔ ع ۶۔ آیت ۴۱ و پ۱۷۔ انبیاء۔ ع ۴۔ آیت ۴۴)۔

(۴) زمین کئی براعظموں میں منقسم ہے (وفی الارض قطع متجورات۔ پ۱۳۔ سورہ رعد۔ آیت ۴)

(۵) انسان سے پہلے جن پیدا کئے گئے ہیں (والجان خلقنٰہ من قبل من نار السموم۔ پ۱۴۔ سورہ حجر۔ آیت ۲۷)۔

(۶) اجسام سے ان کا عکس و سایہ وصول کرنے والی ایک قوت موجود ہے (اولم یروا الیٰ ما خلق اللہ من شیئ یتفیؤا ظللہ۔ پ۱۴۔ نحل۔ ع ۶۔ آیت ۴۸)۔

(۷) آسمان و زمین ملے ہوئے تھے، ان کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا ہے۔ (اولم یرالذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما۔ پ۱۷۔ سورہ انبیاء۔ رکوع ۳۔ آیت ۳۰)

(۸) آسمانوں یا کرات آسمانی میں مخلوق (دابہ) موجود ہے (ومن اٰیٰتہ خلق السمٰوٰت والارض وما بث فیھما من دابۃ۔ پ۱۴۔ نحل۔ ع ۶۔ آیت ۴۹ و پ۲۵۔ سورہ شوریٰ۔ ع ۳۔ آیت ۲۹)۔

(۹) رات اور دن دو الگ الگ وجود ہیں (ھو الذی خلق الیل والنہار والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون۔ پ۱۷۔ انبیاء۔ ع ۳۔ آیت ۲۳)۔

(۱۰) آسمان و زمین کو گرنے اور ٹلنے سے تھام رکھا ہے (ان اللہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا۔ پ۲۱۔ سورہ روم۔ آیت ۲۵ و پ۲۲۔ فاطر۔ آیت ۴۱)۔

(۱۱) جملہ انسانی سواریاں تا قیامت (وخلقنا لھم من مثلہ ما یرکبون ۔ پ ۲۳ ۔ سورہ یٰسین آیت ۴۲ و والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ ط ویخلق مالا تعلمون ۔ پ ۱۴ سورہ نحل ۔ ع ۱ ۔ آیت ۸) ۔

(۱۲) نباتات میں بھی نر و مادہ پیدا کئے گئے ہیں (سبحٰن الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون ۔ پ ۲۳ ۔ یٰسین ۔ آیت ۳۶)

(۱۳) سورج کے لئے ایک مستقر ٹھہرایا گیا ہے، جس کی طرف وہ چلا جا رہا ہے (والشمس تجری لمستقر لھا ذٰلک تقدیر العزیز العلیم ۔ پ ۲۳ ۔ یٰسین ۔ ع ۲ ۔ آیت ۳۸) ۔

(۱۴) انسان آدم کی اولاد ہے، اور آدم مٹی سے بنائے گئے، حیات کے ارتقاء کا نتیجہ نہیں (ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون ۔ پ ۱۴ ۔ حجر ۔ آیت ۲۶، وخلقکم من نفس واحدۃ ۔ پ ۲۳ ۔ سورہ زمر ۔ آیت ۶) ۔

(۱۵) سب سے پہلا آسمان وہاں واقع ہے، جہاں کواکب و مصابیح پائے جاتے ہیں (انا زینا السماء الدنیا بزینۃ ن الکواکب ۔ پ ۲۴ ۔ حم سجدہ، ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح ۔ پ ۲۹ سورۂ ملک ع ۱ ۔ آیت ۵ ۔

(۱۶) آسمان کا اصل مادۂ تخلیق "دھواں" ہے (ثم استوٰی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا، قالتا اتینا طائعین، فقضٰھن سبع سمٰوٰت پ ۲۴ ۔ حم سجدہ ۔ آیت ۱۱ و ۱۲) ۔

(۱۷) انسان کی دو جانیں ہیں، ایک کو "ہوش" کہتے ہیں، اور دوسری وہ ہے جس سے نبض چلتی ہے (اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا، فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی ۔ پ ۲۴ ۔ سورۂ زمر ۔ رکوع ۵ ۔ آیت ۴۲) ۔

(۱۸) انسانی تخلیق سے زیادہ بڑی تخلیقات کی موجودگی (لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔ پ ۲۴ ۔ سورۂ مومن ۔ ع ۶ ۔ آیت ۵۷)

(۱۹) کل کائنات انسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے (سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ ۔ پ ۲۵ ۔ سورہ جاثیہ ۔ ع ۲ ۔ آیت ۱۳) ۔

(۲۰) زمین و آسمان کے درمیان بعض عوالم کی موجودگی (وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لعبین، ما خلقنٰھما الا بالحق ۔ پ ۲۵ ۔ دخان ع ۲ ۔ آیت ۳۸ ۔ اس سلسلہ میں تو بکثرت

آیات موجود ہیں)۔

(۲۱) دو مشرق اور دو مغرب بنائے (رب المشرقین ورب المغربین۔ پ ۲۷۔ سورہ رحمٰن آیت ۱۷)۔

(۲۲) آسمان وزمین کے حدود سے انسان کا نکلنا ممکن نہیں، مگر قوت کے ذریعے (یٰمعشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن۔ پ ۲۷۔ سورہ رحمٰن ع ۲ - آیت ۳۳ و ۳۴)۔

(۲۳) حقیقی آسمان کے قریب پہنچنے پر آگ کی بغیر دھویں کی لپیٹیں ملیں گی (یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس فلا تنتصران۔ پ ۲۷۔ رحمٰن - آیت ۳۵)۔

(۲۴) انسانی مردوں کی طرح جن بھی نسوانی خواہش رکھتے ہیں (فیہن قٰصرات الطرف لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان۔ پ ۲۷۔ سورہ رحمٰن - آیت ۵۶)۔

(۲۵) معجزۂ شق قمر کے نشانات چاند کے کرہ پر موجود ہیں (وکذبوا واتبعوا اھواءھم وکل امر مستقر۔ پ ۲۷۔ سورۂ قمر آیت ۳)۔

(۲۶) آسمان میں عظیم "مواقع النجوم" بنائی گئی ہے (فلا اقسم بمواقع النجوم وانہ لقسم لو تعلمون عظیم۔ پ ۲۷۔ واقعہ - ع ۳ - آیت ۷۵)۔

(۲۷) آسمان کی طرح، سات زمینیں بھی بنائی گئی ہیں (اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن۔ پ ۲۸۔ سورۂ طلاق - رکوع ۸ - آیت ۱۲)۔

(۲۸) آسمان ایک حقیقی وجود ہے جو ایک سقفِ مرفوع ومحفوظ ہے (وجعلنا السماء سقفا محفوظا۔ پ ۲۷۔ سورہ طور - آیت ۵ و پ ۱۷۔ انبیاء - ع ۳ - آیت ۳۲)۔

(۲۹) اگر قوم لوط کی بستیوں کی کھدائی کی جائے تو قابلِ عبرت آثار برآمد ہوں گے، ولقد ترکنا منہا آیۃ بینۃ لقوم یعقلون ٥ پ ۲۰۔ عنکبوت - ع ۴ - آیت ۳۵ -

قرآنی دعویٰ کہ کن امور کے جاننے سے ہمیشہ انسان عاجز ہے

۱ - قیامت کب ہوگی۔

۲ - بارش[1] کا اتارنا۔ پ ۲۱۔ سورہ لقمان - ع ۴ - آیت ۳۴

---

[1] موسمیات کے بارہ میں انسانی علم اور آلات کی ایجاد کے باعث، یا اکسرے کی دریافت اور اسکے ذریعے اندرونی اعضاء کی تصویر کشی یا جراحی میں ترقی سے دلوں کی تبدیلی کے سبب موت سے رستگاری کے امکانات وتوقعات کی بنیاد پر آپ کسی وسوسے میں مبتلا نہ ہوں، اگر آپ تحقیق فرمائینگے تو معلوم ہوجائیگا "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد"۔

۳ - رحم مادر میں کیا ہے -
۴ - کل کوئی کیا کرے گا - } پ ۲۱ - سورہ لقمان - ع ۴ - آیت ۳۴
۵ - اس کی موت کہاں واقع ہوگی
۶ - حیات کی پیدائش
۷ - روح کی حقیقت
۸ - موت سے فرار
۹ - نیند کی حقیقت -

اس زمانہ میں کرۂ زمین گویا سمٹ گیا ہے، ذرائع آمد و رفت کی سہولت نے ملکوں اور قوموں کو ایک دوسرے کے انتہائی قریب کر دیا ہے اور دنیا میں علوم و فنون اور ماہرین کا باہمی تبادلہ عمل میں آرہا ہے، ہر شعبۂ زندگی میں ترقی و تحقیقات کا بازار نہایت تیز اور گرم ہے، تقریباً کرۂ زمین کے ہر چپہ کی ارضیاتی، جغرافیائی اور تاریخی چھان بین ہو رہی ہے۔ طبعیات، کیمیا اور دیگر سائنسی علوم کی مدد سے، نیز زمین پر پائے جانے والے آثار و نشانات اور اس کی کھدائی و آثار قدیمہ کی تلاش سے تاریخ عالم مرتب ہو رہی ہے اور ایسے ایسے حقائق منکشف ہو رہے ہیں کہ جن سے دنیا غافل تھی، اور صدیوں اور ہزاروں سال کی طوالت نے ان پر تاریکی کا پردہ ڈال رکھا تھا، پرانی باتوں کی، اور تاریخ کی سچائی یا جھوٹ یا تو کھل چکی ہے یا زمانہ کھول کر رکھ دے گا۔ ایسے دور میں قرآن کے ظاہر کردہ ان واقعات پر غور کیجئے جو دنیا میں وقوع پذیر ہو چکے ہیں مگر زمانہ ان کا ریکارڈ نہ رکھتا تھا اور اگر کبھی کسی وقت کچھ آثار برآمد ہوں تو ان کی سچائی ہی ثابت ہوگی جیسا کہ ہوتی چلی آتی ہے، اور دوسری آسمانی کتابوں میں بھی ان امور میں سے بعض کے متعلق تھوڑا بہت جو کچھ پایا جاتا ہے قرآن یا تو ان کی تصدیق کرتا ہے اور اگر غلط کر دیئے گئے ہیں تو ان کی غلطی بتا کر جو سچ ہے اس کو ظاہر کرتا ہے اور بعض باتیں ایسی ہیں جو پہلی دفعہ دنیا میں ظاہر کی گئی ہیں، لیجئے اب ان واقعات کی فہرست پڑھیئے۔

قرآن میں ان واقعات کی تفصیل جس کا اسکے سوا کہیں ریکارڈ نہیں ہے

حضرت آدم و حوا کی پیدائش - سجودِ ملائکہ - ابلیس کی دشمنی - زمین پر آدمؑ کا نزول

نوحؑ[5]، اور ان کی قوم، اور طوفان[6] کا تذکرہ۔ حضرت ابراہیمؑ[8] کے واقعات، نمرود[9] کا قصہ حضرت اسمٰعیلؑ[10] کی قربانی کی تفصیل۔ حضرت یوسف[11] علیہ السلام کے مفصل واقعہ کا اظہار موسیٰ[12]، فرعون[13] اور بنی اسرائیل[14] کے اس قدر کثیر واقعات کا انکشاف جو تقریباً ربع قرآن کے برابر ہے۔ حضرت عیسیٰ کی ولادت[15]۔ زندگی کے حالات[16] اور قتل یا صلیب[17] پر چڑھائے جانے کے حقائق اور پھر آسمان[18] پر ان کا زندہ اٹھا لیا جانا[19]، اور قریب قیامت[20] ان کی دوبارہ دنیا میں آمد[21] و وفات[22]۔ امم سابقہ[21] کے کئی تذکرے۔ نافرمان[22] قوموں کی تباہی کے عبرت خیز واقعات، اور ان کی بستیوں اور آثار کی نشان دہی[23]۔ بعض صالحین جیسے اصحاب کہف[24]، ذوالقرنین[25] اور لقمان[26] کا تذکرہ۔ بعض اشقیا[27] کے انجام کا حال۔

خود یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس بھی ان کے ان مذہبی واقعات کا ایسا ریکارڈ موجود نہیں ہے، یا تھا تو ان میں اختلاف تھا اسی لئے فرمایا کہ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ	تحقیق یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل
اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝	پر اکثر اس چیز کا کہ وہ بیچ اسکے اختلاف
پ۱۹۔ سورۂ نمل۔ رکوع ۶۔ آیت ۷۶	کرتے ہیں۔

عہد رسالت کے واقعات قرآن میں

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، صحابہ کا ذکر و دیگر عہد نبوت کے واقعات بھی وحی الٰہی میں شامل ہو کر قیامت تک کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔

قرآن کی ظاہر کردہ چند غیبی خبریں

اس کتاب الٰہی میں غیب کی خبریں بھی بیان کی گئی ہیں، جیسے کشتی نوح اور فرعون کی نعش کی موجودگی، اصحاب کہف، سد ذوالقرنین، حضرت عیسیٰ کا دنیا میں دوبارہ نزول، قیامت سے قبل زلزلوں کی کثرت، دنیا کے تمام شہروں بستیوں کی تباہی[1]، دابۃ الارض کا خروج، اور اس کا انسانوں[2] سے کلام آسمان اور نجوم و کواکب کی بے نوری اور شکست و ریخت۔ پہاڑوں کا روئی کی طرح اڑا دیا جانا،

---

[1] وان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیٰمۃ (پ۱۵۔ بنی اسرائیل آیت ۵۸)
[2] اذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بآیٰتنا لا یوقنون (پ۲۰۔ سورہ نمل۔ آیت ۸۲)

زمین کا مسطح کیا جانا[1]، جنت، دوزخ، اعراف، عذاب قبر و قیامت کے ہولناک واقعات۔

قرآن کی چند پیشین گوئیاں

بحیثیت تلاوت اس میں پیشین گوئیاں بھی ملیں گی، جیسے عہد رسالت میں اہل روم کی ایرانیوں پر فتح یابی، اسلام کا تمام ادیانِ عالم پر غالب ہو جانا مسلمانوں کی دنیا میں حکومت کا قیام، بعض کافروں کے انجام کی خبر، فتح مکہ کی نوید، یہودیوں کی قیامت تک ذلت و رسوائی، قرآن کی حفاظت، خود آپ کی دشمنوں اور شریروں سے حفاظت کا تیقن، اور آپ کے دشمنوں کے لاوارث رہنے اور ہو جانے کی اطلاع۔

قرآن سننے کے اعجازی اثر کی کیفیت

کلام شریف کا ایک اور کھلا، نہایت واضح و ممتاز معجزہ یہ ہے کہ اس کا سننا اور پڑھنا، بلالحاظ ملک و قوم اور مسلمان و غیر مسلمان، زبان اور معانی و مطالب نہ جاننے کے باوجود، اس سے متاثر ہونا ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس طرح تمام انسانوں کے جسم ایک مادے (مٹی) سے بنے ہیں، ان کی روحوں کا بھی یہی حال ہے (و نفخت فیہ من روحی) چونکہ اس کتاب کا نزول روح پر ہوا ہے، اس لئے ہر انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ہاں! اثر و تاثیر میں کمی و زیادتی فطری استعداد، صلاحیت اور واقفیت کے مطابق ہوتی ہے، صرف حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر یہ معجزہ ختم نہیں ہو گیا، بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ہر عہد اور ہر زمانہ میں لوگ صرف قرآن سُن کر مسلمان ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ غیر مسلم اگر عربی داں ہوں تو اتنا موثر و طاقتور کلام ہے کہ سننے کی تاب نہیں لا سکتے۔ اسی لئے کفار قریش اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لینے پر مجبور ہوتے تھے۔

بہت سے فصیح و بلیغ اشعار اور کلام ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کو زور سے یا بطور شعر پڑھ کر سنایا گئے تو ان کی سب خوبیاں غائب معلوم ہوں اور ایسے ہی بعض اشعار اور کلام سننے میں تو بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں، لیکن غور و فکر کے ساتھ آہستہ پڑھیں تو نہایت ادنیٰ و معمولی محسوس ہوتے ہیں، اس لحاظ سے قرآن کی اس صفت پر غور کیجئے۔

---

[1] انا لجاعلون ما علیھا صعیداً جرزا (کہف) فیذرھا قاعا صفصفا لا تری فیھا عوجا ولا امتا (طٰہٰ آیت ۱۰۶، ۱۰۷)

مانی ہوئی بات ہے کہ تحریر و تقریر کی زبان الگ ہوتی ہے اور ہمارے زمانہ میں تو نشریات کے مقصد سے بطور فن اس کو مرتب کیا جانے لگا ہے، اب ہم آپ سے پوچھیں گے کہ کلام ربانی کو آپ کس انداز کا پاتے ہیں کیا اس میں دونوں طرز معجزانہ طور پر جمع نہیں ہیں۔

مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ ساری عمر ہر روز تلاوت قرآن کے باوجود جب کبھی کسی خوش الحان قاری یا کسی اچھی آواز والے سے کوئی رکوع سُن لیتے ہیں تو ان کا قلب پکار اٹھتا ہے کہ آج ہم پہلی دفعہ یہ آیتیں سُن رہے ہیں، جن میں نئے اسرار اور نیا ذوق و لذت محسوس ہونے لگتا ہے اور بجین سماعت، قرآن کے الفاظ طاقتور زندگی دوڑ لئے قلب میں نفوذ کر جاتے ہیں، اب یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ تنہائی کے پڑھنے میں زیادہ کیف ہے یا سننے میں، اور یہ کیفیت کسی خاص موقع اور وقت ہی سے مختص نہیں بلکہ تا زندگی اسی حقیقت سے دوچار، اور لذت و لطف میں تڑپتے گذرتی ہے۔

یہ تو ما و شما کا ذکر تھا حدیثوں میں آیا ہے کہ خود حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اوروں سے زیادہ اثر ہوتا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھ سے قرآن سنانے کی خواہش فرمائی تو میں نے کہا یا رسول اللہ آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے آپ کے سامنے میں کیا پڑھ سکتا ہوں، فرمایا کہ مجھے دوسرے سے سننا بہت زیادہ پسند ہے تو میں نے سورۂ نساء کی قرأت شروع کی، جب اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا " اور حضور کی طرف میری نظر اٹھی تو دیکھا چشم ہائے مبارک آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں[1] راتوں میں نماز میں تلاوت فرماتے تو گریہ طاری رہتا تھا اور پیر متورم ہو جاتے تھے،

دنیا میں صرف قرآن زندہ بقیہ کتابیں مردہ ہیں

قرآن کی ایک اور عیاں معجزانہ حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کی مانند دنیا میں کوئی زندہ کتاب موجود نہیں ہے، یہ کاغذ اور اوراق کے مجموعے سے الگ ہزارہا حافظوں کے "زندہ سینوں" دماغوں اور قلوب میں زمانۂ نزول سے مسلسل زندہ چلی آرہی ہے اور

---

[1] معجم صغیر طبرانی ص ۱۵۴ (مطبع انصاری دہلی) عن احمد بن موسیٰ۔

زندہ رہے گی، ایک دو دفعہ نہیں بلکہ دن و رات میں "پانچوں وقت" روئے زمین کے کروڑوں مسلمان ہر ہر نماز کی متعدد رکعتوں میں سے ہر رکعت میں اسے پڑھتے اور اس کی زندگی کا اجتماعی ثبوت پیش کرتے ہیں، نیز بے شمار امتی ایسے بھی ہیں جو بطور سعادت و برکت و عادت ہر روز اس کی تلاوت کا شرف حاصل کرتے ہیں، اس طرح چوبیس گھنٹے برابر اس پاک و زندہ کتاب کا سلسلۂ حیات جاری ہے، نہ صرف افراد کی بلکہ مسلم جماعتوں اور حکومتوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں بھی اسی کے اصول و احکام زندہ اور دوڑتے نظر آتے ہیں، یہ پہلو بھی اس میں شامل کر لیجئے کہ دنیا کی چھوٹی بڑی اور ساری مہذب حکومتیں جنھیں اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، از خود اپنی اپنی نشر گاہوں سے ہر روز قرآن مجید نشر کر کے اس کی ابدی حیات کا اعلان کرنے میں مشغول ہیں۔ غرض چودہ سو سال سے اس کا رشتۂ زندگی نہ کبھی منقطع ہوا اور نہ ہوگا۔ فی الحقیقت قرآن کے آگے سب کتابیں مُردہ ہیں، دنیا میں نہ اس کی مثال ہے اور نہ کم از کم اس کے نقش قدم پر ہی چلنے کی قدرت۔

ان سارے اوصاف کو پڑھتے پڑھتے یہ نہ بھولئے کہ یہ کتاب ایک شدید ترین مصروف، مشغول اور ایسی منہمک ہستی نے نہ صرف عرب کے سامنے بلکہ ساری دنیا کے آگے رکھنے کے لئے پیش کی ہے، جو ہر طرف سے خونخوار جانی دشمنوں سے گھری ہوئی تھی جنھوں نے اُس پُرسکون حرام کر رکھا تھا اور زندگی کی ساعتیں بشدت تنگ کر دی تھیں اور وہ عرب جیسی تعلیم و تہذیب سے عاری قوم میں پیدا ہوئی تھی اور جس کا وطن اپنی بے آبی و بے گیاہی اور ریگستانی زندگی کے سبب کبھی مرکز علم و تمدن نہ ہو سکا تھا نہ اُس زمانہ کے مشہور و اہم ملکوں میں کبھی اس کو گنا گیا تھا اور خود حامل قرآن بھی اُمّی کہ ظاہری و رسمی لکھنے پڑھنے سے آشنا نہ تھا حتی کہ مکہ جو اس وقت شعر و ادب میں ڈوبا ہوا تھا اور جس کی عورتیں اور بچہ بچہ تک اسی رنگ میں رنگا ہوا تھا وہ اس سے بھی کنارہ کش تھا۔

اصل تعلیمات قرآنی کے اعجاز کا خاکہ

قرآن کے نزول کا مقصد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اصلی غرض انسانوں کو اُن کی اس دنیاوی زندگی کے لئے ایسا مکمل، جامع، واضح اور معتدل و سہل دستور دینا تھا جو اس امت مرحومہ کے سوا کسی کو نہیں بخشا

گیا، اس کی یہ "تعلیمات" ہی ایسا عظیم الشان اور بے مثال معجزہ ہے کہ جس کے سامنے سارا جہاں اپنے آپ کو عاجز و درماندہ پائے گا، زندگی کے جملہ شعبوں میں افراط و تفریط کے درمیان جو ایک حقیقی نقطۂ اعتدال تھا، اُسی سے اِس "ملت حنیف" کو تمام و کمال طور پر سرفراز فرمایا گیا ہے جس کی قرآن کے نزول سے قبل کی امتوں قوموں اور مذہبوں کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ آج بھی ان کا اثاثۂ دین موجود ہے، کوئی اور بشر تو کیا، حتیٰ کہ دوسرے پیغمبر بھی اس جامعیت و کمال کے ساتھ ایسی تعلیمات یا دین پیش نہ کر سکے، کیوں کہ یہ حصہ تو خدا اپنے آخری پیغمبر اور ان کی امت کے لئے مختص و مقدر کر چکا تھا۔

"شریعت اسلامیہ" (بشمول ظاہر و باطن) ایک مکمل نظامِ حیات پیش کرتی ہے جو زندگی کے عملی میدان میں انسان کی پیدائش سے موت تک جملہ ابواب میں اس کی کامل رہنما ہے، خدا کی وحدت، عظمت و قدرت کا اقرار، جزا و سزا کا تصور، نیک و بد افعال پر نیک و بد نتائج کا مرتب ہونا، معیشت و معاشرت، تہذیب و اخلاق وغیرہ ہر ہر شاخِ زندگی میں، وہ فرد، جماعت، ملک و ملت، رعیت و حکومت سب کی ہادی ہے، یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس میں دین کمال کو پہنچا دیا گیا اور نعمت تمام کر دی گئی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دو مخالف سمتوں کے خطوط جہاں آکر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، وہیں اصلی نقطہ اور حقیقی مرکز ہوتا ہے جو صرف ایک ہوتا ہے، ایک سے زائد ممکن نہیں، جو کوئی بھی اس مسلّمہ حقیقت کے خلاف کہے، اسے دنیا بالاتفاق جھوٹا اور دائرہ عقل سے خارج یقین کرے گی، آدمیوں کی زندگی میں صدیوں پر صدیاں بیت گئیں لیکن یہ نقطۂ اعتدال، انسان نہ پا سکا تھا اور آگے بھی قرن در قرن گزر جاتے تب بھی نہ پا سکتا تھا، اسے صرف وہی رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ بخش سکتا تھا اُسی نے جو نقطۂ عدل ایک اور اصلی تھا، وہی شَرِیْعَتِ اِسْلَامِیَہ کو عطا فرمایا ہے، اب اس کے بعد جتنے بھی مراکزِ اعتدال کا نام لے کر بیان کئے جائیں گے وہ "خود ساختہ" مصنوعی اور غلط ہوں گے اور ان کے صحت سے گرے ہوئے ہونے کو خود عمل کا میدان ثابت کر چکا ہے، اور کرتا رہے گا۔

دنیا کے دیگر مذاہب جن کے پاس وقتی تعلیمات تھیں اور جن میں تحریف ہو چکی تھی، اور جن میں ان کے ماننے والوں نے من مانی تبدیلیاں کر ڈالی تھیں، ایسے معتدل جامع و مانع احکام اور تعلیمات سے محروم ہیں، ظہور اسلام کے بعد غیر اسلامی دنیا کے رقبوں میں بہت سے ریفارمر اور حکومتیں اپنی اپنی محدود عقل و نظر کے بل پر ہر وقت نئے نئے احکام و قوانین بنانے مشغول چلی آتی ہیں اور ان کا بزور عملاً نفاذ بھی کرتی ہیں، لیکن یہ سب مادی قوتوں اور طاقتوں کو استعمال کرتے ہوئے بھی، اپنے ملک اور اپنی قوم کی زندگی، معاشرہ۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق کو صالح اور سچا بنانے میں کامیاب نہ ہو سکیں، زنا، جوا، شراب جیسے بیسیوں کام ان کے نافذہ قانون کے دائرہ میں یکسر حلال ہیں، جن میں مشغول ہونا نہ کوئی عیب و جرم ہے اور نہ ہی قابل دست اندازی، سوسائٹی ایک حمام کے ننگوں کی طرح بنی ہوئی ہے اور اسی کی بدولت آج اس پورے کرۂ ارضی پر انسانی زندگی بلبلا رہی ہے، آدمی کو اپنا زندہ رہنا تک بے مزہ نظر آتا ہے اور طرح طرح کے سماجی عذاب و مشکلات میں مبتلا ہے، عورتوں کے ساتھ بے محابا و آزادانہ جنسی تعلقات چلائے جا رہے تھے، اس نے جب سیکڑوں مصائب میں پھنسا دیا، تو اس فطری تقاضے کی تکمیل کے لئے اب ڈنکے کی چوٹ مرد، مرد (ہم جنسی) پر چل پڑے ہیں (یعنی لواطت غیر قانونی اور شرمناک فعل نہیں رہا) روحیں تڑپ رہی ہیں سچی تسکین اور اطمینان قلب بالکل مفقود ہے، یہی وقت ہے کہ علم و عقل سے آراستہ دنیا شریعت و دین اسلامی کو اس کے ماضی کی چودہ صدیوں کی عملی زندگی کی تاریخ میں دیکھ سکتی اور بخوبی پہچان سکتی ہے اور خود حال کی زوال میں مبتلا مسلم قوم کے سامنے بھی غیر مسلم دنیا کا یہ تماشا، شریعت اسلامیہ کے ہر ہر حکم کی معجزانہ شان دکھانے کے لئے بہت کافی ہے، اس سلسلہ میں ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں بطور سبق و عبرت ایک خاص واقعہ کا تذکرہ بے محل نہیں سمجھا جائے گا۔

اسلام کے بارہ میں لینن کا اعتراف

مشہور ہندوستانی لیڈر مولانا عبید اللہ سندھی نے جو ایک نو مسلم سکھ تھے برطانوی عہد حکومت میں ہندوستان سے فرار کر کے روس میں پناہ لی تھی، اور کچھ عرصہ وہاں مقیم بھی رہے

بالشویک انقلاب کو اپنی نظروں کے سامنے برپا ہوتا دیکھا تھا، دورانِ قیام میں لینن سے بھی ان کی ملاقاتیں رہیں، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے ایک مضمون سے معلوم ہوا کہ ان کی ڈائری حال میں پاکستان سے شائع ہوئی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

ایک دن لینن نے ایک ایسا خفیہ جلسہ طلب کیا جس میں صرف اس کے معتمد علیہ اور خاص انقلابی رفقاء شریک تھے، اہل جلسہ سے اس نے خطاب کر کے کہا کہ انسان کا صرف پیٹ بھرنا کافی نہیں ہے، کیوں کہ جب اس کا پیٹ بھر جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اسے روحانی بھوک ستانے لگتی ہے کارل مارکس کی اشتراکیت شکم سیری کی راہ تو دکھاتی ہے لیکن جب تک ہم اپنی تحریک میں اس دوسرے جزء کا یعنی روحانی بھوک کا علاج نہ تجویز کریں، ہماری تحریک ادھوری اور سماج میں اس کی جڑیں مضبوط نہیں ہو سکیں گی، اور رُوحانی غذا صرف مذاہب کے پاس ہے، جب میں ان خیالات کے تحت اپنی تحریک کی مضبوطی اور اسے مقبول عام بنانے کی خاطر غور کرتا ہوں کہ ہم کو کونسا مذہب اختیار کرنا چاہیئے جسے اشتراکیت سے اختلاف نہ ہو، لہٰذا میں نے دنیا کے مشہور مذاہب کا مطالعہ کیا، یہودیت، عیسائیت، بدھ مت اور برہمن ازم وغیرہ سب کا بنظر غائر جائزہ لیا مگر مجھے اسلام کے سوا کوئی بھی کارآمد نظر نہ آیا۔

یہ سن کر اہل جلسہ برہم ہو گئے اور شور مچانے لگے تو لینن نے کہا کہ میں نے اپنی ایک غور کردہ اور مخلصانہ رائے آپ لوگوں کو ایک سنجیدہ صاحبانِ فکر سمجھ کر بتانی شروع کی ہے کیا آپ میں اتنا بھی صبر و ضبط نہیں کہ میری پوری بات سنو اور پھر رائے زنی کرو، میرے نزدیک اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اشتراکیت کا ساتھ دے سکتا ہے اور خاص طور پر اس کے عقائد کی سادگی ان میں معقولیت، اور اس کے ماننے والوں کی دنیا میں کثرت و وسعت وغیرہ ایسے امور ہیں جو ہم کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں[۱]

بعض غیر مسلموں اور خاص کر مغربیوں نے اپنے طور پر قرآن پڑھ کر یہ اعتراض

---

[۱] مضمون "تذکار قرآنی" از ڈاکٹر حمید اللہ مطبوعہ رہنمائے دکن قرآن نمبر ۱۳۸۷ھ

کیا ہے کہ یہ متضاد تعلیمات سے بھرا ہوا ہے، مثلاً جب کبھی کوئی غیر مسلم یہ حکم پڑھتا ہے کہ قرآن مال خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا اور ایسے لوگوں کی تعریف کرتا ہے تو دوسری جگہ یہ تنبیہ پڑھ کر وہ حیران ہو جاتا ہے کہ اگر ہاتھ کھول کر سارا مال خرچ کر دوگے تو حسرت زدہ ہو کر بیٹھ رہوگے، پس ایسے کثیر مقامات ملیں گے جو صرف اپنے علم و مطالعہ کے زور پر، اسلام سے ناواقف اور دور رہ کر ہرگز سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ اس کتاب کو سمجھنے کے لئے تو اس کے کلام الٰہی ہونے پر اٹل یقین رکھنا اور ایمان لانا شرط اولین ہے، مسلمانوں کا انگریزی داں جدید تعلیم یافتہ طبقہ، ان لوگوں کے لچھے دار تحریر و خیالات سے متاثر ہو جاتا ہے اور ایک بدگمانی سی اس کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر کام اور عمل کے دو سمت ہوتے ہیں، جسے افراط اور تفریط کا نام دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے چند سطور پہلے بتایا ہے کہ ان کا درمیانی نقطہ، نقطۂ اسلامی تعلیمات ہے لہٰذا قرآن ہر دو نوع کے اخلاق کو بیان کرتا، اور ان میں جو مرکزِ عدل رہتا ہے اس کا انکشاف کر کے نہ صرف چلنے کی ہدایت کرتا بلکہ اس کا مکلف و پابند بناتا ہے، اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی، بُرے کونسے ہیں اور اچھے کون سے ان کا گنانا اور بتایا جانا ضروری ہے، ان کے تذکروں سے اگر کوئی دھوکا کھائے تو کیا کہا جا سکتا ہے۔

یہاں ایسی چند موٹی موٹی مثالیں پیش کی جاتی ہیں کہ ان سے اِنْشَاءَ اللّٰہ ایک اصول ہمیشہ کے لئے ذہن نشین ہو جائے گا کہ کس طرح احکام شریعت افراط و تفریط دونوں جانب سے منزہ اور پاک ہیں اور ان کا نقطۂ اعتدال واصلی کیسا ہوتا ہے۔

نوعیت تعلیماتِ قرآنی کی چند مثالیں

(۱) سب سے پہلے انسان کو بلا لحاظ مذہب و ملک، کھانے پینے سے واسطہ پڑتا ہے اپنی خوراک میں وہ گوشت بھی استعمال کرتا ہے اور گوشت خوری میں افراط کا دائرہ یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ وہ سانپ، بچھو، کیڑے، مینڈک اور مردار تک چٹ کر جاتا ہے اور تفریط کا یہ حال ہے کہ دنیا کے ایک حصہ میں ایسے بھی لوگ کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں کہ وہ کسی بھی حیوان کا گوشت کھانا پاپ سمجھتے ہیں تو آخر ایک نہ ایک رہنما ہونا چاہئے کہ ان میں جو نقطۂ اعتدال ہے وہ دنیا کو بتائے اور سکھائے اور ہر دو فریق کو ان کی غلط راہ روی

پر آگاہ کرے۔

(۲) سب بالغ مرد اور عورتیں اپنی فطرت و پیدائش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے جنسی تعلق پر مجبور ہیں، اب ان ہر دو کے سامنے ان کی زندگیوں میں یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ وہ کن کن عورتوں سے یا عورتیں کن کن مردوں سے استفادہ کر سکتے اور تعلق قائم رکھ سکتے ہیں، یعنی انسان کو یہ تمیز بلکہ قدرت ہی نہیں ہے کہ وہ از خود یہ جان لے کہ وہ کن کن رشتوں سے نکاح اور شادی کر سکتا ہے، دونوں اصناف کو پیدا کرنے والا خالق ہی صرف اس بارہ میں جو مرکز اعتدال ہے اُس کا انکشاف کر سکتا ہے، اس باب میں بھی ساری دنیا جس دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، اس کا آپ ایک سرسری اندازہ لگائیں کہ کسی قوم و مذہب کے ماننے والے اپنی بیٹی، حقیقی بہن، اور سگی بھانجی کو بیوی بنا لیتے ہیں تو کہیں بہن بلالحاظ رشتہ قریب و بعید بالکل حرام کر لی گئی ہے، تو کسی جگہ ایک عورت خاندان کے سب حقیقی بھائیوں کے واسطے کافی سمجھی جاتی ہے، اس دنیا میں اب بھی ایسے ملک اور انسان موجود ہیں، جہاں ایک عورت بوقت واحد کئی شوہر رکھنے کی مذہباً مجاز ہے، اس سے کیا آپ کو یہ عبرت و سبق نہیں ملتا کہ انسان نقطۂ اعتدال حاصل کرنے سے کتنا سخت عاجز ہے۔

(۳) ہمارے مہذب انسان کپڑوں کے استعمال کے عادی ہیں اور جسم کے بعض حصوں کو ڈھانکتے اور بعض کو کھلا رکھتے ہیں، اس میں بھی جو مرکز اعتدال ہے اس سے محروم ہیں، اس کو کوئی تمیز دلانے والا چاہیئے کہ وہ بتائے کہ کون کون حصے ڈھانک رکھنے چاہیئے گو مہذب دنیا میں مادرزاد ننگے پھرنے والوں کی تعداد گھٹ گئی ہے لیکن مفقود نہیں ہوئی بہت سے گسائیں ہزاروں کی تعداد میں بالکل ننگے ہوتے ہیں جنھیں بستیوں میں آنے نہیں دیا جاتا، لیکن ان سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جو صرف کپڑے کی ایک دھجی سامنے لٹکائے آبادیوں میں گھومتے اور ساتھ رہتے بستے ہیں، اور اس وقت تو ذوق عریانیت شباب پر پہنچا ہوا ہے اپنی اپنی مرضی اور مزاج سے انسان دیدنی و نادیدنی ہر حصہ کا کپڑا اتار کر اس کی نمائش میں مشغول ہے، ایک دور ایسا بھی گزر چکا ہے کہ کثرت لباس، شان افتخار تھی، زمین پر کپڑوں کو گھسیٹتے ہوئے لے چلنا امارت کی نشانی سمجھا جاتا تھا عورتوں کے لہنگوں کا گھیر اتنا وسیع ہوتا تھا کہ جس میں آدمی چھپ جائے۔

(۴) اسی طرح انسانوں کو اب بھی بچوں کی مانند نجاست، غلاظت، پاکی، ناپاکی سے آگاہ کرنے والا چاہیئے۔ ایک مذہب ہے کہ جس میں ہر روز غسل کرنا ضروری ہوتا ہے، اور کچھ لوگ ہیں کہ ضرورت سے فارغ ہونے پر نہانے کو واجب جانتے ہیں اور مہذب ممالک میں تو یہ رواج عام ہے کہ نجاست کو صرف کاغذ سے صاف کر لینا ہی کافی سمجھا جاتا ہے پیشاب تو عام دنیا میں نجس تصور ہی نہیں کیا جاتا، بعض انسان تو جانوروں کا پیشاب پینا کارِ ثواب جانتے ہیں، ایک بڑے ملک کی تہذیب میں جانوروں کے فضلہ سے ہر روز گھروں کو لیپنا عبادت تصور کیا جاتا ہے، اسی عقیدہ اور عمل کے فرق سے زمین و آسمان کا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ اس مسلک کے حامل افراد اگرچہ نہایت شاندار، اعلیٰ درجہ کا لباس یا نہایت سفید و شفاف کپڑے بظاہر پہنے نظر آئیں، لیکن ان کا جسم، ان کے اعضاء، خود لباس اور ان کے ہاتھ نجاستوں میں لت پت ہوں گے، کیونکہ از روئے عقیدہ جب ان کے نزدیک یہ ناپاکی میں داخل ہی نہیں تو اس سے بچنے، احتیاط کرنے اور اس سے پاک ہونے کا کیا سوال۔

(۵) خدا کی عبادت کرنے والوں کی دنیا میں اب بھی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ ان میں کروڑوں افراد ایسے ہیں جو ہفتہ میں ایک بار عبادت کو کافی سمجھتے ہیں تو ایسے مذاہب بھی ہیں جو عبادتاً ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے اور اپنے وجود کو سخت ریاضتوں اور مشقتوں میں مبتلا کر کے فنا کر دینا ہی عبادتِ اعلیٰ جانتے ہیں، ایسی حالت میں یہ معلوم ہونا ضروری ہو جاتا ہے کہ آخر ان سب کا معبود، انسانوں کے لئے کتنی عبادت کو پسند فرماتا، اور ان کی اس دنیاوی زندگی و حالات کے لحاظ سے اس کی کتنی مقدار کا حکم صادر فرماتا ہے تاکہ تمام بشر اس کی تکمیل و تعمیل سے قاصر نہ رہنے پائیں۔

پس آپ اگر اس طرح انسانی زندگی کے ایک ایک امر پر خود مزید غور و فکر فرمائیں گے تو ایسی بے شمار اور ہزاروں مثالیں سامنے آئیں گی اور پھر شریعت حقّہ کا اعجاز ظاہر ہوگا اور خدائے تعالےٰ کا انعام اور تکمیلِ دین کا راز منکشف ہونے لگے گا۔

معجزۂ قرآن کا جواب دینے یا اس کے توڑنے میں دنیا کی بے بسی

یہ کتاب کیا ہے ہم نے اوپر اس کی تفصیلات بتا کر سمجھانے کی کوشش کی ہے اس کے بارہ میں ایک آخری بات یہ سُن لیجئے کہ اس نے بشدّت تمام جملہ انسانوں اور

جنوں کو دعوتِ مقابلہ دی ہے اور اپنے دعوے کو اتنا آسان بھی کر دیا ہے کہ پوری کتاب نہ سہی کم از کم اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورۃ کا جواب دے دیا جائے تو اسلام و غیر اسلام کا جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے گا۔

غیر مسلم دنیا کے لئے یہ بے حد سہل اور سادہ دعویٰ تھا کہ اس کو پورا کر کے بہ آسانی اسلام کو مٹا دیا جا سکتا تھا اور اہل مکہ تو زبان و ادب پر اپنے حیرت انگیز ملکہ کے باوجود (جو اس وقت ان میں درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا جو بعد میں پھر پیدا نہ ہو سکا) اس کے جواب کی قدرت نہ پا سکے، جب ان سے یہ نہ بن پڑا تو مجبور ہو کر اسلام کو مٹانے کی خاطر شدید لڑائیاں کیں، خوں بہایا، اولاد، اہل قرابت اور اپنی جانوں کو بھینٹ چڑھا دیا، برادریاں، رشتے، ناطے توڑے، ملک کا امن و سکون درہم برہم کر ڈالا، نہ صرف چند روز بلکہ برسوں ایسے مصائب میں گزار لے، ان سب باتوں کے عوض ان کے لئے کتنا آسان تھا کہ قرآن کا جواب دے کر اسلام کی آواز کو ختم کر دیا جاتا۔ سوچئے کہ آخر کیوں ایسا نہ ہو سکا؟

دنیا سمجھتی ہو گی کہ وہ پرانا دور تھا، تاریکی و جہالت تھی اور عرب قوم کچھ پڑھی لکھی نہ تھی، مگر اب تو فنون و حکمت و سائنس کا اور جوہری و خلائی دور ہے، پھر تمام دنیا کی موجودہ انتہائی علمی ترقی اور اس کا صدیوں کا پرانا ذخیرہ اور مختلف ممالک کے علوم و ادب سے باہمی واقفیت، تراجم کی کثرت، ذہنی وسعت، مختلف اسلوب بیان کی تخلیق پر قدرت اور فصاحت و بلاغت، صرف و نحو کی قدروں سے بدرجہ کمال آگاہی کا بھی عہد ہے اور اب بھی عربی مادری زبان رکھنے والے لاکھوں یہودی و عیسائی موجود ہیں، اور قرآن کا یہ چیلنج قیامت تک کے لئے بلا لحاظ اقوام و ملل اور مذاہب و وطن ہے مذہب سے بیزار اور اس کے نہ ماننے والے لوگوں اور اسلام کے جملہ مخالفین کو عربی میں اس کے جواب کی یہ آسان کوشش کر کے دیکھنی چاہیئے تاکہ اس سہل تدبیر سے کرۂ ارض کی ایک سب سے بڑی قوم نیستی کے خلاء میں ڈھکیل دی جا سکے۔

---

(۵) بعد آنے والوں کے لئے معجزوں کے تسلیم و تصدیق کا کیا ذریعہ ہے؟

مباحث معجزہ کے اختتام پر ہمارے پیش نظر صرف ایک ہی جزو باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ یہ بتا دیا جائے کہ بعد کی آنے والی نسلوں کے لئے معجزات کو تسلیم کرنے کا کیا ذریعہ ہوگا؟

آپ جانتے ہیں کہ معجزات بھی واقعات ہیں اور دنیا میں ہر طرح کے واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے اور جاری رہے گا۔ ہم کو ان کا علم دو طرح پر حاصل ہوتا ہے یا تو خود ہم اپنی آنکھوں سے اِس واقعہ کے دیکھنے والے ہوں گے، تب تو ہم کو اس کا کسی اور سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی لیکن جب ہم کو مشاہدہ کا موقع نہ ملے تو ایسی صورت میں ہم دیکھنے والوں سے معلوم کرنے پر مجبور ہوں گے، ان دو صورتوں کے سِوا کسی واقعہ کے علم کی کوئی اور شکل نہیں۔

واقعات کی اہمیت اور عظمت کے مدنظر دیکھنے والوں کی فطرت میں یہ بات خدا نے داخل رکھی ہے کہ وہ اپنی اولاد، بچوں اور آنے والی نسلوں تک اس واقعہ کو پہنچاتے رہیں، پہلے تو سینہ بہ سینہ اس کا علم چلا، جب لوگوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تو انھوں نے اس کو لکھ کر محفوظ کرنا شروع کر دیا، اسی کا نام تاریخ ہوا، لہٰذا تاریخ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ہم اُس عہد ماضی کے واقعات کو جس میں ہمارا نام و نشان تک نہ تھا دیکھنے اور پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور اس سے بے شمار فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور اسی کے ذریعے ہم اپنے اسلاف اپنے ملک اور اپنے مذہب سے وابستہ چلے آتے ہیں، اور اسی سے روشنی و بصیرت حاصل کر کے اپنی زندگی میں قدم رکھتے اور آگے بڑھتے ہیں، جیسے جیسے علم میں ترقی ہوتی گئی تاریخ نویسی کا فن بھی بڑھتا اور وسیع ہوتا گیا جس میں آج تک بھی برابر ترقی جاری ہے اور ہر ملک و قوم کو فطرتاً اپنی تاریخ پر فخر ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اسے اپنے سینہ سے لگائے رہتی ہے۔

زمانہ اتنا ترقی کر چکا ہے اور علم کی وجہ سے عقلیں اتنی روشن ہو چکی ہیں کہ اب

تاریخ کی ہر روایت آسانی سے قبول نہیں کی جاتی۔ اس کو مختلف طریقوں سے پرکھا جاتا ہے یعنی ہر زاویۂ نظر سے اس کی تنقید کر کے واقعہ کی صحت کا پتہ چلایا جاتا ہے مثلاً پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا مؤرخ نے اپنے چشم دید واقعات بیان کیے ہیں؟ کیا وہ خود ان میں شریک بھی تھا اس کا علم اور عقل کیسی ہے۔ اچھے کردار کا حامل، راست گفتار، اور درست حافظہ کا مالک ہے یا نہیں؟ یہ سب خوبیاں تو اس میں موجود ہیں لیکن واقعہ کا عینی شاہد نہیں ہے، تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا اس عہد کے اصل لوگوں سے مل کر ان سے زیر بحث واقعات معلوم کر کے لکھے ہیں، اور اصل لوگ بھی ایسے ہی گزرے ہیں کہ ان پر ان کے ہم عصروں کو اعتماد تھا، اور ایسے ہی صفات کے حامل تھے جیسا کہ یہ مؤرخ ہے تو پھر واقعہ یا واقعات کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ جیسا جیسا زمانہ بڑھتا گیا، اصل افراد کا بیان اتنے ہی واسطوں سے پہنچا۔ اسی لئے درمیانی راویوں کے بھی اخلاق سچائی، حافظہ وغیرہ کی جانچ کے بعد واقعہ کی صداقت کو تسلیم کرنے کا دستور ہے، مذکورہ اصولوں کے مطابق جو مواد ہم تک پہنچے وہ اتنا ہی معتبر اور اس میں جس درجہ کی کمی وضعف پایا جائے تو اس کا پایۂ اعتبار بھی اتنا ہی کمتر قرار دیا جاتا ہے۔

دنیا میں بہت سا تحریری مواد موجود ہے لیکن جب مذکورہ معیار پر نہ اترے تو وہ قبول نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ ہم تک علاؤالدین کے طلسمی چراغ کا قصہ بھی پہنچا ہے اور ہندوستان کی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے واقعات بھی، لیکن ہم اول الذکر پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔ اسی راستہ پر چل کر ہم دیکھیں گے کہ معجزوں کے واقعات کے ایسے کون سے ماخذ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں وہ صرف دو ہی ہیں ایک قرآن، دوسرے حدیث

پہلا ذریعہ قرآن :- قرآن کو اگر کوئی آسمانی کتاب نہ سمجھے تو کم از کم ساری دنیا کو بالاتفاق اس کا اعتراف ہے کہ یہ کتاب چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلامؐ نے جیسی دی تھی بعینہٖ اپنی اسی اصلی حالت میں برابر قائم اور چلی آرہی ہے جس میں زیر زبر کا تک فرق نہیں پڑ سکا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مکہ کا جو نسخہ ہے وہ یوں ہے، شام کا ایسا ہے، مصر میں جو پایا جاتا ہے وہ الگ ہے، اور ہندوستان میں جو موجود ہے اس میں یہ یہ اختلافات ہیں۔ لہٰذا قرآن کے بے مثال خصوصی ریکارڈ پر سارے جہان کی صداقت کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ چناں چہ حال میں بھی ایک بہت بڑا اور عظیم واقعہ اس سلسلہ میں

رونما ہو چکا ہے، جس کی تفصیل ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے الفاظ میں سنیئے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن میں اختلافات کا پتہ چلانے کے لئے جرمنی کی کوشش

دوسری جنگِ عظیم سے پہلے جرمنی کی میونک یونی ورسٹی نے ایک ادارہ قرآن قائم کیا تھا، تین فسلوں تک اسے پادری چلاتے رہے، دنیا کے ہر حصے سے قرآن کے قلمی نسخوں کے فوٹو کر جمع کئے گئے اور ان کا ایک ایک لفظ پڑھ کر فرق نوٹ کیا گیا۔ منشا اور غرض یہ تھے کہ قرآن میں بھی اسی طرح کے اختلافات ثابت کئے جائیں، جس طرح انجیل کے نسخوں میں ہیں (انجیل کے قدیم مخطوطوں میں باہم ۲۵ ہزار اختلافات ہیں۔ اب بحرِ مردار اور مصر وغیرہ میں تازہ دستیاب شدہ انجیل کے ٹکڑوں کے باعث یہ اختلافات کتنے ہو گئے ہیں مجھے معلوم نہیں) میونک یونیورسٹی کے کو کنندن وکاہ برآوردن سے خود اسکے ڈائرکٹر کے الفاظ میں یہ ثابت ہوا کہ (انہیں ایسا مواد دستیاب نہ ہو سکا جسے) مروجہ قرآن سے مختلف چیز قرار دیا جا سکے بلکہ صرف یہ کہ کسی میں ایک جگہ کوئی غلط لفظ لکھا گیا ہے تو دوسرے میں دوسری جگہ، دوسری جنگ عظیم میں اس ادارہ پر ایک بم گرا اور یہ ادارہ اور کتب خانہ دونوں اس طرح اڑے کہ ان کی ایک دھجی بھی باقی نہیں رہی۔ بہرحال یہ سب اس وقت ہوا جب کہ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قرآن کے نسخوں میں کوئی اختلافات نہیں ہیں۔[۱]

تصدیق معجزات کے دوسرے ذریعہ یعنی علم الحدیث کا ایک مختصر تعارف

تصدیقِ معجزات کا دوسرا ذریعہ جو حدیث کہلاتا ہے وہ بھی اسی پیمانہ پر موجود ہے جس اصولِ تنقید و تحقیق اور معیار صداقت پر آج کی دنیا بھی دیکھنا چاہتی ہے اور اس زمین پر کوئی قوم اور ملک ایسا ہے ہی نہیں جو اس طرح کا اپنے پاس ریکارڈ رکھتا ہو، یا یوں سمجھئے کہ قانون شہادت کو جو بین الاقوام مرتبہ حاصل ہے اور عدالتوں میں جس طرح شہادت پر جرح اور جانچ کی جایا کرتی ہے احادیثِ صحیحہ

---

[۱] مضمون تذکار قرآنی از ڈاکٹر حمید اللہ مطبوعہ رہنمائے دکن قرآن نمبر ۱۳۸۷ھ ص ۲

وہی معیار لئے آپ کے سامنے پیش ہوں گی، اسلامی تنقید کی سخت تر کسوٹی کے باعث علمائے حدیث نے تو یہ فیصلہ دیا ہے کہ جو حدیثیں ضعیف قرار دی گئی ہیں، وہ بھی اتنی بلند ہیں کہ دنیا کی صحیح سے صحیح خبروں اور تاریخ سے زیادہ کہیں قابل اعتبار ہیں، کیوں کہ ان میں یہ اہتمام ہی نہیں۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے حافظ ابن حجر کی کتاب صحابہ کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری، اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح واقعات کی جانچ اور ان کی صحت معلوم کرنے کی خاطر اَسْمَاءُ الرِّجَال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال ہمیں معلوم ہو سکتا ہے۔

اپنے رسولؐ کے فرمان سے احادیث کے یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچا دینے کے مسلمان سختی سے پابند تھے بلغوا عنی فلیبلغ الشاهد الغائب (جو مجھے دیکھ اور سن رہے ہیں وہ ان کو مطلع کر دیں، جو اس سے محروم ہیں) یہ کام خدا اور رسول کی خوشنودی کا باعث تھا اور ایک ایسی دینی خدمت تھی جس کی زندگی میں ہر وقت شدید ضرورت دائی رہتی تھی اور جس میں مسلمانوں کی نجات اور بھلائی کے سوا حدیث کی خدمت اپنے شرف و فضل کے باعث انفرادی حیثیت میں بھی دینی و دنیاوی عزت کا موجب بنی ہوئی تھی، اس لئے ہزاروں صحابہ اپنی اپنی اولاد، عزیزوں دوستوں اور ملنے والوں کو سنانے اور بتانے میں مشغول و معروف رہتے تھے، اس طرح یہ سلسلۂ روایت ایک طرف سینہ بہ سینہ چل پڑا، تو دوسری طرف عہد نبوی سے ہی احادیث کو قید تحریر میں لانے کا کام بھی شروع ہو گیا تھا، چنانچہ زمانہ رسالت کے تحریری سرمایۂ حدیث میں جس کی سب سے زیادہ شہرت ہے وہ مجموعہ صادقہ کہلاتا ہے (ابن سعد جلد دوم) جسے عبداللہ بن عمرو بن عاص نے مرتب کیا تھا (بخاری باب کتابۃ العلم) لیکن یہ دوسرا طریقہ ابتدائے اسلام میں زیادہ مقبول نہ ہو سکا کیوں کہ حدیثوں کو زبانی یاد رکھنا زیادہ محفوظ اور زیادہ معزز و پسندیدہ طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ حدیث کا زبانی یاد نہ رکھنا اور لکھا ہوا سنانا عیب میں داخل تھا جیسا کہ آج بھی ہمارے یہاں لکھی ہوئی تقریر پڑھنا ایک عیب ہی میں داخل ہے۔ نفس مضمون حدیث کو یاد رکھنے سے زیادہ اہم، جملہ راویوں کے نام اور اس کے سلسلہ کا حفظ و از بر رہنا محدث بننے کے لئے ضروری تھا۔

جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور وہ دوسرے حصوں میں پھیل گئے اور نئی نسل صحابہ اور تابعین جیسے قوی حافظہ والی، طاقتور اور جفاکش نہ رہی تو پھر مسلمان احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کی طرف متوجہ و مجبور ہوئے، حدیثوں کو بیان کرنے والے راوی اور اس کام کو جمع کرنے والے محدثین کہلائے اور یہ اہتمام کیا گیا کہ تمام راویوں کے نام ان کے شیوخ و تلامذہ ان کے حالاتِ زندگی، ان کا حافظہ، راست گفتاری اور اخلاق و عادات کو جانچا گیا، صرف اسی موضوع پر کتابیں لکھ کر ان کے حالات محفوظ کئے گئے، جو اسماء الرجال کے نام سے ایک باضابطہ فن ہی بن گیا تاکہ اس کے ذریعے حدیثوں کو جانچنے اور پرکھنے کا کام لیا جاسکے اور اسی پر سے صحت و عدم صحت حدیث کا فیصلہ ہوسکے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم، ثم یفشو الکذب (سب سے اچھا زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہیں، پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہیں، پھر اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا) اسی لئے محدثین کرام نے اس کی اس طرح تعیین و تفصیل کی ہے:-

قرنِ اوّل، بعثتِ رسول کریم سے سنہ ۱۱۰ھ تک (یعنی عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ، سب سے آخری صحابی حضرت انس بن مالک ؓ ہیں، جن کا بصرہ میں سنہ ۹۳ھ میں انتقال ہوا ہے)۔

قرنِ دوم، سنہ ۱۱۱ھ تا سنہ ۱۷۰ھ (عہدِ تابعین)۔

قرنِ سوم، سنہ ۱۷۱ھ تا سنہ ۲۲۰ھ یا سنہ ۲۶۰ھ (عہدِ تبع تابعین)۔

محققین نے خیر القرون عہد کا خاتمہ سنہ ۳۱۰ھ پر قرار دیا ہے۔

حدیث کی مستند اور مشہور چھ کتابوں (صحاح ستہ) کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) صحیح بخاری۔ (امام بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ھ) ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔

(۲) صحیح مسلم۔ (امام مسلم متوفی سنہ ۲۶۱ھ) مسلم بن الحجاج نیشاپوری۔

(۳) جامع ترمذی۔ (امام ترمذی متوفی سنہ ۲۷۹ھ) محمد بن عیسیٰ ترمذی۔

(۴) سنن ابوداؤد۔ (متوفی سنہ ۲۷۵ھ) سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی۔

(۵) نسائیؒ۔ (متوفی سنہ ۳۰۲ھ) ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب۔

(۶) ابن ماجہ۔ (متوفی سنہ ۲۷۳ھ یا سنہ ۲۸۴ھ) محمد بن زید بن ماجہ۔

مذکورہ چھ کتابوں سے قبل حضرت امام مالکؒ کی کتاب مؤطا (سنہ ۱۴۰ھ) میں

تالیف ہوئی، اسی طرح ابو داؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ اور حضرت امام احمد حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی کتابیں بھی ان سے قبل مرتب ہو چکی تھیں۔

موطا کو امام مالک سے (۶۰۰) آدمیوں نے سنا جن میں سلاطینِ وقت، علماء فقہاء ہر طبقہ کے آدمی شریک تھے اور امام بخاری کی جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔[1]

مولانا سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ ہیوم نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب فہم انسانی میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لئے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوئ اول ہیں، ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرزِ روایت و اصولِ حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا موقع نہ ملتا۔"

صحیح معجزات نبویؐ کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدق مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے ان کی عقل، رزانت (سنجیدگی) اور متانت رائے پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، بیچ کے رواۃ وہ محدثینِ عظام ہیں جن کی سچائی، راستی اور حفظ فہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں .... اور صحابہ کا یہ حال تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے، بیچ کے ثقہ اور مستند رواۃ بھی انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔"[2]

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے کہ ہم زرتشت اور کنفوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں، ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے ہی سے ٹکرا جاتے ہیں...... ہم مسیح کی ماں مسیح

---

[1] خطبات مدراس مولانا ندوی صفحہ ۵۸، ۵۹ [2] سیرۃ النبی جلد سوم صفحہ

کی خانگی زندگی کی نسبت کیا جانتے ہیں۔ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھندلا پن اور راز نہیں .... کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک پہنچ سکتی ہے[1]۔"

اس باب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور ہر اس چیز کی اور اس شخص کی بھی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی حضرتؐ کی ذات مبارک سے تھا جس طرح حفاظت کی ہے وہ عالم کے لئے مایۂ حیرت ہے[2]۔"

---

[1] خطبات مدراس ص ۵۷، ۵۸
[2] خطبات مدراس ص ۳۶

باب دوم

چاند کے تازہ مشاہدات و دیگر معلومات
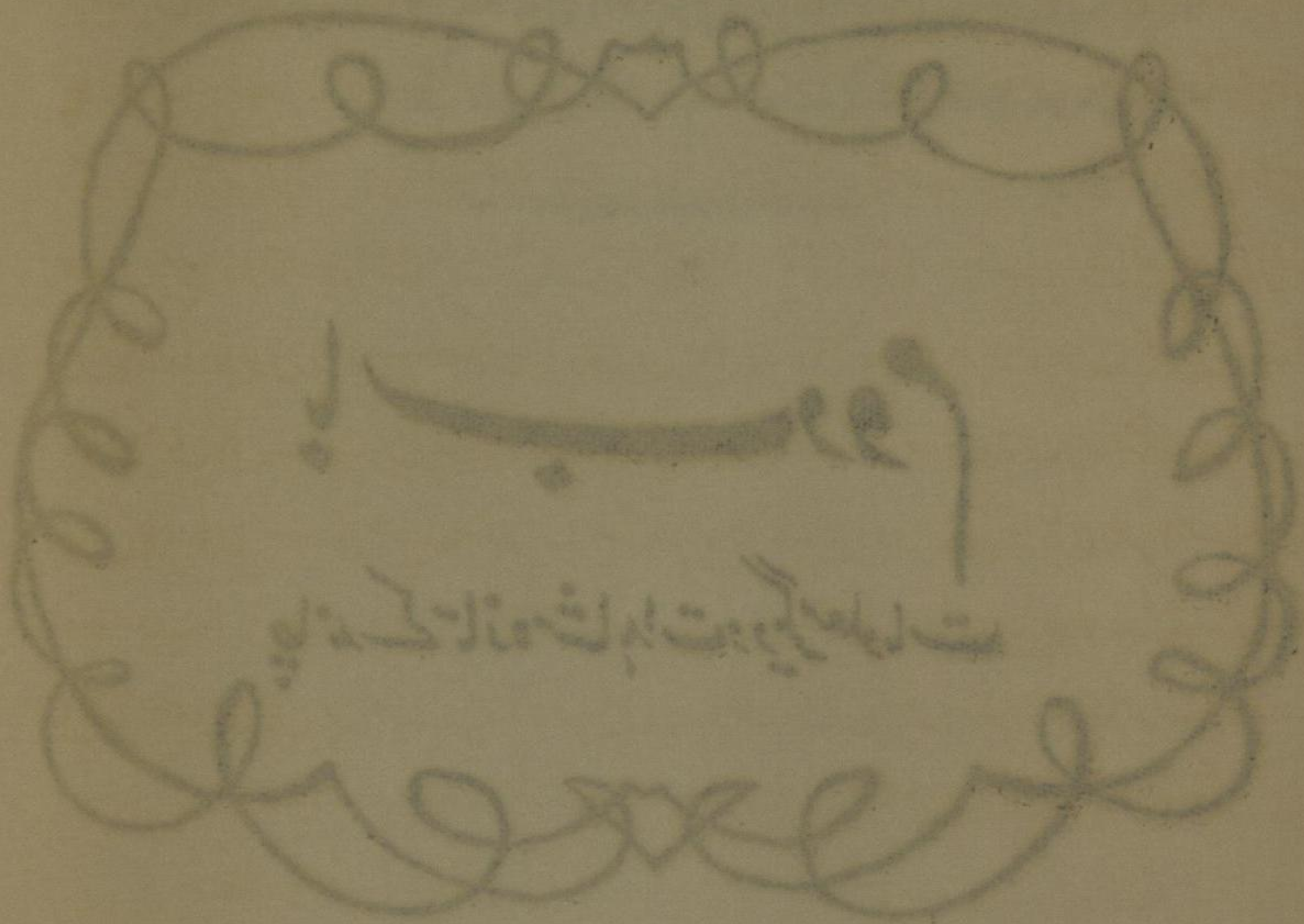
کائنات میں چاند کا بے مثال محل وقوع

اہلِ زمین اپنے شش جہات میں جو وسیع و عریض کائنات و اجرام کا مشاہدہ کرتے ہیں، اس میں ان کے لئے چاند سے زیادہ قریب کوئی کرہ نہیں، سطح زمین سے چاند تک جو فضا و خلا ہے، اس میں کوئی اور جرم پایا نہیں جاتا، پہلے لوگوں کے پاس بھی یہی مسلّم تھا اور اب کئی صدیوں سے طاقتور دُور بینوں کے ذریعے جو مشاہدات جاری ہیں، اور تحقیقات ہو رہی ہیں، زمین اور چاند کے درمیان، نظر انسانی کی گرفت میں آنے والا کوئی اور جسم (کرہ) دکھائی نہیں دیتا، بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ ساری بالائی کائنات جو ہر طرف سے زمین پر، اور ہمارے سروں پر اٹک رہی ہے، اس کا سارا سلسلہ چاند پر آکر ختم ہو جاتا ہے اور جو بھی "قابلِ نظر" اجسام ہیں وہ سب اس کے اوپر ہیں، اسی لئے پسکووسکی روسی ماہر طبعیات نے اپنے ایک مضمون میں جو اخبار پراودا میں چھپا تھا، اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:-

"چاند اپنے بے مثال اور موزوں ترین محل وقوع کی بناء پر سارے نظامِ شمسی کی کنجی ہے[1]۔"

زمین سے چاند کا فاصلہ، قوتِ کشش اور دیگر طبعی حالات

زمین سے اس کا اوسط فاصلہ دو لاکھ اڑتیس ہزار آٹھ سو ستاون (۲،۳۸،۸۵۷) میل بتایا جاتا ہے۔ چوں کہ چاند کی گردش کا دائرہ (مدار ORBIT) بیضوی شکل کا بنتا ہے اور زمین کے مقابلہ میں اس کا محور (AXIS) ترچھا اور ۵ پانچ ڈگری جھکا ہوا ہے، اس لئے قریب ترین فاصلہ دو لاکھ اکیس ہزار چار سو تریسٹھ

---

[1] روزنامہ سیاست حیدر آباد ۱۳۔ فروری ۱۹۶۶ء مد ۳ کالم (۷)

(۲،۲۱،۴۶۳) میل اور بعید ترین دو لاکھ باون ہزار سات سو دس (۲،۵۲،۷۱۰) میل ہوتا ہے[1]۔ اور سورج سے تقریباً نو کروڑ اکتیس لاکھ پینتیس ہزار آٹھ سو چالیس میل (۹،۳۱،۳۵،۸۴۰) دور ہے۔

چاند کا قطر (DIA METER) دو ہزار دو سو میل یا بعضوں نے (۲۱۶۰) میل بتایا ہے، اس کے مواد کی مقدار زمین کے مواد کی مقدار کا $\frac{1}{100}$ حصہ ہے اسی طرح ارضی کثافت وثقل (DENSITY) کے مقابلہ میں $\frac{6}{10}$ حصہ قیاس کی جاتی ہے اور کمیت (MASS) (۱:۸۱) اور پانی کے تناسب سے (۳:۵) ہے اور قوتِ کشش زمین سے چھ گنا کم ہے اور یہ وہ قوت ہے، جو ہر جسم میں اس کے تناسب سے مختلف معیار پر ملتی ہے، اور جدید مسلمات میں اسی کی بدولت سارے اجرام ایک دوسرے سے وابستہ اور نظم و ترتیب کے ساتھ گردش کرتے مانے جاتے ہیں۔

حالیہ زمانہ تک رائج نظریہ کہ چاند زمین سے ٹوٹ کر بنا ہے غلط ثابت ہوا ہے کیونکہ زمین اور چاند کے کیمیاوی اجزا بالکل مختلف ہیں اور موجودہ تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ ہر دو کرتے سولار سسٹم کے وقت انفرادی طور پر تخلیق ہوئے ہیں اور ایک دوسری سائنس داں تو یہ کہتا ہے کہ چاند زمین سے بھی قدیم ہے[2]۔

ہمارا چاند سورج سے چار سو اور زمین سے گیارہ گنا سے زاید چھوٹا ہے، زمین کے سمندروں میں جو مد و جزر کا سلسلہ جاری ہے اسے اسی کی کشش کا نتیجہ مانا جاتا ہے جو سورج سے تگنی ہوتی ہے، یہ سورج کی سات فی صدی روشنی کو منعکس کرتا ہے باقی اسی پر جذب ہو جاتی ہے اور نظام شمسی کے دوسرے سیارچوں کے مقابلہ میں زیادہ تاریک بھی ہے۔ فوٹو میٹر (PHOTO METER) کے ذریعے اس کی روشنی کا درجہ معلوم کیا جاتا ہے سورج اسکے

---

[1] مسلم ہیئت دانوں کا دریافت کردہ فاصلہ :- اجرام سماوی کے فاصلوں کو ناپنے کے سلسلے میں قدماء نے جو کام کیا ہے اس کا عموماً صرف ذکر ہی آیا کرتا ہے لیکن یہاں ہم ایک ایسی کتاب کا دلچسپی کے لئے تذکرہ کرتے ہیں۔ جس میں عمل ریاضی کے ذریعے چاند کے فاصلہ کو حاصل کر کے بتایا گیا ہے اور اپنا مکمل عمل حسابی، اور حل درج کتاب کر دیا ہے، اس مؤلف کی رائے میں چاند کا زمین سے قریب ترین مرکز بیالیس ہزار تین سو فرسخ ہے ملاحظہ ہو رسالہ الکمالیہ قلمی عربی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مولفہ جمشید بن مسعود بن محمود الملقب بہ غیاث تالیف ۸۰۹ھ ہمارے زمانہ کے تین میل ایک فرلانگ کے حساب سے اس کے ایک لاکھ چھبیس ہزار نو سو میل ہوتے ہیں ۔۔ [2] "دی مون" مصنفہ زے ڈی نک کوپل پروفیسر آسٹرانومی مانچسٹر یونیورسٹی مطبوعہ چیپمین اینڈ ہال لندن ۱۹۶۲ء۔

مقابلہ میں چار لاکھ پینسٹھ ہزار گنا زیادہ روشن ہے۔

چاند کے کرّہ پر سردی اتنی شدید پڑتی ہے کہ درجۂ صفر پر جہاں پانی جم جاتا ہے اس سے کوئی دوسو درجے نیچے گمان کی جاتی ہے اس کی سطح ایک قسم کی گرد (راکھ) سے ڈھکی ہوئی ہے جو اس کے حق میں ایک بہترین قسم کے غلاف کا کام دیتی ہے اور جس سے اس کی اندرونی سطح کا درجۂ حرارت صفر سے چالیس ڈگری نیچے مستقل طور پر قائم رہتا ہے، اسی گرد میں چاند کی دوسری چیزوں کے مقابلہ میں انعکاسِ نور کی زیادہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔

چاند میں اگر اٹماسفیر[1] (ATMOSPHERE) ہو تو زمین کے مقابلہ میں دس ہزارویں حصے سے کر دس لاکھویں حصہ تک ہی ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے اس میں نہ بو باس سونگھی جا سکتی ہے اور نہ ہی آواز کے سنائی دینے کا امکان ہے گویا کہ اس میں ہوا نام کو نہیں ہے، نمی، کہر، بادل یا آتش فشانی کیفیات میں سے بھی کوئی نہیں پائی جاتی جو اس کرہ کی سطح کو متغیر و متبدل کر سکتی، چاند کے ایسے طبعی حالات دیکھ کر یہ یقین اور تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ کرّہ اپنی تخلیق کے وقت سے جس حال میں رکھا گیا ہے اب تک بھی ویسا ہی باقی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ ہیئت دانوں کی کثیر تعداد مذکورہ وجوہ کی بناء پر اس خیال کی حامل ہے کہ چاند پر حیات کا وجود نہیں ہے، اب تک صرف تین سیاروں کی سطح دیکھی جا سکی ہے اور مابقی چھ کی ناقابل معائنہ ہے، جس شکل میں حیات کرۂ ارضی پر پائی جاتی ہے ویسی یا اس کے مماثل زندگی کا ابھی تک تو مشاہدہ نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس کا امکان نظر آتا ہے سیارۂ زمین کی دنیا ایسی نرالی ہے کہ اس کے مانند کائنات میں کوئی کرہ نہیں ہے۔

ابتداء سے اب تک چاند کے جو دوربینی مشاہدات ہوتے چلے آرہے ہیں اس میں اس کی سطح ہماری زمین جیسی دکھائی دیتی ہے جس میں پہاڑ، میدان، غار، شگاف اور اونچی نیچی جگہیں ہیں، اس کے پہاڑوں کی بلندی اوسطاً ۵ ہزار سے ۱۲ ہزار فٹ تک ہے۔

چاند کی رفتار

قرآنِ حکیم سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ چاند اور سورج کی رفتار میں تعلق و مناسبت خاص رکھی گئی ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:۔

---

[1] یہ لفظ زمین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جس سے مراد ہوا کا وہ گھیرا ہے جو زمین کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے جو تقریباً دو سو میل بلند ہے اور جس میں مختلف طبقات پائے جاتے ہیں۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝۲

پ ۳۰ — سورہ شمس

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کے چڑھنے کی اور چاند کی، جب سورج کے پیچھے آئے۔

قدیم اہل ہیئت چاند کو تیز رفتار (سریع السیر) مانتے تھے مگر آج کل اس کا شمار سست رفتاروں میں ہے، مغرب کی طرف سے مشرق کی جانب چلتا ہے، اور ۳۸ میل فی منٹ کی رفتار سے اپنے مدار (ORBIT) پر جس نقطہ سے رواں ہوا تھا زمین کے اطراف روزانہ گردش کرتے ہوئے ۲۷ دن، ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ ۱۲ سکنڈ کے عرصہ میں پھر واپس پہنچتا ہے، چوں کہ اس مدت میں آفتاب اس سے کچھ آگے بڑھ جاتا ہے تو اس فاصلہ کی تکمیل کرنے میں اسے مزید دو دن لگ جاتے ہیں اسی سبب سے وہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں کہیں دکھائی نہیں دیتا اور قمری مہینہ (۲۹ ۱/۲) دن یا ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ ۲ سکنڈ کا ہو جاتا ہے۔ کبھی ۲۹ اور کبھی ۳۰ تاریخ کو غرّہ (یعنی چاند رات) کے واقع ہونے کی یہی وجہ ہوا کرتی ہے۔

چاند خود اپنے محور (AXIS) پر بھی تقریباً اسی رفتار سے گھوم رہا ہے، جس رفتار سے زمین کے گرد گھومتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین والوں کو ہمیشہ اس کا ایک ہی رُخ نظر آتا ہے، چاند کا ایک دن ہمارے (۲۸) دنوں کے برابر ہوتا ہے۔ جب پہلی تاریخ کا چاند نظر آئے تو یہ سمجھئے کہ ہمارے لحاظ سے اب اس کرہ پر دن طلوع ہونا شروع ہو چکا ہے اور جب اس کی چودھویں شب ہوتی ہے تو گویا اس کا دن "نصف النہار" پر پہنچ جاتا ہے، اس کے بعد ڈھلنے لگتا اور مائل بہ زوال ہوتا جاتا ہے، اور ہوتے ہوتے ۲۸ تاریخ تک اس پر سے سورج کی روشنی بالکل غائب ہو جاتی ہے۔

چوں کہ اہل زمین کو موسموں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو ان کی زندگی پر اثر انداز رہتے ہیں، اور موسم سورج کی بدولت وقوع پذیر ہوتے ہیں، یا موجودہ نظریہ کے مطابق، زمین کے سورج کے اطراف مداری گردش کا نتیجہ ہیں، جو ۱۲ مہینے یا (۳۶۵) دنوں میں تکمیل پاتی ہے اور چاند کے بارہ

مہینے (۳۵۵)[1] دن کے ہوتے ہیں، اس لئے شمسی و قمری سال میں تقریباً (۱۰) یوم کا فرق پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث قمری شہور، موسموں کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جن قوموں اور اہلِ مذاہب نے چاند کے مہینوں پر اپنے ماہ و سال کا حساب رکھا ہے، وہ موسموں کی مطابقت کی خاطر ہر تین قمری سالوں پر فی سال ۱۰ یوم کے لحاظ سے ۳۰ یوم کی مدت (یعنی ایک مہینہ) کا اضافہ کر کے شمسی سال سے مطابقت پیدا کیا کرتے ہیں، چنانچہ اہلِ ہند میں بھی یہ رواج اب تک

---

[1] کہا جاتا ہے کسی پادری نے عہدِ شاہ جہانی میں بحث و مباحثہ کے دوران یہ مطالبہ کیا تھا کہ اُسے قرآن ہی سے ثبوت دیا جائے کہ قمری سال کتنے دنوں کا ہوتا ہے تو اس پر جواب میں کسی نے بتایا "والقمر قدرنٰہ منازل" کی آیت ہی میں اس کا ثبوت موجود ہے چنانچہ ضمیر کی ہ متروک کر کے اعداد جوڑیں تو تعدادِ ایام برآمد ہو جاتی ہے۔

حرف	عدد
ق	۱۰۰
د	۴
ر	۲۰۰
ن	۵۰
ا	۱
جملہ	۳۵۵

اس فن کے ماہرین (اہلِ جُمّل) میں سے بعض کے نزدیک کھڑے الف کا ایک عدد شمار کیا جاتا ہے اور بعض شمار نہیں کرتے۔ بہرحال یہ دونوں طریقے اس فن میں مسلمہ اور رائج ہیں، اسی طرح قمری سال کبھی (۳۵۴) کا اور کبھی (۳۵۵) دن کا ہوتا ہے۔ "دورِ قمر" سے آپ واقف ہونگے اور حافظ شیرازیؒ کا یہ مشہور مصرعہ بھی آپ نے سنا ہو گا ع این چہ شوریست کہ در دورِ قمری بینم

قدیم اہلِ ہیئت نے قمری سالوں کو دو دوروں (دورِ صغیر[1] و دورِ کبیر[2]) میں تقسیم کر کے اس کا ایک متعین ضابطہ مرتب اور بیان کیا ہے۔

"دورِ صغیر" ۳۰ سال کا ہوتا ہے اس کے (۱۹) برس تو ۳۵۴ دن کے ہوتے ہیں اور مابقی (۱۱) سال (۳۵۵) دن کے۔ اس طرح اِس دَور کے کل ایام (۱۰۶۳۱) ہوتے ہیں۔

سات دورِ صغیر کا ایک "دورِ کبیر" ہوتا ہے جس کے (۲۱۰) سال یا (۷۴۴۱۷) دن ہوتے ہیں۔ ہر دورِ صغیر اپنے ماقبل دور سے یہ مماثلت رکھتا ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ ۲۹، ۲۹ یا ۳۰، ۳۰ دن کے مہینے آئے تھے، اس سے متصل دور میں بھی وہ سب قمری مہینے اسی ترتیب سے آتے ہیں اور پچھلے دورِ صغیر کے تمام سال اور مہینے اپنے سے پہلے دَور کے برسوں اور مہینوں سے بالترتیب (۵) دن بعد شروع ہوا کرتے ہیں۔

اور دورِ کبیر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے سے پہلے دور کے برسوں اور مہینوں کے مطابق ہوتا ہے، یعنی برسوں اور مہینوں کے شروع ہونے کے دن اور ان کے دنوں کی تعداد بالترتیب بالکل وہی ہوتی ہے جو اس سے ماسبق دور میں تھی۔

سنہ ہجری کا پہلا دورِ کبیر ۲۱۰ھ پر ختم ہوا اس میں سے دس سال عہدِ نبوت کی مدنی زندگی کے شامل ہیں، باقی دو سو سال وہ ہیں جو حدیث الآیات بعد المأتین کے ہیں (رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۳۴۴)[1][2]

جدید معلومات کیلئے کتاب "دی نیو ورلڈ لائبریری" جلد ۵ جزو ۱ عنوان "دی موِن" ص ۲۹۶ مطبوعہ ۱۹۶۵ء (انگلینڈ) ملاحظہ فرمائیے۔

جاری ہے اور ایسا مہینہ لوند کا مہینہ کہلاتا ہے۔ اسلام سے پہلے جاہلیت عرب میں بھی حج یا تبرک مہینوں کو جنگ کرنے کی غرض سے آگے پیچھے کرنے کی ایک رسم جاری تھی، اور سال کے بارہ مہینوں کی تعداد میں بھی کمی بیشی کی جاتی تھی، جسے نسئی کہا جاتا تھا لیکن وحی الٰہی نے اس عمل کو ہمیشہ کے لئے ممنوع قرار دیدیا۔ (اِنَّمَا النَّسِیْءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ پ۱۰۔ سورۂ توبہ۔ رکوع ۵۔ آیت ۳۷)

روشن کیلنڈر چاند پہلی شب سے چودھویں شب تک بظاہر ہمیں نیچے سے اوپر کی جانب روشن ہوتا ہوا بدر کامل و مہ کامل بنتا دکھائی دیتا ہے پھر اسکے بعد اوپر سے نیچے کی طرف گھٹنے لگتا ہے، گویا زمین والوں کی نظروں کے سامنے فطرت کی طرف سے ایک روشن کیلنڈر آویزاں ہے، جب آنکھوں کو مشق ہو جاتی ہے تو چاند دیکھ کر آدمی آسانی سے تاریخ بتا سکتا ہے کہ یہ کتنے دن کا چاند ہے، دنیا اس کی بدولت دنوں اور تاریخوں کا حساب غلط کرنے سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے، سورج کے ذریعے ایسا جان لینا ممکن نہ تھا اہل ہند اسی لحاظ سے اب تک مہینے کے دو حصے کرتے ہیں پہلی سے پونم تک اور پھر ۱۳ پر گنتی ختم کر کے نئے سرے سے پہلی تاریخ شروع کر کے اماوس پر لاکر مہینہ پورا کرتے ہیں۔

چاند اپنے محور پر تھر تھراتا اور جھومتا ہوا چلتا معلوم ہوتا ہے، اس کی حرکت کا مشاہدہ اس کو کوئی ایک گھنٹہ تک دیکھنے کے بعد ہو سکتا ہے، سات تاریخ تک چاند کا تقریباً نصف حصہ روشن ہو جاتا ہے۔ چاند زمین کی طرح بذاتہٖ ایک تاریک جسم ہے چاندنی زمین تک سوا سکنڈ میں پہنچ جاتی ہے، چاند جتنا عرضاً دکھائی دیتا ہے، تقریباً اتنا فاصلہ وہ آسمان میں ایک گھنٹہ میں طے کرتا ہے ایک ہیئت دان کہتا ہے کہ آسمان میں چاند کی رفتار پشت اپشت۔ سے انسانوں کی عقل کے لئے ایک زبردست چیالنج ہے۔

غرض اس کی جو شکلیں "ہلال" سے "بدر" تک، اور بدر سے "سلخ" تک بنتی ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ زمین اور چاند کو ایسے مقامات و منازل پر لے آتی ہیں جہاں سے سورج کی وہ روشنی جو چاند پر پڑتی ہے اہل زمین کو تدریجاً گھٹتی اور بڑھتی ہوئی شکلوں میں نظر آتی ہے، ورنہ بدار ترچھا ہونے سے چاند ہمیشہ سورج کے سامنے

رہتا ہے، یعنی سورج کے "پلیٹ فارم" سے دیکھا جائے تو چاند کا پورا کرہ روشن ہوگا۔ لیکن ہم کو زمین کے پلاٹ فارم سے دیکھنے کے سبب اس کی روشنی گھٹتی بڑھتی معلوم ہوتی ہے

اہل عرب "اَلْہِلَال" نئے چاند کو کہا کرتے ہیں، دو یا تین یا سات راتوں تک کا چاند بھی ہلال کہلاتا ہے اور اس کے بعد کی تاریخوں کا قمر اور کسی بھی تاریخ کے تعین کے بغیر عمومی طور پر چاند کے لئے "قمر" ہی کا لفظ بولا جاتا ہے، ہلال کی جمع اَہِلّہ آتی ہے مُحاق چاند کی آخری رات کو یا آخری تین راتوں کو کہا جاتا ہے اہل لغت نے لکھا ہے کہ میم کے پیش اور زبر سے بھی یہ لفظ درست ہے اور صرف آخری دن کو سلخ کہا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی گئی

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے بھی، اس زمانہ میں لوگوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت دریافت کی تھی، اس سوال کا اور اس کے جواب کا ذکر، قرآن حکیم میں آیا ہے:-

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ط

پ۲۔ سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۴۔ آیت ۱۸۹

اَہِلّہ۔ ہلال کی جمع، نئے چاند

مواقیت۔ جمع ہے، اس کا واحد میقات آتا ہے بمعنی وقت، اور وعدہ جو کسی کام کیلئے ٹھہرا لیا گیا ہو جیسے

تجھ سے (لوگ) نئے چاندوں کا حال پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ یہ انسانوں کے لئے (خدا کی طرف سے مقرر کردہ) تاریخ و وقت کی پیمائش کا ذریعہ ہیں اور حج کی تاریخ و وقت کا بھی۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا (پ۹۔ سورۂ اعراف ع ۱۷۔ آیت ۱۴۴) اور جب موسیٰ ہمارے وعدہ پر پہنچے۔

فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖ (پ۹۔ اعراف ع ۱۷۔ آیت ۱۴۳) پس پوری ہوگئی مدت تیرے رب کی

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (پ۱۹۔ سورۂ شعراء۔ ع ۳۔ آیت ۳۹) پھر اکٹھے کئے گئے جادوگر ایک مقررہ دن (وقت) کے وعدہ پر۔

قرآن کا قطعی فیصلہ کہ فریضۂ حج قمری مہینہ کے حساب سے ادا ہوگا

سوال و جواب والی آیت دو قسم کے امور کی صراحت کرتی ہے یعنی ایک مقررہ

نظام کی تکمیل پر ہر ماہ جو نیا چاند نکلتا ہے اس سے ایک غرض تو یہ ہے کہ یہ لوگوں کے واسطے معاملات کے "حساب" کا ذریعہ بنے جیسے ادائے قرض، اجارہ، تکمیلِ عدت ورضاعت وغیرہ اور لفظ "میقات" کے لانے میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف لفظ حج سے عبادات کی طرف اشارہ مقصود دکھائی دیتا ہے نہ صرف حج بلکہ روزہ بھی، اور حج کی تخصیص اس لئے ہے کہ روزہ کی تو قضا بعد میں بھی ہو سکتی ہے لیکن حج کی قضا نہیں اور حج سوائے ایام حج کے دوسرے دنوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں یہ تاکید بھی مضمر ہے کہ ایام جاہلیت میں حج کے مہینوں کو جو آگے پیچھے کر لیا جاتا تھا اس کی ہمیشہ کے لئے روک ہو، اور حج کی تاریخوں کو کلیتۃً قمری مہینوں سے وابستہ کر کے اس کی حد بندی کر دی جائے تاکہ قیامت تک مسلمان اسی اصول کے پابند رہیں اور آیت دحکم میں عدم وضاحت کا سہارا لے کر عہد جاہلیت کی طرح دین کے اس "عظیم رکن" میں گڑبڑ نہ ڈال دیں۔

عیاذاً باللہ کتنا افسوس کا مقام ہے کہ ایسے صریح حکم کے باوجود ہندوستان میں بعض نادان مسلمانوں نے شمسی حساب کی رو سے مکہ کے کسی خوش گوار موسم کا کوئی مہینہ منتخب کر کے حج کی تاریخوں کو مقرر کرنے کی تحریک چھیڑ دی ہے اور دین میں رخنہ ڈالنے میں مشغول ہیں۔[۱]

---

[۱] اس وضاحت کے بعد پھر محسوس ہوا کہ چوں کہ سطحی نظر کے سبب لوگوں میں یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا ہے لہٰذا حاشیہ میں اس امر کو کھول کر بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ فتنہ کا سدِ باب ہو جائے۔ یعنی اگر تحریک کے مطابق کوئی شمسی مہینہ فریضۂ حج کے لئے دوامی طور پر معین کر دیا جائے تو کیا مکہ میں جو موسم ہوتا ہے ساری دنیا میں بھی، باوجود شمسی مہینہ ہونے کے وہی موسم پایا جاتا ہے، یقیناً ایسا نہیں ہے کیوں کہ ساری دنیا میں قطعیت کے ساتھ موسم یکساں نہیں ہیں، اور اس زمانہ میں تو ہوائی جہازوں کے ذریعے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنے والوں کو اس کا بخوبی تجربہ ہوتا رہتا ہے اور یوں بھی دکن وشمالی ہند کے رہنے والے جانتے ہیں کہ جنوب میں جو موسم ہوتا ہے وہ شمال میں اس سے تقریباً ایک ماہ بعد شروع ہوا کرتا ہے اگر اہل دکن گرما میں داخل ہو جاتے ہیں تو دہلی اور شمال کے دیگر مقامات کے لوگ ابھی سردیوں ہی سے گزرتے رہتے ہیں، ساری دنیا میں شمسی ماہ وسال یا عیسوی کیا لنڈڈ تقریباً معیار بنا ہوا ہے

(بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

دوسری جگہ خدائے پاک نے ارشاد فرمایا

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ○
پ ۲۳ ۔ سورہ یٰسین ۔ رکوع ۔ ۳

اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں ٹھہرا رکھی ہیں یہاں تک کہ عود کر کے کھجور کی پرانی ٹہنی کے مانند ہو جاتا ہے ۔

اور سورہ یونس پارہ (۱۱) رکوع ۱ ۔ آیت ۵ میں بھی ایسی ہی وضاحت ہے
و قدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ۔

ان آیتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے عالم کی مصلحت تکوینی اور خود انسان کے غور و فکر اور جستجو کے جذبہ کو باقی رکھنے کی خاطر اس راز کو منکشف کرنا پسند نہیں فرمایا ۔ البتہ چاند کے اس نظم کو مقرر کرنے کی انسانی زندگی کے لحاظ سے جو "غرض خاص" تھی وہ ظاہر فرما دی، اور دوسری آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ چاند زمین کے لحاظ سے ایسے منازل و مراکز سے گزرتا ہے جو اس کی روشنی کے گھٹنے بڑھتے دکھائی دینے کا موجب ہوتے ہیں ۔ اسی لئے وحیٔ الٰہی میں میقات و منازل کے الفاظ آئے ہیں جو اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ چاند کی ذات و وجود میں روشنی کا تغیر نہیں ہوتا بلکہ مقررہ مقامات پر پہنچنے سے اس کے نور میں ازدیاد و انحطاط ہوتا ہے اور اس آیت میں ایسی بے مثال تشبیہ بھی دی گئی ہے کہ شاید دوربینوں سے آخری تاریخوں کے چاند کو دیکھا

(بسلسلہ گزشتہ)
اور اسی پر اعتبار کر کے موسموں اور فصلوں کے جن مہینوں کا جغرافیہ میں تعین کیا گیا ہے ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ زمین کے جنوبی نصف کرہ (جیسے براعظم آسٹریلیا) میں اس کے برعکس موسم پایا جاتا ہے، لہذا ظاہر ہوا کہ ہر ہر ملک باوجود شمسی اور جغرافیہ کا مقررہ و مسلّمہ موسمی مہینہ ہونے کے اپنی الگ موسمی حالت میں مبتلا ہے ۔ اسلام جو روئے زمین کے سارے انسانوں کو اپنے دین کی دعوت دیتا اور اپنے آغوش میں سمیٹتا ہے، اور جو ایک عالمی مذہب ہونے کا دعویدار ہے، اور جو اپنا ہر حکم سارے انسانوں پر یکساں سطح اور مساوات کے ساتھ پیش کرتا ہے کیا وہ دین الٰہی اور آسمانی مذہب حق ثابت ہوتا ۔ اگر وہ حج کے لئے اسی شمسی مہینہ کو اختیار کر لیتا جیسا کہ اس زمانہ کے لوگ اس قسم کی اصلاح کی سوچ رہے ہیں، یا عہد جاہلیت میں قبل اسلام اہل مکہ ایسا ہی کر چکے تھے جس کو ہمیشہ کے لئے ذریعہ وحی منسوخ کر دیا گیا اور جس کی بحث ہم نے اس کتاب میں آگے لکھی ہے چونکہ موسمی مہینے تغیر نہیں پاتے، اگر ایسا ہو جاتا تو سوائے مکہ

(بقیہ بر ظہر ہذا)

جائے تو وہ کاغذوں پر کھینچے جانے والی خوبصورت شکلوں کی بجائے بالکل کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح جگہ جگہ سے دندانے دار کٹی کٹی دکھائی دے۔

چاند گہن

یہ ایک عیاں حقیقت ہے کہ کسی بھی روشنی یا سورج کی روشنی کے سامنے جب کوئی ٹھوس اور مادی جسم ہوگا تو ضرور طبعاً اُس کا سایہ بھی پڑے گا خود سطح زمین پر اس کا ہم رات دن بکثرت وبے شمار مشاہدہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ چاند کے جو بکثرت تازہ فوٹو لئے گئے ہیں، اس کی سطح پر جو پہاڑ اور اونچائیاں ہیں، فوٹو میں ان کے سایہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ کامل کرۂ زمین کا سایہ بھی اس کے پیچھے ضرور خروج کرتا ہوگا۔ اسی لئے ہمیشہ اہل ہیئت زمین کے سایہ کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں اور جغرافیہ کے مضمون میں بھی اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اہل فن کہتے ہیں یہ سایہ چاند کے روشن حصّہ کے پسِ پشت مخروطی شکل میں دور تک فضا میں پھیلا ہوا رہتا ہے لیکن کسی روک اور حائل کے نہ ہونے سے دکھائی نہیں دیتا لیکن جب چاند گردش کرتے ہوئے کبھی اس سایہ میں داخل ہو جاتا ہے اور روک بنتا ہے تو اس کی سطح پر فوراً اس کی نمود ہو جاتی ہے، اسی سایہ کو ہم لوگ چاند گہن سے موسوم کرتے ہیں، اگر چاند سایہ میں پورا داخل ہو جائے تو کامل گہن لگتا ہے ورنہ جزوی۔

(بسلسلہ گذشتہ)

اور اسکے قرب وجوار کے ملکوں کے ساری دنیا کے مسلمان قیامت تک باوجود فرض عام ہونے کے سفر حج کے لئے نکلنے ہی میں گوناگوں مسائل ومشکلات میں ہر سال مبتلا ہوتے رہتے بعض ممالک کو تو شدید برف باری سے دوچار ہونا پڑتا تو بعضوں کے لئے ان کا سمندر ہی ہمیشہ یخ بستہ ملتا کہ جسکے سبب فریضۂ حج ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے حق میں مسدود ہو جاتا۔ اب ذرا قمری مہینہ کے تعین کی خوبی دیکھئے کہ یہ مہینہ آہستہ آہستہ سارے شمسی مہینوں میں دورہ کرتا رہتا ہے اور ہر ملک اور ہر شخص اپنے مقامی خصوصی حالات کا اعتبار کر کے فریضۂ حج کسی وقت ادا کر سکتا ہے اور اسکو ہر طرح سے اختیار وآزادی اور انتخاب کا موقع حاصل ہے اور دنیا میں ایک متنفس بھی شکایت نہیں کر سکتا کہ دین نے اسکے ماحول واستطاعت سے بڑھکر اس پر ناگوار جبر کیا اور ہلاکت مسلط کر دی، حالانکہ اس نے اعلان کیا تھا کہ ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا اور الدین یسر۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزوں پر غور کیجئے کہ ہم

(بقیہ بر ظہر ہذا)

دنیا کے ان حصوں میں جہاں رات ہوتی اور گہن لگتا ہے، بلا تفاوت سب جگہ یکساں
مقدار میں نظر آتا ہے، لیکن سورج کے گہن کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ ہر حصّہ کے لئے کہیں
کم اور کہیں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ چونکہ چاند کے مدار کی سطح زمین کے مدار سے ترچھی واقع
ہوئی ہے، اس لئے سال بھر میں کسوف وخسوف کی تعداد کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ
سات تک ہوسکتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ دونوں کی تعداد مساوی ہو، اور چاند سال
بھر میں زمین کے مدار کو دو مرتبہ قطع کرتا ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ چاند گہن کی صورت
میں زمین کا سایہ چاند پر (۵۷۰۰) میل رقبہ پر پڑتا ہے اور کامل گہن ایک گھنٹہ چالیس
منٹ تک بھی برقرار رہ سکتا ہے۔

گہن کے سلسلہ میں ایک حدیث کی صداقت کا انکشاف

چاند گہن کے سلسلہ میں دنیا کے مذاہب میں عجیب وغریب واقعات بیان کئے
گئے ہیں، مذہب سے ہٹ کر بھی اہل جہاں کچھ نہ کچھ خاص قسم کے خیالات ضرور رکھتے
تھے جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم
(جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے) ۲۹۔ شوال سنہ ۱۰ھ (مطابق ۲۷/۳۰ جنوری سنہ ۶۳۲ء

(بسلسلہ گزشتہ)
کبھی بارش میں روزے رکھتے ہیں تو کبھی سرما میں تو کسی وقت گرمیوں میں، اسکے لئے بھی کوئی موسمی مہینہ منتخب
ہوجاتا تو سوچئے کہ لوگ کس آفت میں مبتلا ہوجاتے، کتنی عدم مساوات کس قدر ناانصافی نظر آتی، یہ
وہ حقائق ہیں جو اسلام کے دین فطرت اور سارے انسانوں کے لئے ایک سچا اور الٰہی مذہب ہونے
کا کھلا ثبوت بنے ہوئے ہیں، اور ایسے احکام کا نفاذ کسی بھی بشر سے وہ بھی ۱۴سو سال پہلے ممکن
نہ تھا اس مہذب دنیا سے پوچھے کہ کرسمس کی عید اہل انگلستان و اطالیہ کے لئے جس موسم میں آیا
کرتی ہے، کیا ساری دنیا بھی ان ہی کے جیسے پرلطف موسم سے دو چار رہتی ہے یا دوامًا محروم رکھی
گئی ہے، یا دیوالی، دسہرہ کا تہوار بھی لندن اور کناڈا میں ہندوستان کے جیسے موسم میں منانا ممکن ہے۔

[1] محمود پاشا فلکی مصری نے بھی اپنے رسالہ نتائج الافہام میں فنی تحقیق کے ساتھ اسی
تاریخ سے اتفاق کیا ہے۔ اور قاضی سلیمان صاحب منصورپوری مؤلف رحمۃ للعالمین نے بھی
بعد تحقیق اسی کو قبول کیا ہے۔ ملاحظہ ہو جلد دوم صفحہ ۱۰۸

کو انتقال فرما گئے تو اس روز سورج گہن واقع ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کسی کہنے والے نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے سورج کو یہ گہن لگا ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ نہیں کبھی کسی کی موت وحیات کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا کرتا۔ امام بخاری نے "کتاب الکسوف" کے تحت اس حدیث کو بیان کیا ہے جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ "انّ الشمس والقمر لا یخسفان لموت احد من الناس و لکنھما آیتان من آیات اللہ" اور بیہقی نے اپنی سنن میں تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ان الفاظ سے یہ روایت لکھی ہے "انّ الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ ولکنھما آیتان من آیات اللہ"[1]

اب غور کیجئے کہ کس طرح زمانہ یہ حدیث شریفہ کی صداقت آشکار ہو کر رہی، اسلام نے جو سچی بات تھی، اس کا کس طرح اقرار و انکشاف کیا اگر نعوذ باللہ (خاکم بدہن) کوئی جھوٹا پیغمبر ہوتا تو لوگوں کو مرعوب کرنے اور اپنا اثر بٹھانے اپنی اور اپنی اولاد کی عظمت جتانے کے لئے وہی کہہ جاتا، جو لوگ اس وقت سمجھ رہے تھے یا رنج وغم میں خاموش ہی رہ سکتا تھا۔ دنیا کو اور مسلمانوں کو جھوٹ سے بچانا ضروری تھا اس لئے ایسے حال میں بھی سچائی کو مجروح کرنے والی ذہنیت و خیال کی فوراً اصلاح فرمادی لیکن نماز کسوف کے احکام اور دعاؤں کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اتنا سادہ معاملہ نہیں ہے گہن کا مرحلہ ضرور کچھ نہ کچھ نزاکت رکھتا ہے۔

اسلام سے قبل چاند وغیرہ کی پرستش

اسلام سے قبل دنیا کا عام مذہب "بت پرستی" تھا اسی لئے مختلف علاقوں میں سات سیاروں کی جن میں چاند سورج بھی شامل ہیں پوجا کی جاتی تھی، قاضی صاعد اندلسی نے اہلِ عرب کے بارہ میں یہ تفصیل لکھی ہے[2]۔

۱۔ سورج کی پوجا ——— بنو حمیر نامی قبیلہ کیا کرتا تھا اور

۲۔ چاند کی پرستش ——— بنو حنانہ کا کرتے تھے اور

۳۔ دبران[3] کی ——— بنو حمیم اور

۴۔ مشتری کو ——— بنو لخم و بنو جذام پوجتے تھے تو

---

[1] سنن کبریٰ بیہقی جلد (۳) ص ۳۲۰ [2] طبقات الامم ص ۵۶ [3] برج ثور میں پانچ ستاروں کا مجموعہ جو چاند کی ایک منزل بھی سمجھا جاتا تھا۔

۵ - سہیل کی ——— بنو طے کے پاس پرستش کی جاتی

۶ - شعریٰ کی ——— بنو قیس اور

۷ - عطارد کے ——— بنو اسد نے بت بنا رکھے تھے

اور مسعودی کا بیان ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک کعبہ زحل کا ہیکل ہے اس لئے مرورِ ایام کے بعد بھی قائم ہے اور جو چیز اس سے منسوب ہو جاتی ہے اس کو زوال و تغیر نہیں ہوتا اور اس کی عزت و تکریم ہمیشہ باقی رہتی ہے[۱]۔

ہندوستان والے بھی سبعہ سیارہ کی پرستش کرتے ہیں جن کے مندروں کو نوگرہ کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں ایک طبقہ چندر بھگتیہ کہلاتا ہے جو چاند کے پجاری ہوتے ہیں اس کے بت کی گاڑی چار بطوں پر چلتی ہے، بت کے ہاتھ میں ایک بڑا لال ہوتا ہے جسکو چندر کیت کہتے ہیں، یہ لوگ چاند کی چودھویں کو برت رکھتے ہیں اور اس رات میں چاند دیوتا کے بت کی پوجا کی جاتی ہے، کھانا شراب اور دودھ اس کی نذر کیا جاتا ہے۔ قمری مہینہ کی پہلی اور چودھویں کو چھتوں پر چڑھ کر اس کو دیکھتے، منتر اور دعا پڑھتے ہیں[۲]۔

جب اسلام نے کفر و شرک اور ہر طرح کی بت پرستی کی سختی کے ساتھ مخالفت و مانعت کی، وہیں بالوضاحت چاند اور سورج کو پوجنے سے بھی منع کر دیا۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (پ ۲۴ - سورہ حٰمٓ - رکوع ۵ - آیت ۳۷)

یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ چاند کو پوجنے والے لوگ اور قومیں بھی اس کے ساتھ اپنے ایسے تعلق و دلچسپی کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں، جیسا کہ مسلمانوں کو مذہبی، قومی، اور جماعتی حیثیت سے چاند کے ساتھ حاصل ہے جس کا کہ ہر جگہ رمضان اور عید کے چاند کے موقع پر جہاں جہاں مسلمان پائے جاتے ہیں دنیا کو ان کی اس دلچسپی کا نظارہ ہوتا ہے۔ حج و بقر عید کے لئے بھی عالم اسلام ایسا ہی اہتمام کرنے پر مکلّف کیا گیا ہے الغرض خدا و رسول نے چاند کو اسلام کے بہت سے اعمال و عبادات کا ذریعہ گردان کر مسلمانوں کی اس سے خصوصی دلچسپی کو ہمیشہ کے لئے باندھ دیا ہے اور ان کے دلوں میں اس کی ایک اہمیت پیدا کر دی ہے، اسی لئے ابتدائے عہد اسلام میں مسلمان

---

[۱] مروج الذہب مسعودی جلد دوم ص ۲۳۷ مصر (طبع جدید) [۲] عرب و ہند کے تعلقات مولانا سلیمان ندوی ص ۲۰۶

علم ہئیت میں غیر معمولی توجہ کے ساتھ مشغول و معروف ہو گئے تھے لیکن جب ان کو زوال آنا شروع ہوا تو یہ ذوق تحقیق و جستجو جاتا رہا اور مغربی قومیں اس طرف متوجہ ہو گئیں جو عجیب عجیب کوششوں میں مشغول ہیں۔

اس موقع پر رفع غلط فہمی کے لئے یہاں ایک مثال پیش کر دینا کافی ہوگا کہ جس طرح نماز کے واسطے مسجد ایک ظاہری ذریعہ ہے، ایسے ہی چاند بھی اعمال و عبادات دینی کا ایک حسابی وسیلہ، اس سے بڑھکر مسلمانوں کے پاس اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

دوربین کی ایجاد کے بعد کہتے ہیں کہ چاند کا سب سے پہلا نقشہ ایک مشاہدہ کرنیوالے نے ۱۶۱۰ء میں تیار کیا تھا اور اہل مغرب دوربین کا موجد گلیلیو (۱۵۶۴ء / ۱۶۴۲ء) کو بتاتے ہیں اس کا سب سے پہلا فوٹو ۱۸۵۰ء میں لیا گیا تھا اور سب سے قریبی پہلا فوٹو امریکہ کی فوٹو گرافک لیبوریٹری لیونر آربیٹر دوم نے ۲۴ نومبر ۱۹۶۶ء کو کھینچا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بے شمار شہابیے چاند پر گرتے رہتے ہیں، جو چاند پر جانے والوں کے لئے قدرتی مزائلز ثابت ہو سکتے ہیں، جو ان کو اپنی زد اور مار سے چھلنی کر سکتے ہیں، گو زمین پر بھی شہابیوں کی بارش ہوتی رہتی ہے لیکن جو کرۂ ہوا زمین کو لپیٹا ہوا ہے وہ اس میں داخل ہوتے ہی جل اٹھتے ہیں۔

چاند کے غار اور شگاف[1]

چاند کی سطح پر بے شمار چھوٹے بڑے غار پائے جاتے ہیں جو چاند کی تصویریں دیکھنے والوں کو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ کسی کے چہرہ پر چیچک کے داغ نظر آتے ہیں، ان غاروں کے دہانوں میں سے جن کا قطر ایک کیلومیٹر سے زائد ہے نصف کروی حصہ پر تین لاکھ سے متجاوز ہے اور ان سے چھوٹے تو گنتی سے باہر ہیں، ان غاروں کو کریٹرا (CRATER) کہا جاتا ہے، جب

---

[1] دنیا چاند پر غاروں اور شگافوں کی موجودگی کو دیکھ کر اسکے سبب کی تلاش میں سرگردان اور مختلف ظنی دلائل بیان کرنے میں مشغول ہے لیکن جب قرآن و حدیث کے سچے اور قدیم ریکارڈ میں معجزہ شق القمر کی تفصیلات موجود ہیں تو اہل عالم اور خاص طور پر مسلمانوں کو اس پر غور کرتے وقت اس حقیقت و واقعہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئیے (مخفی نہ رہے کہ اس بحث کی تکمیل باب سوم کے ایک عنوان "چاند کے دو ٹکڑے اور دیگر شگاف" میں کی گئی ہے)۔

پہلی دفعہ لوگوں نے ان کا مشاہدہ کیا تھا تو یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ یہ آتش فشانی دہانے ہیں لیکن (۳۵۰) سال سے مشاہدہ ہوتے ہوتے یہ صداقت سامنے آگئی ہے کہ کبھی ان غاروں کے دہانے سے آگ یا دھواں نکلتا نہیں دیکھا گیا۔ چاند کے اکثر غاروں کے دہانے زمین کے غاروں کے دہانے سے کوئی دس گنا بڑے ہیں جس کا سبب کوئی نہیں بتا سکا۔ یہ بھی مشاہدہ میں محسوس ہوا کہ چاند کے بعض غار غائب بھی ہو گئے، چنانچہ ۱۸۴۲ء تک (LINNE) نامی ایک کریٹر موجود تھا جو (۶) میل چوڑا، اور ہزار فٹ گہرا تھا لیکن اب وہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اب ایک سفید دھبہ اور چھوٹا سا دہانہ نظر آتا ہے[1]۔ بعض بعض دفعہ ان دہانوں پر غبار جیسا آجاتا ہے جو مشاہدہ میں مانع ہوتا ہے۔

چاند کے دوسرے رخ کی جو زمین والوں کو نظر نہیں آتا، روس والوں نے ۴۔ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو تصویر لی ہے، سامنے کے رُخ کے مقابلہ میں اس میں بہت کم پہاڑ اور غار ہیں، حالانکہ یہ رخ شہابیوں کی زیادہ زد میں ہے تو اس میں زیادہ غار ہونے چاہیئے تھے جیسا کہ خیال کیا گیا ہے کہ ان کی ہی زد اور بارش کے سبب چاند پر یہ غار پڑے ہیں[2]۔

الغرض ان غاروں کے بارے میں جدید علمائے ہیئت نے کثیر معلومات پیش کئے ہیں اور ان کی تعداد گنی ہے، ان کے نام بھی رکھے ہیں، چاند کے پہاڑوں، وادیوں اور میدانوں کو بھی موسوم کیا جا چکا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے ہم شگافوں کی تفصیل کو ذرا زیادہ وضاحت سے پیش کرتے ہیں۔

چند سال پہلے جب چاند کی سطح پر لوگوں نے ایسی چمکتی لکیریں دیکھیں جیسی کہ زمین کے گلوب پر طول بلد کی لکیریں کھینچی نظر آتی ہیں جو چاند کی وادیوں، میدانوں، پہاڑوں کو مسلسل عبور کرتے ہوئے میلوں چلی گئی ہیں اور چاند کے جنوبی سرے کے دہانے ٹائیکو (TYCHO) سے شروع ہو کر ہر طرف پھیلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جنھیں ریز (RAYS) کہا جاتا ہے۔

ڈڈراڑوں، درزوں، نالیوں اور شگافوں کو رلز (RILLS) کلفٹ (CLEFT) - (GROOVES) - (FURROWS) - (CRACK) کہا جاتا ہے ہم اپنے الفاظ کی بجائے اصل انگریزی بیان مع ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

---

[1] دی مون بائی ایچ۔ پی۔ ولکنس اینڈ پیٹرک مور صفحہ ۹۶ مطبوعہ لندن۔ [2] دی اسپیس گائیڈ بک ۱۹۶۲ء پاپولر لائبریری میکملن کمپنی نیویارک صفحہ ۴۳ تا ۶۲۔

RILLES.

Rilles are grooves or furrows occuring in large numbers on the moon, particularly on the maria. Schmidt (1866) listed 425 of them, and, to date, more than a thousand have been catalogued. Rilles, as Elger (1895) states, consist of long narrow channels, with sides more or less steep, and sometimes vertical. They often extend for hundreds of miles in approximately straight lines over portions of the moons' surface, frequently traversing in their course ridges, craters, and even more formidable obstacles, without any apparent check or interruption, though their ends are sometimes marked by a mound or crater. Their length ranges from ten or twelve to three hundred miles or more (as in the great Sirsalis rill), their breadth, which is very variable within certain limits, from less than half a mile to more than two, and their depth (which must necessarily remain to a great extent problematical) from 100 to 400 Yards. They exhibit in the telescope a gradation from somewhat coarse grooves, easily visible at suitable times in very moderately sized instruments, to striae so delicate as to require the largest and most perfect optical means and the best atmospheric conditions to be glimpsed at all. Viewed under moderate amplification, the majority of rills resemble deep canal-like channels with roughly parallel sides, displaying occasionally local irregularities, and fining off to invisibility at one or both ends. But, if critically scrutinized in the best observing weather with high powers, the apparent evennes of their edges entirely

disappears, and we find that the latter exhibit indentations, projections and little flexures, like the banks of an ordinary stream or rivulet, or, to use a very homely simile, the serrated edges and little jagged irregularities of a biscuit broken across.

Pease (1924) observed the Mount Hadley rille near the foot of the Apennines through the 100-inch telescope. He writes :

Ordinarily, its details are smoothed in outline with rounded bends, but frequently in fine weather one has the sensation of looking down upon a Grand Canyon as sharply cut in structure and a angular in its turning as that of the Colorado River. Abrupt bends forming acute angles occur in its length and small side canyons enter into it at these points.

In general, the distribution of craters on the lunar surface appears to be random, and this favors the meteoric hypothesis. In the lunar rilles lines by small craters there is, however, definite argument for a tectonic relationship. (It is likely also that, in the succession of osculating crater pits advancing in a definite direction and with definite relationship is seen.) Fielder (1956,) observing at the Pic du Midi Observatory, was led to believe that parts of the floor of the Ariadaeus Rille were arched upward. Similar Phenomena have been noted by Fielder (1961a) in several other rilles and have been at tributed to igneous action.

—:o:—

ترجمہ

رِلس وہ "شگاف" نالیاں یا دراڑ ہیں جو سطح قمر پر بالخصوص اس حصہ پر جس کو عار یا کہا جاتا ہے، پائے جاتے ہیں ۱۸۶۶ء میں اسکمٹ نے (۴۲۵) کی حد تک ان کی فہرست مرتب کی، اور اس وقت تک ایک ہزار سے زائد کا شمار کیا جا چکا ہے، یہ رلس جیسا کہ ۱۸۹۵ء میں "ال گر" نے کہا تھا طویل اور تنگ نالیوں پر مشتمل ہیں جن کے کنارے تقریباً ڈھلوان اور بعض جگہ عمودی ہیں، یہ اکثر چاند کی سطح پر ہزاروں میل دور تک تقریباً خطوط مستقیم کی شکل میں پھیلی ہوی ہیں، یہ بسا اوقات اپنی گزرگاہ میں سلسلۂ کوہ اور آتش فشانی دہانوں کو بھی پار کر گئی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے زیادہ خوفناک چیزیں بھی، ان کے لئے سدّ راہ ثابت نہیں ہوسکیں، بہرحال یہ کسی بھی ظاہری روک یا خلل سے متاثر ہوئے بغیر گزر گئی ہیں اور بعض وقت ان کا اختتام کسی آتش فشاں دہانے یا کسی ٹیلہ پر ہوتا نظر آتا ہے۔ ان کی لمبائی دس بارہ میل سے لے کر (۳۰۰) میل یا اس سے بڑھ کر بھی ہے جیسا کہ "سرسالس رل" ہے اور ان کی چوڑائی بعض متعینہ حدود میں بہت مختلف ہے نصف میل سے کم پر شروع ہوتی اور دو میل سے اوپر تک بھی پہنچی ہے اور ان کی گہرائی (جو ابھی بڑی حد تک محتاج تصدیق ہے) ۱۰۰ اگز سے لے کر ۴۰۰ گز تک ہوگی۔

یہ رِلس موافق حالات میں ایک اوسط قسم کی دوربین سے موٹی اور بھدی نالیاں نظر آتی ہیں لیکن یہی بھدی نالیاں بعض جگہ اس قدر کمزور اور باریک ہو جاتی ہیں کہ ان کے مشاہدے کے لئے نہ صرف ایک طاقتور اور اعلیٰ درجہ کی دوربین درکار ہوتی ہے بلکہ فضائی حالات کا بھی سازگار ہونا ضروری ہو جاتا ہے، موجودہ جدید آلات سے اگر ان رِلس کو دیکھا جائے تو وہ عمیق نہروں کے مشابہہ نظر آتی ہیں جن کے کنارے تقریباً متوازی ہیں بعض جگہوں پر مقامی بے قاعدگیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کا اختتام کبھی ایک سرے پر یا کبھی دونوں سروں پر غیر مرئی ہو جاتا ہے لیکن اگر اچھے فضائی حالات میں ایک عمدہ دوربین سے ان کو جانچا جائے تو ان کے کناروں کی متوازی کیفیت بالکلیہ غائب ہو جاتی ہے اور اس کی بجائے ہم کو چھوٹے چھوٹے کٹاؤ اور باہر کو نکلے ہوئے کونے یوں دکھائی دیتے ہیں، جیسا کہ عام ندی نالوں کے کنارے ہوتے ہیں، اگر ہم اس کو ایک گھریلو مثال میں بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کے کنارے عرض میں ٹوٹے ہوے

بسکٹ کے ٹکڑوں کی طرح کٹے پھٹے اور دندانے دار ہیں۔

۱۹۲۴ء میں "پیز" نے چاند پر سوا نچ قطر والی دوربین سے ماؤنٹ ہاڈلے رل دریافت کی جو اے پی نائینز کے دامن میں واقع ہے وہ لکھتا ہے "بالعموم یہ رل ہموار معلوم ہوتی ہے جس کے موڑ گولائی لئے ہوئے ہیں لیکن اکثر اچھے موسم میں مشاہدہ سے ہم کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم عمیق درّہ کا نظارہ کر رہے ہیں جو بہت واضح طور پر کٹا ہوا اور اپنے موڑ میں ایسا زاویہ بناتا ہے جیسا کہ دریائے کولوریڈو کا ہے، اس کے طول میں موڑ دفعتہً زاویۂ حادہ بناتے نظر آتے ہیں اور ان مقامات پر گہرے دورے مل جاتے ہیں"۔

بہرکیف سطح قمر پر آتش فشانی دہانوں کا پھیلاؤ بے ترتیب ہے اور اسی وجہ سے شہاب ثاقب کے قیاس کو زیادہ اہمیت دینا پڑتا ہے اور ایسے رلس جن میں آتش فشانی دہانے پائے جاتے ہیں، وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قمری ساخت ہی ان کا سبب ووجہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آتش فشاں کے یکے بعد دیگرے پھٹنے سے یہ گڑھے ایک متعین سمت میں اور ایک مخصوص مدت میں بڑھتے گئے ہوں۔

۱۹۵۶ء میں فیلڈر نے پک ڈو میڈی رصد گاہ سے مشاہدہ کر کے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اریاڈیس رل کی سطح کے بعض حصے اوپر کی طرف خمیدہ ہیں۔ پھر ۱۹۶۱ء میں فیلڈر نے اسی کیفیت کو دوسرے مختلف رلس میں بھی مشاہدہ کیا اور اس کو آتش فشانی عمل پر محمول کیا[۱]۔

دوسرے ممالک کے تازہ مشاہدات کرنے والوں نے ایک ہزار درجہ قوت رکھنے والی دوربینوں سے مشاہدہ کر کے بیان کیا ہے کہ غاروں، پہاڑوں، گھاٹیوں، وادیوں اور میدانوں کو چھوڑ کر ساری سطح قمر درزوں، شگافوں سے بھری پڑی ہے ان کو دیکھ کر سائنس دانوں نے یہ اندازہ بھی لگایا ہے کہ یہ ایسے عظیم زلزلے یا اتنے مہیب جوہری دھماکے کے بعد ہی پڑ سکتے ہیں، جس کا زمین پر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۱۴۔ مئی ۱۹۶۷ء کو امریکہ نے لونار (LUNAR) داغا تھا اس نے چاند

---

[۱] دی مون اینڈ مٹ اور ائٹس اینڈ کامٹس، مصنفہ باربرا، یم مڈل ہرسٹ، گارڈ، پی کیوپر مطبوعہ یونی ورسٹی پریس شکاگو لندن جلد چہارم ص ۳۴ (۱۹۶۳ء)۔

کی جو تصاویر روانہ کی تھیں، ان کے معائنہ کے بعد ۱۳ مئی ۶۷ء کو اعلان کیا گیا کہ چاند میں دو سو میل تک طویل دس فٹ گہرا اور دس فٹ چوڑا ایک شگاف (CRACK) موجود ہے، جو آج تک کسی آدمی نے نہیں دیکھا تھا اس خلائی جہاز میں نقص کے سبب، رائٹر ایجنسی کے ذریعے ۱۷ مئی کو یہ خبر چھپی کہ گولونا ریٰ کی تصاویر معلومات افزا ہیں لیکن ان کو اطمینان بخش نہیں کہا جا سکتا۔

بہرحال چاند کی نسبت ان معلومات و مشاہدات سے کم از کم ایک بہت بڑی حقیقت تو دنیا پر ظاہر ہو گئی کہ سارے فلاسفہ، اہل علم بلکہ ساری دنیا دو ہزار سال سے بڑے طمطراق کے ساتھ آسمان اور اجرام سماوی میں، خرق والتیام (ٹوٹ پھوٹ، ملنا جڑنا) کو جو محال جانتی تھی وہ باطل پرستی تھی، اور اس سلسلے میں صدیوں جو دماغی کاوشیں اور محنتیں صرف کی گئی تھیں، ان سب پر پانی پھر گیا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ (بے شک اس میں ماہرین آثار کے لئے نشانیاں ہیں (پ۱۴ - سورۂ حجر - آیت ۷۵)۔

سائنس دان چاند کی سطح کے بارہ میں بھی تذبذب میں گرفتار چلے آئے ہیں ابتداءً سمجھا جاتا رہا کہ چاند کا کرہ شاید خاص قسم کی گیسوں کا مجموعہ ہو یا راکھ جیسا ہو، خلائی جہازوں اور پھر انسانوں کو اتارنے کے سلسلہ میں اس کی حقیقت معلوم کرنے کی ضرورت بہت بڑھ گئی تھی تاکہ اس کی سطح کے ٹھوس ہونے کا یقین حاصل کیا جائے، اسی مقصد کے تحت امریکہ نے بتاریخ ۱۷ اپریل ۱۹۶۷ء سرویر۳ کو چاند کی جانب روانہ کیا تھا جو (۶۵) گھنٹوں میں ۲۰ اپریل کو چاند پر کامیابی کے ساتھ اتر پڑا، اور اس میں نصب کردہ ایک خودکار آلے نے چاند کی سطح پر ۲½ سنٹی میٹر شگاف پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی اور پھر اترنے کے ایک گھنٹہ بعد اس نے ٹیلی ویژن پر تصاویر بھی روانہ کئے۔

چاند کے کرہ میں داخلہ کے لئے طبعی موانع

اب تک جو معلومات و مشاہدات ہوئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ چاند کی سطح پر جو گرمی اور سردی پڑتی ہے پھر ہوا کی عدم موجودگی، بے وزنی کی کیفیت بکثرت شہابیوں کی بارش وغیرہ جیسے بیسیوں موانع اگر ایک طرف انسان کے اس کرہ پر اتر پڑنے کے امکانات کو موہوم کر دیتے ہیں، تو دوسری طرف خود اس کا نور بھی شاید آدمی کے داخلہ کو ناممکن بنا دے، کیوں کہ جیسے جیسے انسان اس کے قریب ہوتا جائے گا تو اس کے نور سے

اس کی طاقت وقوتِ نظری (جس سے اس مہم میں کام لینا ہے) جواب دیدے گی لیکن اس کے باوجود ان سب پر قابو پاکر اس میں اترنے کی کوششیں جاری ہیں، امریکہ اور روس دو نوں بڑے ملک بے اندازہ دولت، محنت، عقل اور ذہانت خرچ کر کے کامیابی حاصل کرنے میں مشغول ہیں۔ مستقبل اور نتیجہ غیب میں ہے۔

اس موقع پر ہمیں مولانا بدرِعالمؒ کی کمال فراستِ ایمانی سے کہی ہوی یہ باتیں یاد آتی ہیں کہ:۔

"عالم تکوین میں قدرت کی یہ ایک بہت بڑی آزمائش ہے کہ وہ اول ہی قدم پر انسان کو ناکام نہیں کرتی اور بہت دور تک اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے، اس درمیان میں عاجز انسان کو بڑی بڑی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں آخر ایک حد پر پہنچ کر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کے پاس سرمایۂ عجز کے سوا کچھ نہ تھا اور زمام قدرت صرف ایک وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کے ہاتھ میں تھی"[1]۔

کیا چاند ٹھوس ہے؟

(قرآن کی روشنی میں)

قرآن حکیم میں ہم اپنے غور وفکر کی بنیاد پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ کرہ وجرم قمر بھی ایک ٹھوس اور مادی جسم ہے یہ الگ بات ہے کہ زمین و دیگر اجرام فلکی کے مواد سے جدا کسی مَوادِ خاص سے اس کی تخلیق کی گئی ہو لیکن اس کا ٹھوس ہونا ایسا ہی ہے جیسے زمین کا۔ یہ ترتیبِ خاص ان آیات پر غور کرنے کے بعد ہم اس خیال پر پہنچے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے اور لفظِ شق سے یہ نتیجہ استخراج کیا گیا ہے:۔

(الف) ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ	پھر زمین کو چیرا پھاڑ کر پھر اُگایا اس میں اناج۔
پ۳۰۔ سورۂ عبس۔ آیت (۲۶)	
(ب) يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ	جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوے۔
پ۲۶۔ سورۂ ق۔ آیت (۴۴)	

---

[1] ترجمان السنۃ جلد چہارم صدا۔

(ج) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔
پ ۲۷ ۔ سورۂ قمر ۔ آیت (۱)

(د) وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ ۔ اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے۔
پ ۱۹ ۔ سورۂ فرقان ۔ رکوع ۳ ۔ آیت ۲۵

(مخفی مباد کہ قرآن شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے ساتھ کچھ لطیف اجسام لگے ہوئے ہیں، جن کے پھٹنے اور زائل ہونے کی حقیقت کو دوسرے لفظ سے ادا کیا گیا ہے جسے غور کرتے وقت پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے)۔

اب سوچنا یہ ہے کہ ہم انسان شق کا کیا مفہوم رکھتے ہیں اور اس کی کس قسم کی عملی شکلیں اور تصورات ہمارے ذہنوں میں قائم ہیں، یقیناً ان ہی کو خدائے پاک نے ان آیاتِ شریفہ میں مراد لیا ہے اور جب ایسا ہے تو اس طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ جب کبھی ہم اس لفظ کو اپنے روزمرہ میں برتتے ہیں، تو اس کا کیا تصور ہمارے ذہنوں میں متعین رہتا ہے، گو ہم یہاں آپ کے سامنے اردو کے لحاظ سے مثالیں پیش کریں گے لیکن اس میں عربی زبان و ادب کا استعمال بھی ملحوظ ہے۔

شق کے معنی کسی سالم شیئے کا دو ٹکڑوں میں جدا ہو جانا، یا ایک سے زاید ٹکڑے ہو جانا، یا پھر پھٹ جانا، شگاف یا دراڑ کا پڑ جانا۔

ذہن میں ان کی عملی شکلوں کو قائم کرنے کے لئے ذرا ان مثالوں پر غور کیجئے :-

(۱) گرما کی شدت سے یا زلزلہ کے باعث پہاڑ کی چٹانیں شق ہو گئیں۔

(۲) جب سیلاب کا پانی اتر گیا تو زمین خشک ہو کر جگہ جگہ سے شق ہو گئی۔

(۳) تربوز ہاتھ سے گرا اور شق ہو گیا۔

(۴) انار پختہ ہو کر شق ہو جایا کرتا ہے۔

مذکورہ چار آیتیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں، جب ان میں حق تعالیٰ نے ان تینوں جسموں (زمین ۔ آسمان ۔ چاند) کے واسطے ایک ہی لفظ "شق" استعمال فرمایا ہے تو ہماری ناقص رائے میں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان تینوں کے جسم صرف اس لحاظ سے ایسے ہی ملتے جلتے ہیں کہ جن میں شق کے واقع ہونے کی شکلیں ایک سی پیدا ہوتی ہیں جب زمین ٹھوس اور مادی ہے تو چاند اور آسمان بھی ٹھوس جسم ہیں، رہا ان کا لطیف و کثیف

ہونا تو یہ ایک جداگانہ بحث ہے پس اسی سے ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ چاند گیا سوں" کا مجموعہ یا کوئی نرم و لطیف یا راکھ جیسا جسم نہیں ہے اور آسمان سے "شہاب ثاقب" ٹوٹ ٹوٹ کر جو زمین پر آرہتے ہیں وہ ہمیں آسمانی اجسام کی نوعیت کے بارہ میں اس بات کا اندازہ کراتے رہتے ہیں کہ فضائے فلکی میں جو اجسام ہیں، شاید وہ بھی عموماً ایسے ہی ہوں گے۔

لفظِ شق کے مترادف یا قریب وہم معنیٰ عربی زبان میں کئی الفاظ آتے ہیں اور فلق تو ٹھیک ٹھیک شق کا مترادف ہے اور اہلِ لغت نے ان دونوں کے معنی ایک ہی لکھے ہیں، اور ان دونوں کا محلِ استعمال بھی ایک سا بتایا ہے اگر ان میں کوئی نازک فرق ہے اور اہلِ زبان امتیاز کرتے ہیں تو ان لغات نے اس کی کوئی صراحت نہیں کی ہے، لیکن خود قرآنِ حکیم نے اپنی ساری آیات میں جہاں جہاں استعمال فرمایا ہے ہر وقت ان کے امتیاز و فرق کو برابر ملحوظ رکھا، اور بڑی پابندی اختیار فرمائی ہے چناں چہ پانی کے پھٹنے، چشموں کے پھوٹنے یا جاری ہونے پو (صبح) پھٹنے آسمان، زمین، اور چاند کے پھٹنے کے مواقع پر محاورۂ عرب کے ساتھ ساتھ ان میں سے ہر جسم اور اس کی حالت و اصلیت کے لحاظ سے جدا جدا ایک ہی مخصوص لفظ کو متجانس شکلوں میں ہر جگہ دہرایا ہے ان کے بدل میں دوسرا استعمال ہو سکتا تھا مگر نہیں کیا ہے، یہی نکتہ ہے جو غور و فکر کا طالب ہے۔

جب اس انداز سے بھی معنی و مطالب قرآنی پر نظر پڑتی ہے تو اس کے عجائب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حجاب اٹھا کر سامنے آنے لگتے ہیں۔ اِن شاءَ اللہ ہم وہاں پر اور زیادہ تفصیل سے بحث پیش کریں گے جہاں شق القمر کی آیاتِ کریمہ پر بحث کا ارادہ رکھتے ہیں (باب سوم، عنوان سورۂ قمر کی ابتدائی آٹھ آیتوں کی تفسیر) فی الوقت اس عنوان کے تحت اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

باب سوم

(الف) پس منظرِ معجزہ

(ب) چند معجزات قبل واقعۂ شق القمر

(ج) واقعاتِ معجزہ کا تحقیقاتی مطالعہ

(د) سورۂ قمر کی ابتدائی آٹھ آیتوں کی تفسیر

(ھ) مسلمہ علماء کے نزدیک آٹھ آیتوں کا ترجمہ

(و) خصوصیات سورۂ قمر

(الف) پس منظرِ معجزہ

مبالغہ ہمارے دین وایمان کے منافی ہے اس لئے ہمارے اس کہنے میں ذرا برابر بھی غلو کو دخل نہیں، جسے سب ارباب عقل وانصاف تسلیم بھی کریں گے کہ حضرتِ سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے معجزاتِ معنوی (عقلی وعلمی) اور حسی (مادی وظاہری) دونوں قسموں میں سے ایک قرآن کریم اور دوسری قسم میں شق القمر اپنی عظمت وشرف کے لحاظ سے ایسے ہیں کہ نہ ان کی مثال گذری اور نہ ہی قیامت تک ممکن ہے جنھیں دیکھ دیکھ کر زمانہ دنگ اور عجز کے مارے سربسجود رہے گا اسی لئے شیخ قسطلانی (صاحب مواہب لدنیہ) نے شق قمر کی نسبت کہا :-

یہ ایسا عظیم نشان ہے کہ کسی بشر کو اس کے ایجاد کی قدرت نہ ہوگی (ہذہ الآیۃ العظیمۃ التی لا قدرۃ لبشر علیٰ ایجادھا)

ہر آدمی جب چاند جیسے ایک عظیم مادی کرہ کے دو ٹکڑے ہو جانے کا واقعہ سنتا یا پڑھتا ہے تو طبعًا اس کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ آخر ایسے کیا سخت واقعات پیش آئے تھے اور وہ دشمنانِ دین کتنے شقی تھے کہ پیغمبر اسلام کو اپنی صداقت کے ثبوت میں ایسا متحیر کن نشان دکھانا پڑا۔ اس لئے بطور پیش منظرِ معجزہ اعلانِ نبوت سے تاریخ وقوعِ معجزہ تک کی درمیانی مدت میں (جو پانچ سال سے کچھ زاید ہے) جو واقعات رونما ہوئے ہیں، ان کا ایک اجمالی تذکرہ یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ تشفی کے ساتھ ساتھ واقعاتِ معجزہ کے سمجھنے میں بھی ان سے مدد مل سکے۔

تاریخ اسلام اور سیرۃ نبوی کے محققین متفق ہیں کہ حضرت فخر موجودات (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی ولادتِ مبارکہ، واقعۂ اصحابِ فیل کے ۵۵ روز

بعد ۹۔ ربیع الاول دوشنبہ[1] (مطابق ۲۰ یا ۲۲۔ اپریل ۵۷۱ء اور پہلی جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی) کو عمل میں آئی۔ جب عمر شریف چالیس سال ایک دن کی (بلحاظ سنہ قمری) ہوئی تو آپ کو حق تعالٰی نے ۹۔ ربیع الاول دوشنبہ[2] کے دن (مطابق ۱۲۔ فروری ۶۱۰ء) سارے انس وجاں کی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر ۱۸۔ رمضان یوم جمعہ[3] (مطابق ۱۴ یا ۱۷ اگسٹ ۶۱۰ء) سے قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔

حضرت نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بعثت کے بعد ابتداءً تین سال یعنی ۱۷۔ رمضان سنہ نبوت (مطابق ۱۲ جولائی ۶۱۳ء) تک اسلام کی خاموش تبلیغ میں مصروف رہے جب یہ حکم پہنچا:۔

یَآاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ

اے لحاف اوڑھے ہوئے، کھڑا ہو اور پھر ڈر سنا دے۔

پ۲۹۔ سورہ مدثر[4]

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے، صاف صاف کہہ دے اور پروا نہ کر مشرکوں کی۔

پ۱۴۔ سورہ حجر۔ رکوع ۶۔ آیت (۹۴)

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۝

اور ڈر سنا دے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔

پ۱۹۔ سورہ شعراء۔ رکوع ۱۱۔ آیت (۲۱۴)

تو پھر آپ علی الاعلان خدا کا پیام پیش فرمانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت اہل قریش اور سارے عرب میں بہ شدت بتوں، پتھروں، درختوں اور ستاروں وغیرہ کی پرستش

---

[1] رحمۃ للعالمین جلد اوّل ص۴۲ قاضی سلمان صاحب (طبع بنجم دہلی) و سیرۃ النبی جلد اوّل مولانا شبلی ص۱۷۱ و نتائج الافہام محمود پاشا فلکی (عربی) بحث سوم۔ حضور کی حیاتِ طیبہ میں دوشنبہ کے دن کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ چناں چہ ولادت، نبوت، ہجرت، وفات سب اسی روز واقع ہوئے ہیں جس سے دیگر واقعات کی تاریخوں کی تصحیح تعین و مطابقت میں یہ دن ایک کلید ثابت ہوتا ہے۔

[2] رحمۃ للعالمین جلد اول ص۵۹ بحوالہ سفر السعادت ص۳۵ (مطبوعہ کلکتہ) [3] رحمۃ للعالمین جلد اول ص۶۲

[4،5] صادم سیوہاروی تاریخ القرآن میں ان کی تاریخ نزول علی الترتیب ربیع الاول سنہ۴ نبوی دوشنبہ در ربیع الاول سنہ۵ نبوی قرار دیتے ہیں ص۱۴۔

کی جاتی تھی۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار، جزا و سزا کا تصور، اچھے برے اعمال کی تمیز اور ان کے نتائج کا مرتب ہونا! ان کے نزدیک قابل تمسخر تھا۔ زنا، جوا، شراب، قتل و غارت گری خاندانی دشمنی اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے میں، نسلی فخر و غرور اور توہم پرستی میں تقریباً ساری قوم مبتلا تھی۔ بدویانہ زندگی اور اندرونی خود مختاری نے ان سب کو بے حد خود سر و مغرور بنا رکھا تھا، جس کے سبب عقل و دماغ اور غور و فکر کی صلاحیتوں سے عمومی طور پر محروم تھے، اسی لئے جہالت کا عام دور دورہ تھا۔ کینہ، بغض و عداوت ان کا وطیرۂ زندگی بن گیا تھا، عرصۂ دراز سے خود تمدن سے عاری اور متمدن قوموں سے دور چلے آرہے تھے۔

چوں کہ قریبی رشتہ داروں میں تبلیغ کا حکم تھا، اس لئے ایک روز آپ نے اپنے سب خاندان والوں کو کھانے پر جمع فرما کے دینِ حق کی دعوت دی، اور اپنی نبوت کا اعلان فرمایا لیکن قبیلہ والے آپ کی نئی تعلیم کو نہ سمجھ سکے بلکہ تمسخر کرکے واپس چلے گئے۔

پھر ایک دن آپ اعلانِ عام کے ارادے سے کوہ صفا پر چڑھ گئے اور لوگوں کو پکار پکار کر جمع فرمایا، جب سب آگئے تو ان کے سامنے اپنی رسالت اور دین حق کے بارہ میں ایک نہایت مؤثر اور دل نشین وعظ فرمایا، اور پہلے پہلے تو مجمع نے آپ کے سچے، پاکیزہ اخلاق، صاحب کردار اور امین ہونے کا اقرار کیا لیکن جب وعظ ختم ہوا تو سب لوگ برہم ہوئے اور چلے گئے۔

خاموش تبلیغ کے زمانہ سے اس وقت تک چالیس سے زیادہ افراد اسلام قبول کر چکے تھے، پھر ایک دن حضورؐ نے حرم کعبہ میں جاکر توحید کا اعلان فرمایا تو اہلِ قریش کو اس پر بڑا طیش آیا اور انھوں نے اس کو بڑی جسارت اور حرم کی توہین خیال کیا، جس کی وجہ سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت حارث بن ابی ہالہ کو خبر ہوئی تو وہ فوراً دوڑے آئے اور حضورؐ کو بچانا چاہا لیکن چاروں طرف سے ان پر تلواریں پڑیں، اور اسی حادثہ میں وہ شہید ہو گئے۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اسلام کی راہ میں اپنی جان قربان کی۔[1]

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول ص۲۱۱ بحوالہ اصابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ

جب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ میں علی الاعلان بت پرستی کی سب سے زیادہ مذمت شروع فرمائی تو کفار مکہ اور سارے شہر میں ایک ہلچل مچ گئی، قریش میں حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے بعد سے کوئی نبی نہیں آیا تھا وہ صدیوں سے نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے، اس لئے یہ بات ان کے عقل میں نہ آتی تھی کہ ان کے جیسا ایک آدمی اور وہ بھی ایک معمولی شخص، خدا کا پیغمبر کیسے بن سکتا ہے۔ نیز بت پرستی تو سیکڑوں سال سے نسلاً بعد نسلٍ ان کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، اس کی ایسی سخت توہین، ان کو مشتعل کئے دیتی تھی، اس کے علاوہ وہ اعمال کی جزا و سزا، قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے اور جواب دہی کرنے کو مہمل سمجھتے، کیوں کہ مرنے کے بعد اس کے گل سڑ اور خاک بن جانے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا کسی طرح ان کے قیاس میں نہ آتا تھا اسی لئے اس عقیدہ پر بہت تمسخر کیا کرتے تھے۔ چوں کہ ان کو اپنی شرافتِ خاندانی پر بڑا گھمنڈ تھا، مساوات اور بھائی چارگی کی تعلیم کو اپنے لئے باعث ذلت سمجھتے تھے۔ انھی طرح کے اور اسلامی احکام سے انکو اپنی ساری بداخلاقیاں، جرائم، قبیح رسوم و اعمال، جوا، زنا، شراب جیسی مرغوب و محبوب عادتیں چھوڑنی پڑتی تھیں، جس نے شہر کی اکثریت کو اسلام و بانیٔ اسلام کا سخت مخالف بنا دیا۔

مگر اللہ تعالیٰ نے جن کو صلاحیت اور عقل بخشی تھی، اسلامی تعلیمات نے ان پر اپنا اثر پیدا کرنا شروع کر دیا تھا، آہستہ آہستہ ایسے افراد برابر حلقہ بگوش دین ہوتے رہے ایسے ماحول میں اسلام لانا کوئی آسان کام نہ تھا، اس کے باعث قبیلہ و قوم کی دشمنی، اور ان کے مظالم مول لینے پڑتے تھے۔ اپنی جان، مال، اولاد، خاندان سب ہی سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا لیکن اس کے باوجود لوگ داخل دین ہونے سے رکتے نہ تھے۔ مذکورہ حالات نے اسلامی تحریک کے بارہ میں مشرکین مکہ کو اجتماعی حیثیت سے غور و فکر اور اس کا مقابلہ کرنے پر مجبور کیا۔ بالآخر انھوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ اسلام کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر ہی دم لیں گے اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے۔

اس سلسلہ کا پہلا کام یہ شروع کیا گیا کہ جن جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کو سخت سے سخت ایذائیں دی جانے لگیں اور ایسے دردناک اور خوفناک تکالیف

میں مبتلا کیا جانے لگا کہ جن کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی کہ جن کے واقعات سننے سے اب بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ کسی طرح دین سے پھر جائیں اور نئے ان مصائب کے ڈر اور خوف سے اس میں داخل نہ ہو سکیں۔ مگر بلا کشانِ اسلام بھی اپنے صبر، ہمت، استقلال اور تحمل میں ایسے "یگانۂ عالم" نکلے کہ ان کی مثال بھی زمانہ پیش کرنے سے ہمیشہ عاجز رہے گا۔ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے مگر ان خدا کے بندوں نے ہرگز ہرگز اپنے رسول کا دامن نہ چھوڑنا تھا اور نہ چھوڑا۔

جب روسائے مکہ نے یہ دیکھا کہ ان کی موجودہ کوششیں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں، اور حضورت رسول الثقلین (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے کام سے کسی طرح رکتے نہیں ہیں تو انھوں نے اب متحدہ طور پر جد و جہد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ پچیس سرداروں پر مشتمل ایک باضابطہ کمیٹی بنائی گئی جس کا صدر آپ کا حقیقی چچا اور جانی دشمن ابولہب مقرر ہوا اسی مجلس میں یہ بھی غور کیا گیا کہ دور دراز علاقوں سے جو لوگ اور قافلے مکہ آتے ہیں اور آں حضرتؐ ان کے پاس پہنچ کر جو تبلیغ فرماتے ہیں اس کا کسی نہ کسی طرح سدِباب کرنا، اور اس کے اثر کو توڑنے کی تدبیریں بھی کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ لوگ آپ کی باتوں میں آ کر اس نئے دین میں داخل ہونا شروع نہ کر دیں اور آپ کی عظمت و احترام میں اضافہ اور آپ کے چاہنے والوں، ہمدردوں اور پیروؤں کا حلقہ وسیع ہو کر اہلِ مکہ کے لئے مصیبت کا باعث نہ بن جائے۔

اس قرارداد کے بعد پھر یہ سوچا گیا کہ ان نئے لوگوں کے سامنے محمدؐ کی شخصیت کو متاثر کرنے کے لئے ان کے بارہ میں کیا کیا، اور کس کس طرح سے کہا جائے:—

ایک نے کہا —— ہم لوگوں کو بتلایا کریں گے کہ محمدؐ کاہن ہے۔

ولید بن مغیرہ بھی جو ایک جہاں دیدہ شخص تھا شریک جلسہ تھا، اس نے یہ سُن کر کہا:—

بھائی! کاہنوں کی تک بندیاں، ان کے بے معنی، مہمل و خرافات جملے کس شمار میں —— اور کہاں محمدؐ کا کلام —— میں نے تو بہت سے کاہن دیکھے ہیں ہم کو جب کچھ کہنا ہی ہے تو ایسا کہنا چاہیئے کہ قبائل عرب ہم کو جھوٹا نہ سمجھیں۔

تو دوسرے نے کہا:—

اچھا یہ نہ سہی! تو ہم اسے دیوانہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے، پھر ولید نے منع کیا اور کہا —— جو کوئی محمد کو دیکھے گا اور اس سے ملے گا، ہرگز اسے محمد کا دیوانہ ہونا باور ہی نہیں آئے گا۔

تیسرے نے رائے دی کہ —— ہمیں اسے شاعر بتانا چاہیئے، یہ سُن کر اس خرانٹ بڈھے نے کہا:۔

محمد کے کلام کو شاعری سے ذرا بھی نسبت نہیں، کیوں کہ اس میں شاعرانہ مضامین ہی نہیں پائے جاتے، ہم جیسوں کو معلوم ہے کہ —— شعر و شاعری کیا چیز ہوتی ہے۔

کسی چوتھے کو جو سوجھی تو وہ بولا کہ —— ہم اسے ایک جادوگر بتایا کرینگے

ولید نے اس تجویز کی بھی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ:۔

محمد نہایت طہارت و نفاست سے رہتا ہے اور جادوگر نہایت نجس عادات و اطوار کے ہوتے ہیں، اور ان کی صورتوں سے تک نحوست ٹپکتی ہے ایسی باتیں سُن کر بھی لوگ تمہارا یقین نہیں کریں گے۔

بالآخر سب نے زچ ہو کر کہا اچھا چچا! —— جب ہماری عقل کام نہیں کرتی ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کہا کریں۔

ولید نے کہا دیکھو! جب تم ان لوگوں کے پاس جاؤ تو انہیں بس یہ تاکید کیا کرو کہ اس شخص کا کلام ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں اور میاں بیوی میں جدائی پڑ جاتی ہے اور اچھی خاصی زندگیوں میں تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس سے بچتے رہو تو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس کے بعد پھر اس امر پر بھی اتفاق کیا گیا کہ محمد کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے، اس کا جگہ جگہ ہنسی مذاق اڑایا جائے، اور دردناک ایذائیں پہنچانے میں کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے۔

جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان میں اکثریت غریبوں، ناداروں، لونڈیوں اور غلاموں کی تھی، جن کی ظاہری حالت و مفلسی کو دیکھ کر قریش طعنہ دیا کرتے کہ:۔

أَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنۢ بَيْنِنَا ؕ — کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کے مقابلہ میں فضل کیا۔

پ ۷۔ سورۂ انعام۔ رکوع ۶۔ آیت (۵۳)

لیکن وقت و واقعات نے ثابت کر دیا کہ فی الحقیقت رؤسائے قریش کو ان کے دنیا کے ادنیٰ مال و اسباب اور ان کی کفر کی تاریکی نے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ ایسے بے مثال اور عظیم رسول کو پہچان نہ سکے اور آفتاب نبوت کے سامنے آکر تو ان کے کفر کی سیاہی اتنی بھیانک طور پر نمایاں ہوی کہ تاریخ عالم ہمیشہ ان کے کرتوت پر سر بہ گریباں رہے گی، لیکن اس کے برعکس جن کو حقیر و کمزور سمجھا گیا تھا اسی شمسِ بازغۂ رسالت سے ان کا ظاہر و باطن اتنا منور و روشن ہوا کہ ایک طرف تو ان غریبوں کے ہاتھوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ کر رکھ دیئے اور بحر و بر کی تسخیر کر کے دنیا کی تاریخ میں اپنے لئے ایک حد درجہ حیرت ناک باب کھول کر رکھ دیا کہ عقلیں دنگ ہیں تو دوسری طرف روحانیت، علم و عمل و فضائل و اخلاق میں سارے عالم کے امام و مقتدیٰ بن گئے۔

الغرض علانیہ تبلیغ کو آغاز ہوے ابھی پورا ایک سال بھی نہ ہوا تھا اور حالات نے جب بہت شدت اختیار کر لی تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملک حبشہ (ابے سینا) کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی۔ کیونکہ زمانۂ قدیم سے عربوں کے اس ملک سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ چناں چہ رجب ۵ھ نبوت (اپریل ۶۱۴ء) کو بارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حضرت عثمان کی سرکردگی میں روانہ ہو گیا، جن میں حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابو حذیفہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود بھی شریک تھے، یہ لوگ چھ مہینے (ذی حجہ م ستمبر ۶۱۴ء) تک وہاں رہے ان کو جب یہ خبر ملی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو واپس چلے آئے لیکن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ جو اطلاع ملی تھی وہ غلط ہے پھر آں حضرتؐ نے دوبارہ ہجرت کر جانے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود تو مکہ ہی میں رہ پڑے۔ پرانی جماعت کے ساتھ اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ اس دفعہ ان کی تعداد (۸۳) مردوں اور (۲۰) عورتوں پر مشتمل تھی جو غالباً ۶ھ نبوت م ۶۱۵ء) کو روانہ ہوی۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت جعفر طیار بھی شریک تھے۔ کفار قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ ان کی دسترس سے نکل چکے تھے۔

پھر اس کے بعد ان مشرکین نے ایک تدبیر یہ نکالی کہ قوم کی جانب سے تحفے تحائف کے ساتھ ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ یوں ان مسلمانوں کو اسیر کرا کے اپنے قبضے میں کر لیا جائے، یا کم از کم ان کو وہاں سے خارج کرا دیا جائے چنانچہ ان کی طرف سے عمرو بن العاص (فاتح مصر جو بعد میں مسلمان ہوئے) اور عبد اللہ بن ربیعہ سفیر مقرر ہو کر پہنچے۔ شاہِ حبشہ کا نام اصحمہ تھا جو عیسائی مذہب کا پیرو تھا۔ ان سفیروں کی موجودگی میں بادشاہ نے مسلمانوں کو بلا کر گفتگو کی، اور حضرت جعفر طیار نے ان سب کی طرف سے نمائندہ بن کر اس سے بات چیت کی جن کا مکالمہ تاریخ اسلام کے مشہور واقعات میں سے ہے، جس سے متاثر ہو کر نجاشی نے مشرکین مکہ کے سفیروں کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

الغرض مکہ میں مسلمانوں میں بہت تھوڑے لوگ رہ گئے تھے جو آپ کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے جیسے حضرت ابوبکر یا کسی نہ کسی کے زیر اثر زندگی گزارنے والے اور بہت مجبور افراد تھے جن میں حضرت بلال، عمار، یاسر وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

آپ کا معمول تھا کہ تبلیغ کے لئے گلی کوچوں، بازاروں کی طرف نکل جاتے اور ہر آنے والے سے ملتے تھے، ہر طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آپ کو اپنی جان کے متعلق یا تکالیف و مصائب یا مشرکین و رؤسائے قریش کا کوئی خوف کام سے روکنے والا نہ بن سکا۔ جب حج کا زمانہ آتا اور ملک کے مختلف حصوں سے قبائل آ آ کر مکہ کے پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوتِ دین پیش فرماتے تھے، حج کے سوا سال بھر مختلف تاریخوں میں، عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے، اس سلسلہ میں مورخین نے منیٰ، عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ کا نام بیان کیا ہے، جہاں آپ تشریف لے جاتے تھے اور خود جتنے قبیلے، شہر مکہ میں اور اس کے آس پاس بستے تھے۔ ہر ہر قبیلہ میں دورہ کر کے برابر فریضۂ رسالت ادا فرمانے میں مشغول رہے لیکن مخالفت و دشمنی کا یہ حال ہونے لگا کہ ہر آنے والا دن گزرے ہوئے کے مقابلہ میں شدید مثال ثابت ہوتا تھا مگر خدا کی شان کہ اس کے باوجود یہ ہونے لگا کہ شہر میں بسنے والے خاندانوں اور باشندوں میں سے ایک نہ ایک شخص ضرور ایمان لے آتا جس سے کنبے اور برادریوں میں ایک زلزلہ سا پڑ جاتا۔

باہمی جھگڑے اور نت نئے مشکلات کھڑے ہونے لگ گئے۔ ابولہب ہر جگہ آپ کا پیچھا کرتا اور ساتھ ساتھ پھرتا تھا، جب آپ کسی مجمع میں تقریر فرماتے تو پکار پکار کر کہتا کہ اس کی ایک بات بھی نہ سنو، یہ اپنے دین سے برگشتہ ہو گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے۔

اور ابوجہل بھی اسی طرح پیچھا کیا کرتا تھا۔ چناں چہ ایک صحابی نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ ابھی میں مسلمان نہیں ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ آپ بازار ذوالمجاز کے ایک مجمع میں گھس کر لوگوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے لئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ یہ دیکھ کر ابوجہل بھی گھس پڑا اور آپ پر مٹی اٹھا کر پھینکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اس کے فریب میں ہرگز نہ آنا، یہ تمہیں لات و عزیٰ کی پوجا سے منع کرتا ہے۔

تبلیغ کے کام میں حضورؐ کے عظیم انہماک اور مصروفیت کو دیکھ کر قریش متحیر تھے کہ آخر آپ کا اس سے مقصود کیا ہے؟ ان کے خیال میں بار بار یہی آتا تھا کہ اس سخت کوشی اور جاں فروشی کا مقصد، شہرت، عزت، اقتدار اور حصول مال و دولت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کیوں کہ انسان کے لئے اس سے آگے کچھ باقی نہیں رہتا جس کا وہ طلب گار ہو، اپنی دانست میں انھوں نے یہ یقین کر لیا کہ ہم اب صحیح نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں، اگر محمدؐ کے سامنے ان چیزوں کا پیش کش کر دیا جائے تو ساری قوم مشکلات اور مصائب سے نجات پا جائے گی، اس غور اور مشورے کے بعد اپنے ایک بہت بڑے مالدار شخص عتبہ کو نمائندہ بنا کر بھیجا جو ایک مضبوط عزم لئے، کامیابی کے یقین کے ساتھ آپ سے آکر ملا اور کہنے لگا:۔

میرے بھتیجے محمدؐ! اگر تم اپنے اس سرفروشانہ کام کے ذریعے دولت جمع کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہارے پاس اتنی دولت اکٹھی کر دینے کے لئے تیار ہیں کہ تم مالا مال ہو جاؤ ——— یا اگر تمہیں عزت و سرداری کی ——— خواہش ہے تو ہم سب اس کے لئے تیار ہیں کہ ——— تم کو اپنا رئیس اور سردار مان لیں ——— یا ——— اگر حکومت و سلطنت چاہیئے تو ——— ہم لوگ تمہیں ——— عرب کا بادشاہ بنائے دیتے ہیں، اور تم جو چاہو گے وہ سب کر گذرنے پر آمادہ ہیں، بشرطیکہ تم اپنا موجودہ کام اور بتوں کی مذمت کرنا چھوڑ دو ——— یا ——— اگر تمہارے دماغ میں کوئی خلل آ گیا ہے تو اپنا حال بیان کرو کہ ہم تمہارا علاج کرائیں۔

سرکارِ جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سُن کر فرمایا جو کچھ تم نے میرے متعلق کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں، مجھے ان میں سے کسی چیز کی تمنا نہیں، اور نہ ہی میرے دماغ میں کوئی خلل پڑا ہے۔ مجھے سمجھنا اور جاننا چاہتے ہو تو لو! قرآن کی ان آیتوں کو سنو پھر اس کے سامنے آپ نے سورہ حٰم (پارہ ۲۴) کی ابتدائی چند آیات تلاوت فرمائیں عتبہ جب کلامِ الٰہی سننے لگا تو اس پر محویت کا عالم طاری ہو گیا اور حال یہ تھا کہ دونوں ہاتھ پیچھے ٹکے ہوئے تھے، گردن پشت پر ڈھلی پڑتی تھی، آنکھیں بند، اور جسم کو ہاتھوں سے سہارا رہا تھا بالآخر کچھ کہے بغیر چپ چاپ چلا گیا۔

جب عتبہ اپنے لوگوں میں واپس پہنچا تو پوچھنے والوں نے اس سے سب تفصیل پوچھنی چاہی، کہنے لگا اے قریش! کیا بتاؤں میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ نہ وہ شعر ہے نہ جادو منتر ہے، اور نہ ہی وہ کہانت ہے، اگر تم لوگ میری رائے پر چلو اور مانو تو اچھا ہے کہ محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائے تو اس میں خود تمہاری بھی عزت ہے، ورنہ خود عرب محمدؐ کو فنا کر دے گا" لیکن قریش نے اس کی یہ رائے منظور نہیں کی اور کہنے لگے کہ آخر عتبہ پر بھی محمدؐ کی زبان کا جادو چل گیا۔

پھر کئی قبیلوں کے سردار جمع ہوئے اور سوچا کہ اب ابوطالب کے ذریعے کوشش کر کے دیکھنی چاہیئے، اس لئے سب مل کر ان کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہم نے آپ کی بزرگی اور آپ کے ادب و احترام کے باعث آپ کے بھتیجے کا اب تک لحاظ کیا تھا لیکن اس کی بھی حد ختم ہو چکی ہے، کیوں کہ محمدؐ ہمارے بتوں کی اتنی حقارت کرنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے خاموش رہنے کی ہدایت فرمائیں اور پابند کریں تو اچھا ہے ورنہ ہم اُسے جان سے مار ڈالیں گے اور ہم سب لوگوں کا تم اکیلے ہرگز مقابلہ نہ کر سکو گے۔

مشرکین مکہ کی اس اجتماعی کوشش سے حضرت ابوطالب متأثر ہو گئے۔ سارے ملک کی اس آتشِ انتقام کو دیکھ کر بھتیجے کی محبت اور درد سے ان کا دل بھر آیا حضورؐ کو بلا کر سمجھایا کہ کم از کم بت پرستی کی مذمت و مخالفت نہ کیا کرو، ورنہ میں بھی تمہاری کچھ حمایت نہ کر سکوں گا۔

یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا اگر یہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ پر سورج اور بائیں میں چاند بھی لاکر رکھدیں تب بھی میں اپنے کام سے ہرگز منھ نہ موڑوں گا اور خدا کے احکام میں سے ایک حرف بھی کم زیادہ نہ کروں گا چاہے اس کام میں میری جان ہی چلی جائے۔

قریش کو جب اس تدبیر میں بھی ناکامی ہوئی تو وہ کعبہ میں اکھٹے ہوئے اور طے پایا کہ محمد کو قوم کے سامنے رُو در رُو بلاکر سمجھا دیکھیں گے، چناں چہ جب آپ کو طلب کیا تو حضور گھر سے بہت خوش خوش نکلے، کیوں کہ سرکار اقدس کو ان رُوسا اور اہم مخالفین کے ایمان قبول کرنے کی بڑی آرزو تھی، جب آپ قوم کے سامنے آکر بیٹھ گئے، تو انھوں نے بالکل ان ہی باتوں کی نمایش شروع کی، جیسی کہ اس سے پہلے عتبہ کر چکا تھا البتہ اس بار ضلل دماغ کے بجائے یہ کہا گیا کہ اے محمد! اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں کچھ دکھائی دیا کرتا ہے اور کوئی جن ہے جو تم پر غالب آگیا ہے تو ہم تمہارا علاج کرائیں گے تاکہ تم تندرست ہو جاؤ، یا قوم تمہیں اس سبب سے معذور سمجھے۔

ان باتوں کو سُن کر خدا کے رسول نے فرمایا "اے معشرِ قریش! یہ سب کچھ درست نہیں، سچی بات صرف اتنی ہے کہ خدا نے مجھے تمہارے پاس اپنا رسول بناکر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے اپنا بشیر و نذیر بنایا ہے، میں نے اس کے پیغام تمہیں پہنچا دیے ہیں اور اچھی طرح سمجھا بھی دیے ہیں، اگر تم نہ مانو گے تو ایسی صورت میں میں اپنے رب کے حکم کا انتظار کروں گا کہ وہ میرے اور تمہارے بارے میں کیا حکم بھیجتا ہے۔

جب انھوں نے گفتگو کا یہ رنگ دیکھا اور ناامید ہو گئے تو اب آپ سے معجزات طلب کرنے لگے اور کہا کہ :-

اچھا محمد! تم اپنے خدا کو ہر طرح قدرت والا کہتے ہو، اس سے سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو جو اطراف سے ہمیں گھیرے ہوئے ہیں، انھیں ہٹادے تاکہ ہمارے شہر کا میدان کھل جائے اور ہمارے پاس پانی کی بھی بے حد کمی ہے، شام و عراق کے مانند یہاں بھی ہمارے واسطے نہریں پیدا کر دے، اور ہمارے آباو اجداد کو بشمول قصی بن کلاب، دوبارہ زندگی عطا کرے۔ کیوں کہ وہ ہمارا رئیس اور بڑا صادق الکلام تھا، ہم اس سے تمہارے بارہ میں ضرور دریافت کریں گے، اگر تم ایسا کردو گے تو تب ہمیں یہ یقین آئے گا کہ تم سچے اور

بے شک خدا کے رسول ہو۔ اور واقعی اُس کے نزدیک تمہارا بہت بڑا درجہ ہے۔
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی باتوں کے لئے نبی بناکر نہیں بھیجا گیا ہوں۔ میرا کام خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچانا اور اس کی دی ہوئی تعلیم پر تمہیں چلاتا ہے جس کے انجام دینے ہی میں مشغول ہوں، اگر تم نہیں مانتے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔
قریش نے کہا اچھا! اگر تم ہمارے لئے کچھ نہیں کرسکتے تو کم از کم خود اپنے لئے خدا سے کہو کہ وہ ایک فرشتہ تمہارے ساتھ اس لئے مقرر کردے کہ وہ ہر وقت تمہاری صداقت کی گواہی دیا کرے اور مخالفت کرنے والوں کو روکتا رہے۔
ہاں! یہ بھی سوال کرو کہ تمہارے لئے باغ اور بڑے بڑے محل بنادیئے جائیں، سونے چاندی کے خزانے بھی ملیں کہ جس کی تمہیں بہت ضرورت ہے، تب ہم تمہاری بزرگی کے قائل اور اللہ کا رسول ہونا تسلیم کرلیں گے۔
حضورؐ نے فرمایا کہ میں خدا سے ایسا بھی سوال نہیں کروں گا، کیوں کہ خدا نے مجھے ان باتوں کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے۔ تم مجھے مانو تو بہتر ہے ورنہ میں صبر کروں گا اور خدا کے فیصلہ کا انتظار کروں گا۔
تب قریش نے کہا تم ہمیں اکثر عذاب سے بھی ڈرایا کرتے ہو، اچھا تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا ہی گرادو، کیوں کہ تم یہ یقین رکھتے ہو کہ اگر خدا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے جب تک تم ایسا نہ کردکھاؤ گے ہم ہرگز ایمان قبول نہیں کریں گے۔
محمدؐ! دیکھو ہم نے سب تدبیریں کر دیکھیں، اور ہر قسم کے عذرات تمہیں سنادیئے ہیں، قسم کھاکر یہ کہے دیتے ہیں کہ ہم ہرگز تم کو اس دین کی تبلیغ نہ کرنے دیں گے حتیٰ کہ ہم مرجائیں یا تم مرجاؤ۔
ان میں سے ایک نے اٹھ کر جب یہ کہا کہ اے محمدؐ! جب تک خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں اس وقت تک تمہاری بات کا یقین ہی نہیں کریں گے —— تو یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے آپ کے ساتھ آپ کے پھوپھی زاد بھائی کا بیٹا عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ! تمہاری قوم نے اپنے واسطے چند چیزیں طلب کیں تم نے اس کے پورا کرنے سے

انکار کیا، پھر انھوں نے یہ چاہا کہ خود تم اپنے لئے کچھ کر دکھاؤ تو اسے بھی تم نے قبول نہیں کیا
آخر مجبور ہو کر اپنے حق میں اسی عذاب کے طلب گار ہوئے جس کا تم خوف دلایا کرتے ہو
تو تم نے ایسا کر دکھانے پر بھی آمادگی ظاہر نہ کی۔

اس طرح یہ کوششیں بھی ناکام ہو کر رہ گئیں، کتاب ربانی کی ان آیات شریفہ
میں اسی واقعہ کی تفصیل بزبان وحی یوں فرمائی گئی ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۗ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

پ ۱۵ ۔ سورۂ بنی اسرائیل ۔ ع ۔ ۱۰ ۔ آیت (۹۰ تا ۹۳)

اور کہتے ہیں کہ ہم اسوقت تک تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ بہادے، یا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ تیرے لئے ہوجائے اور تو اس میں نہریں جاری کردے، جیسا تو کہتا ہے ہم پر آسمان کا ٹکڑا لا گرا، یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کھڑا کردے، یا یہ کہ تیرے رہنے کیلئے ایک سونے کا گھر بن جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے کو بھی ہم اسوقت تک باور نہیں کرینگے جب تک وہاں سے ہم پر ایسی کتاب اتار نہ لائے جسے ہم پڑھیں، کہہ دو اے پیغمبر! سبحان اللہ میں تو خدا کا ایک قاصد بشر ہوں۔

بات یہ ہے کہ خدا کے برگزیدہ رسول اپنی صداقت کے ثبوت میں اولاً دین الٰہی
ہی کو پیش کرتے ہیں، کیوں کہ حسب فرمائش معجزات پیش کرنے کے بعد "ایمان بالغیب"
کی شان و خوبی باقی نہیں رہتی۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ جب انسان بے مثل جوہر
عقل سے آراستہ ہے، اور اسے اس عطیۂ خاص کے باعث ساری مخلوق پر شرف
بخشا گیا ہے اور زمین پر خدا کا خلیفہ بن کر حاکم و متصرف ہے اور اپنے زمانۂ تخلیق سے
اس وقت تک برابر و مسلسل اس جوہر کے نت نئے کمالات دکھانے میں مشغول ہے
اور اس عطیہ کی قدر و قیمت کا یہ حال ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی عظمت بھی اس کے
پاسنگ کو نہیں پہنچتی۔ یہاں تک کہ اسی کے کس بل پر خلا اور بحر و بر کو مسخر و مطیع

بنتا چلا آتا ہے، چاند اور دیگر فلکی کروں میں رسائی کی تاب پاتا ہے، ایٹم کا راز معلوم کر لیتا ہے، فطرت کے بے شمار اسرار کے کھوجنے اور انھیں پا لینے کی صلاحیت رکھتا ہے تو مقام غور ہے کہ پھر خدا کو اِس (انسان) کا امتحان کس طرح لینا چاہیے تھا۔ لہٰذا قدرت انسان کو عطاء جوہر عقل کے بعد اس کو زمین کی زندگی میں اور ایسے حالات میں مبتلا کر کے اس کے اِسی جوہر کی آزمائش کرتی رہتی ہے۔

پھر بھی زمانہ کا اور لوگوں کی عقلوں کے تفاوت کا لحاظ فرما کر "وہ رؤف رحیم" اپنے بندوں پر اپنے ترحم کو کام میں لاتا ہے۔ پیغمبروں کو بھیج کر ان کی رہنمائی فرماتا اور ان کی شناخت کے لئے انھیں معجزات بھی عنایت فرماتا ہے۔

یوں تو اَنْبِیَا عَلَیْهِمُ السَّلَام کی ساری زندگی بکثرت بے طلب معجزات سے بھرپور رہتی ہے تاکہ لوگوں کو ان کے پہچاننے میں دقّت نہ ہو۔ اولاً اہل کفر کی فرمائشوں پر معجزات کے عطا کرنے سے قدرت گریز کرتی ہے تاکہ وہ اپنے جوہر عقل کے کام میں لانے پر مائل و مجبور ہوں لیکن جب کوئی امت نبی کے دین و تعلیمات کو اور اس کی زندگی اور روزمرہ پیش آنے والے واقعات کو نہیں سمجھتی، اور اندھی بن جاتی ہے، ضد، دشمنی اور جہالت سے فرمائش کے پورے کئے جانے ہی پر اتر آتی ہے تو پھر فرمائشی معجزے بھی دیئے جاتے ہیں، تاکہ تکمیل حجت ہو جائے، اور ایسے معجزات کے محل کو صرف خدا ہی بہتر جانتا اور منتخب فرماتا ہے کسی نبی و رسول کو اس میں کوئی اختیار نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم معجزہ کے باب میں مفصلاً بیان کر آئے ہیں۔

صاحب شریعت کے سوا اس زمانہ میں خود اسلام قبول کرنے والوں پر کیا گزر رہی تھی، اس کا اندازہ کرانے کے لئے یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کی جاتی ہے اس وقت تک حضرت سیدنا امیر حمزہؓ اور حضرت عمرؓ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اعلان نبوت کو صرف چھ سال ہی گزرے تھے (سنہ ۶ نبوت م ۶۱۵ء)۔

حضرت امیر حمزہؓ کو داخلِ اسلام ہوئے تین دن بھی نہ ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے خاندان کے چند لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تو بہت طیش میں آ گئے، اسلام کی دشمنی میں ان کا اس وقت یہ حال تھا کہ ایک کنیز جو مسلمان ہو چکی تھی، اس کو اس بُری طرح زدوکوب کیا کرتے کہ جب مارتے مارتے تھک جاتے

تو یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیتے کہ ذرا دم لے کر پھر ماروں گا مگر ان سختیوں سے کسی کے دین میں ذرا سی بھی جنبش پیدا نہ ہو سکی تو بالآخر یہ قصد کیا کہ کیوں نہ اسی نبی کو ہی ختم کر دیا جائے یہ ارادہ کر کے اپنے جسم پر ہتھیار سجائے، تلوار لٹکائی اور گھر سے چل پڑے، راستہ میں کسی نے پوچھا کیوں خیر ہے کس کو تہہ تیغ کرنا ہے تو کہا کہ آج محمدؐ کا کام تمام کر کے ہی دم لوں گا، تو اس شخص نے کہا تمہیں پتہ نہیں کہ خود تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، پہلے ان کی خبر تو لو! یہ سننا تھا کہ جوشِ غضب اور بھڑک اٹھا اور بہن کے گھر کا رخ کیا، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں، جب اندر آئے تو پوچھا کیا پڑھ رہی تھیں۔ بولیں کچھ نہیں، تو کہا میں سن چکا ہوں، اور تم چھپا رہی ہو، میں خوب جانتا ہوں کہ تم دونوں اپنے آبائی مذہب سے پھر گئے ہو۔ بہنوئی سے الجھ پڑے، بہن بچانے کو آئیں تو ان دونوں کو اتنا مارا کہ خون بہنے لگا۔ بہن نے کہا اے بھائی! تو جو چاہے سو کر، ہم جان دے دیں گے لیکن کسی حال اسلام نہیں چھوڑیں گے، عزم سے بھرے ان اٹل الفاظ کا ان کے دل پر بڑا گہرا اثر پڑا، اور کہا اچھا تم جو کچھ پڑھ رہی تھیں ذرا مجھے بھی تو سناؤ۔ سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع تھا جب آیاتِ شریفہ سننے لگے تو اتنے بے تاب ہو گئے کہ زار و قطار رونے لگے، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حضرت ارقمؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا، جہاں آپ نے پناہ لی تھی، اور حضورؐ کے پاس اس وقت حضرت حمزہؓ اور ان کے علاوہ چند اور صحابہ بھی حضوری کا شرف رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے پہنچ کر مکان پر دستک دی، چوں کہ ہتھیار بند آئے تھے صحابہ کرام کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو، نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا، جب اندر داخل ہوئے، اور اسلام قبول کیا تو بر ملا عادت شریفہ سے کچھ زیادہ آواز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے اللہ اکبر کے الفاظ نکل پڑے تو یہ دیکھ کر حاضرین نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

ایسے حالات، ایسے ماحول، اور ایسی قوم میں حضورؐ نے جس طرح فرائضِ رسالت ادا فرمائے ہیں اس پر مولانا شبلیؒ نے ان الفاظ میں بہت سچا اور نہایت عمدہ

تبصرہ کیا ہے کہ :-

"اگر آپ کا فرض صرف اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السّلام کی طرح صرف تبلیغ و دعوت پر اکتفا فرمائیں، یا حضرت کلیم کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی لیکن خاتم انبیاء کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغِ اسلام سے منوّر کر دینا تھا اس لئے نہایت تدبیر و تدریج سے کام لینا پڑا۔"[1]

"سقراط زہر کا پیالہ پی کر فنا ہو گیا، نوح نے مخالفت سے تنگ آکر طوفان کی استدعا کی، عیسیٰ (۳۰، ۴۰ شخصوں کی جماعت پیدا کر کے سولی چڑھ گئے، لیکن سرورِ کائنات کا فرض ان سب سے بالاتر تھا حضرت خبابؓ نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرتؐ سے ان کے حق میں بددعا کی خواہش کی تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں، جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ ادائے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا یہاں تک کہ شتر سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔" (بحوالہ صحیح بخاری باب مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین[2])۔

اس وقت تک جو لوگ رؤسائے شہر میں سب سے زیادہ آپ کی شدید مخالفت میں مشغول اور دن رات اسی کام میں لگے ہوئے تھے، ابنِ سعد نے اپنے طبقات میں ان کے حسب ذیل نام گنائے ہیں :-

ابو جہل[1] (فرعون ہذہ الامۃ) ابولہبؓ[2]، اسود[3] بن عبدیغوث، حارث[4] بن قیس بن عدی، ولید[5] بن المغیرہ، ابی[6] بن خلف، ابو قیس[7] بن الفاکہ بن المغیرہ، عاص[8] بن وائل نضر[9] بن حارث، منبہ[10] بن الحجاج، زہیر[11] بن ابی امیہ، سائب[12] بن صیفی، اسود[13] بن عبدالاسد، عاص[14] بن سعید بن العاص، عاص[15] بن الہاشم، عقبہ[16] بن ابی معیط، ابن[17] الاصدی، ہذلی[18]، حکم[19] بن ابی العاص، عدی[20] بن حمرا۔

---

[1] سیرۃ النبی جلد اوّل ص۲۰۵   [2] سیرۃ النبی جلد اول ص۲۵۷

معاندین اسلام نے جب دیکھا کہ ان کی ساری تدبیریں بے کار ثابت ہو رہی ہیں، دینِ الٰہی برابر پھیلتا جاتا ہے، حمزہ اور عمر جیسے جری اور بہادر بھی اس میں داخل ہو گئے اور ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیا، شاہِ حبشہ کے دربار میں بھی کوشش کی گئی، لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔ بنو ہاشم جو نبی کا قبیلہ ہے وہ اگرچہ پورا مسلمان نہیں ہوا پھر بھی محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑتا، اس لئے اس بار سابقہ اقدامات کے مقابلہ میں ایک بہت سخت تدبیر اختیار کی گئی۔ طے یہ کیا گیا کہ سب لوگ بنی ہاشم سے ترکِ تعلقات کر لیں گے، ناطے رشتے توڑ دیں گے، گلیوں اور بازاروں میں پھرنے اور کھانے پینے کی چیزیں مول لینے نہیں دیں گے اور ان کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائیگا اور اس وقت تک نکلنے نہیں دیا جائے گا جب تک کہ ابو طالب، محمدؐ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

اس غرض سے ایک معاہدہ مرتب کیا گیا جس کا کاتب منصور بن عکرمہ بن عامر تھا جس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ اشقی سردارانِ قوم نے اس پر اپنی مہریں لگائیں اس کی پابندی کرنے اور اس کو روبہ عمل لانے پر مضبوط قول و قرار کیا گیا۔ پھر یہ معاہدہ بعد تکمیل خانۂ کعبہ میں محفوظ کر دیا گیا۔ حضرت ابو طالب اس طرح تمام بنی ہاشم و بنی مطلب کے ساتھ عقبہ کی گھاٹی میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوئے۔ یہ واقعہ پہلی محرم ۷ نبوت (۳۰۔ سپتمبر ۶۱۵ء سہ شنبہ) کو پیش آیا۔ بقیہ جو مسلمان رہ گئے تھے وہ شہر میں قیدیوں جیسی زندگی گزارنے لگے تھے۔ مولانا شبلیؒ سیرۃ النبی (جلد اول) ص ۲۴۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا تقریباً تین سال تک حضرت نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مع حضرت خدیجہ و اہل خاندان اس درہ میں محصور رہے اور سب لوگ درختوں کی پتیاں کھا کر زندگی کے دن دردناک مصائب کے ساتھ بسر کئے۔

ہماری رائے میں اسی زمانہ محصوری میں معجزۂ شَقُّ الْقَمَر وقوع میں آیا ہے[1] جس کی آگے تفصیل آتی ہے۔

---

[1] چونکہ واقعات معجزہ کے سلسلے کے لئے بھی اس مقام (شعب ابی طالب) کی اہمیت ہے لہٰذا اس کے متعلق مزید

(بقیہ بر ظہر ہذا)

(بہ سلسلہ گزشتہ)

ضروری تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ بعضوں نے شعب ابی طالب کو عقبہ کی گھاٹی (بیعت عقبہ والی) تصور کیا ہے اس کا دوسرا نام شعب بنی ہاشم بھی آتا ہے، کتاب رحمۃ للعالمین (جلد اول ص ۱۱۳) میں وضاحت ہے کہ "عقبہ" الحرا اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۷۱ پر لکھا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اب مسجد عقبہ ہے اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب عہد نبوی کے میدان جنگ" (مطبوعہ حیدر آباد بار سوم) ص ۳ پر تحریر کیا ہے کہ "منیٰ کے قریب راستے کے دونوں طرف پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار ہے، مکے سے جائیں تو حدود منیٰ شروع ہونے کو بہ مشکل ایک فرلانگ رہتا ہے کہ بائیں ہاتھ پر اس پہاڑی دیوار میں ایک چھوٹا سا خم آتا ہے جو کمان بلکہ نصف دائرے کی شکل کا ہے اور اتنا بڑا کہ دلی کی جامع مسجد یا حیدر آباد کی مکہ مسجد مع اپنے صحنوں کے اس کے اندر سما سکیں، یہ مقام عقبہ کہلاتا ہے ...... جس مقام پر مشہور بیعت ہائے عقبہ ہوئی تھیں وہاں ایک کافی بڑی مسجد بھی ہے .... اسے آج کل مسجد العشرۃ کہتے ہیں" موصوف نے تاریخ مکہ تقی الدین الفاسی کی عربی عبارت دے کر اس کا یہ ترجمہ دیا ہے کہ یہ مسجد منیٰ کی گھاٹی کے قریب ہے، اتنا کہ اس کا اور گھاٹی کا فاصلہ پتھر پھینکنے کی زد یا اس سے کچھ زیادہ ہے .... اس کا حسب ذیل نقشہ بھی دیا ہے:-
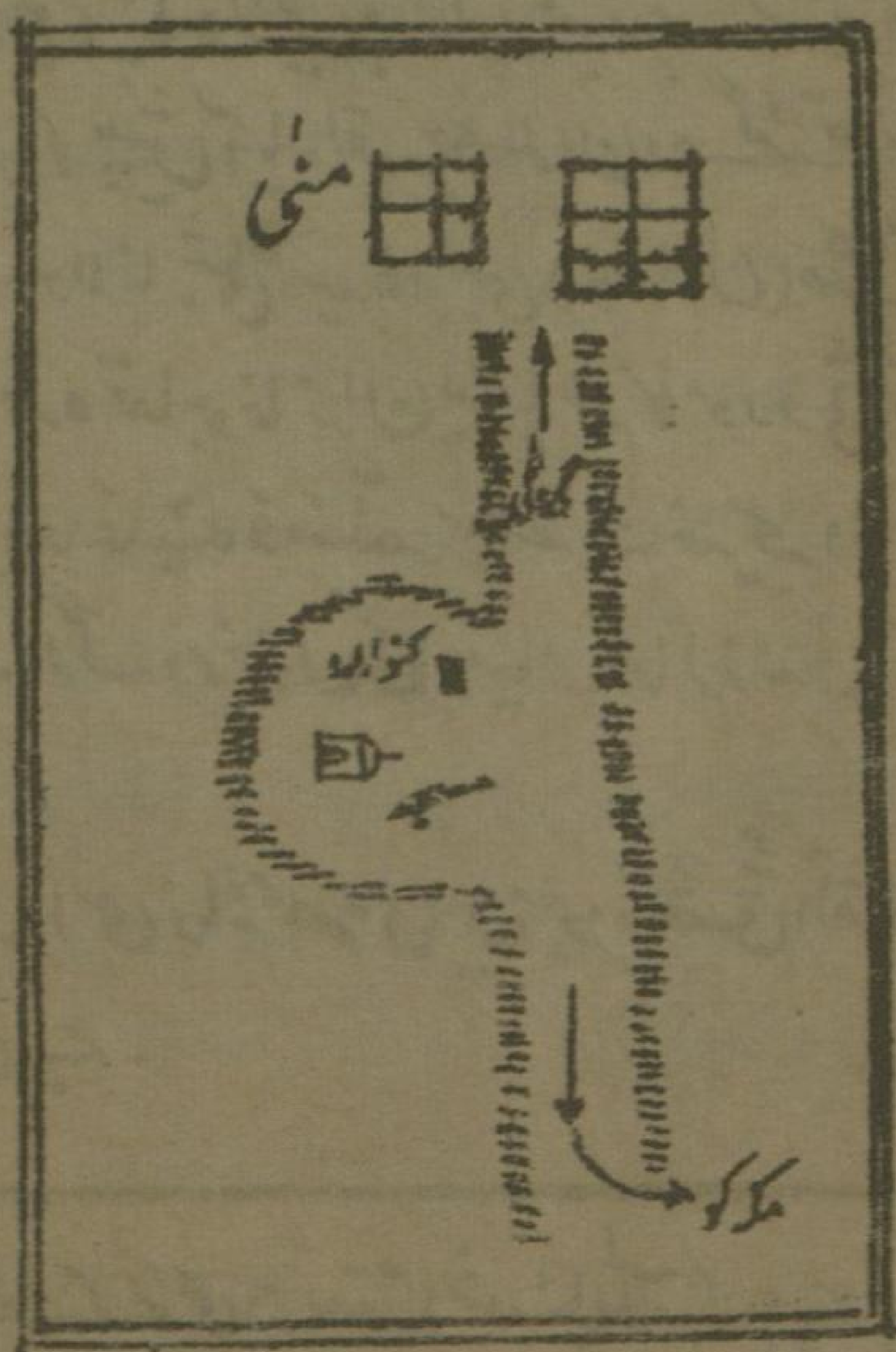
(ب) چند معجزات قبلِ واقعہ شق قمر

قرآن پاک نے جن آیات شریفہ میں معجزۂ شق القمر کے واقعہ کو ظاہر فرمایا ہے ان ہی آیات میں یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کفار اور مشرکین اس سے قبل متعدد معجزے دیکھ چکے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوا:-

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ؁
پ۲۷ - سورۂ قمر - رکوع ۱ - آیت (۲)

اگر (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے، جو زائل ہو جائے گا۔

گو اس آیت شریفہ کے بلیغ ایماء میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات بھی شامل ہو سکتے ہیں اور خود حضور کے بھی، لیکن ہم یہاں معجزۂ شق القمر سے قبل جن دیگر معجزات کا ظہور ہوا تھا، ان میں سے چند کا سرسری ذکر کرتے ہیں۔

(۱) جب ابولہب، آں حضرتؐ کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کی دونوں صاحبزادیوں (رقیہ اور ام کلثوم) کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دیں، تو ان میں سے ایک عُتَیبہ نامی لڑکا آپ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا، اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا ہے پھر اس بدبخت نے آپ کا پیراہن چاک کر دیا تو حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کو مسلط کر دیجئے۔ اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر گیا، ایک روز قریش کا قافلہ مکہ سے تجارت پر جا رہا تھا تو عُتَیبہ بھی اس کے ہمراہ روانہ ہو گیا، جب شام کے ایک علاقہ میں جس کا نام "زرقاء" ہے قافلہ رات کے وقت پہنچا تو اہل قافلہ کو قیام کرنا پڑا، آدھی رات کے قریب ان لوگوں کو یہ سنسنی پیدا کرنے والی خبر ملی کہ کوئی شیر قافلہ کے اطراف گھوم رہا ہے، جب انھوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا تو سب اٹھ بیٹھے اور عُتَیبہ کو سرکار کی بددعا یاد آ گئی تو بہت ڈرنے اور لرزنے لگا، اس کے کہنے سے قافلہ والوں نے ایک حلقہ بنا کر اسے اپنے

درمیان لے لیا، مگر تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ شیر کسی کو ستائے بغیر ان لوگوں کے درمیان سے گزر کر ٹھیک عتیبہ کے پاس پہنچا اور اس کا سر پکڑ لیا اور اسے پھاڑ ڈالا۔[۱]

(۲) حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جہل بولا کہ محمدؐ اپنا سر مٹی پر رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھا کرتے ہو، اگر میں دیکھ پاؤں تو لات و عزیٰ کی قسم، اس کی گردن رگڑ دوں گا۔ اتفاق سے ایک مرتبہ جب اس نے آپ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اسی ارادے سے آگے بڑھا، اسی کے ساتھ پھر لوگوں نے اچانک دیکھا کہ وہ الٹے پیر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سامنے بڑھائے ہوئے جیسے کسی چیز سے بچتے ہیں، پیچھے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ماجرا ہے، کہنے لگا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان مجھے ایک خندق نظر آرہی ہے، جس میں آگ اور طرح طرح کی خوفناک چیزیں ہیں اور ایک مخلوق ایسی ہے جس کے بازو اور پر ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر وہ ذرا اور قریب میرے آتا تو فرشتے اس کو اچک لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔[۲]

(۳) ابتداء عہد نبوت (سنہ ۶۱۰ء) میں جزیرۃ العرب کے ہر دو جانب روم اور ایران کی دو مشہور اور زبردست سلطنتیں قائم تھیں، شاہنشاہِ ایران کا نام خسرو تھا اور رومی فرماں روا ہرقل کہلاتا تھا (اکادیوس) نبوت کے پانچویں سال سنہ ۶۱۳ء میں، ان دونوں ممالک کے درمیان ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی رومی عیسائی مذہب کے پیرو تھے، اور ایرانی آفتاب و آتش پرست تھے، مشرکین مکہ کو ایرانیوں سے دلچسپی اور ہمدردی ہو گئی تھی، کیوں کہ وہ عیسائیوں سے ناراض اور ان سے نفرت کرتے تھے جو خانۂ کعبہ پر حملے کے وقت سے پیدا ہو گئی تھی، اور ابرہہ جو شاہ حبش نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اور عیسائی مذہب رکھتا تھا اور صنعا میں ایک گرجا کی تعمیر کی تھی، جس کی مقبولیت بڑھانے کی خاطر اس نے ۶۰ ہزار کا لشکر ہاتھیوں سمیت لے کر خانۂ کعبہ ڈھانے کے لئے سنہ ۵۷۱ء میں مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ ان کافروں کے برخلاف مسلمان کو رومیوں سے ان کے اہل

---

[۱] الجواب الصحیح ابن تیمیہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۱۔ مستدرک حاکم و البدایہ و النہایہ جلد ۶ صفحہ ۲۶۳
[۲] صحیح مسلم باب قولہٗ تعالیٰ "وما کان اللہ لیعذبھم"۔

کتاب ہونے کے باعث ہمدردی و دلچسپی تھی، اس جنگ کی نسبت اہل مکہ کے اس تعلق خاطر کے واقعات جو حدیثوں کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں اور پھر اس سلسلہ میں جو وحی نازل ہوی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک اس لڑائی کی کتنی زبردست اہمیت تھی اور ہر طرف اس جنگ کا کتنا گہرا اثر پڑ رہا تھا۔

غرض ایرانیوں نے رومیوں پر دو طرف سے حملہ کیا، ایک جانب شام سے بڑھ آئے، تو دوسری طرف آذربائیجان سے حملہ آور ہوے اور رومیوں کا تعاقب کرتے کرتے انھیں سمندر میں ڈھکیل دیا اور شام کا ایک ایک شہر ان سے چھین لیا حتیٰ کہ سنہ ۶۱۴ء میں فلسطین اور یروشلم پر قبضہ کر کے اسے بالکل تباہ و برباد کر ڈالا، اور سارے مذہبی مقامات کی توہین کی اور انھیں میٹ کر رکھ دیا۔ (۲۶) ہزار یہودی بھی ایرانی فوج میں شامل ہو کر عیسائیوں سے انتقام لینے میں شریک ہو گئے جس میں (۶۰) ہزار بے گناہ رومی قتل کیے گئے۔ ان میں سے (۳۰) ہزار افراد کے سر تن سے جدا کر کے شہنشاہ ایران کی اقامت گاہ کی آرائش کی گئی اور سنہ ۶۱۶ء تک ایرانی فتوحات کا سیلاب مصر میں بھی داخل ہو گیا، اور سکندریہ جا کر تھما۔ آذربائیجان سے جو فوج چلی تھی وہ ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتے، ہرقل کے دارالسلطنت قسطنطنیہ کے سامنے خیمہ زن ہوی، اب عراق، شام، فلسطین، مصر، اور ایشیائے کوچک کے سارے ممالک ایرانیوں کے زیر نگین تھے اور یوں سلطنت روما کی دھجیاں بکھر گئیں۔

اتنی عظیم تباہی مچاتے کے بعد ایرانیوں نے عیسائیوں کے سامنے جو شرائط صلح پیش کیے تھے ان میں ایک یہ تھی کہ ایک ہزار رومی باکرہ لڑکیاں انھیں پیش کی جائیں۔ ان واقعات کو سن کر مشرکین مکہ بہت خوش ہوے لیکن مسلمانوں کو بے حد رنج و افسوس ہوا، عیسائیوں کی ایسی ذلت آمیز، رسوا کن اور افسوس ناک بربادی کے موقع پر جب کہ عرصۂ دراز تک ان کے سنبھلنے کی کوئی امید و توقع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس یاس انگیز حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وحی ربانی سنائی:-

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى	رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے،
الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	(لیکن) وہ (چند سال میں) غالب ہونگے

سَيَغْلِبُوْنَ ۝ لا فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۵ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ط وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ لا بِنَصْرِ اللّٰهِ ط يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ لا وَعْدَ اللّٰهِ ط لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

کے بعد عنقریب غالب ہوں گے خدا ہی کے ہاتھ میں آگے پیچھے سب اختیار ہے، اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہونگے۔ وہ جس کو چاہے مدد کرے اور وہی زبردست رحم کرنے والا ہے، خدا وعدہ کر چکا (اور) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔ لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

پ ۲۱ — سورۂ روم۔ رکوع ۱ — آیت ۱ تا ۶

جب اس وحی اور پیشین گوئی کی شہرت مکہ میں پھیلی تو وہ کافر جو مسلمانوں سے راہ ورسم رکھتے اور ملتے تھے تو ان کے ساتھ تضحیک و تمسخر سے پیش آنے لگے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پورا ہونا، حالات کے تقاضوں کی رو سے، اور جو واقعات کہ رونما ہو چکے تھے، ان کے نتائج کی روشنی میں محال بلکہ دُور از قیاس تھا۔ اسی لئے اس کے پورے ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہار جانے کی مسلمانوں سے شرطیں باندھ رہے تھے[1] لیکن چند سال کے اندر اس عظیم الشان اور حد درجہ کھلی پیشین گوئی کی سچائی نے ساری دنیا کو محوِ حیرت کر دیا، بالآخر (غزوہ بدر کے وقت تک) ۶۲۵ء میں رومی پھر فتح یاب ہو گئے۔

(۲) احادیث شریف کی کتابوں میں ایک اور واقعہ کا ذکر آتا ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب قریش کے مظالم رُکتے نہ تھے اور انھوں نے مخالفت کا بازار بہت گرم کر رکھا تھا تو آپ نے مجبور ہو کر بددُعا فرمائی

---

[1] چنانچہ مشرکین نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کی کوئی مدت مقرر کرو، اگر پوری ہو جائے تو ہم کئی اونٹ ہاریں دینے کے لئے آمادہ ہیں تو آپ نے (۵) سال کی مدت بتائی لیکن جب حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ عربی زبان میں تین سے نو تک کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے اس لحاظ سے مدت بتانی چاہیے تھی، چوں کہ یہ یکطرفہ شرط تھی، اس لئے پیشین گوئی کے پورا ہونے کے بعد، ہار کے اونٹ کافروں سے حاصل کئے گئے۔

کہ خداوندا! جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مسلسل قحط کا عذاب نازل فرمایا تھا ان لوگوں کو بھی ایسے ہی سات سال تک قحط میں مبتلا فرما دے، چنانچہ مکہ میں ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگ بھوکوں مرنے لگے نوبت یہاں تک پہنچی کہ مُردار اور چمڑے تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔ کمزوری و ناتوانی سے تقریباً سبھوں کا یہ حال ہوا کہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تو ضعف کے سبب انہیں ہر طرف دھواں سا دکھائی دیتا تھا۔ قوم نے مجبور کر کے ابو سفیان کو آپ کی خدمت میں بھیجا، اس نے آ کر عرض کی کہ اے محمدؐ! تم تو لوگوں کو صلۂ رحم کا حکم دیتے ہو مگر یہ کیا کہ خود تمہاری قوم برباد ہوئی جا رہی ہے، یہ سُن کر سراپا رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترس آ گیا اور خداوند تبارک و تعالیٰ سے بارش کے لئے التجا فرمائی، پانی برسا اور لوگوں پر سے قحط کی مصیبت دُور ہو گئی، اس عذاب سے چھٹکارا پاتے ہی قریش نے پھر وہی مخالفت شروع کر دی، اور جب باز نہیں آنے لگے تو خدائے تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو آگاہ فرمایا کہ آئندہ بہت جلد اس گستاخی کا بدلہ تم سے ایک سخت گرفت میں لیا جائے گا:-

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا اِنَّكُمْ عَائِدُونَ ○ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ج اِنَّا مُنْتَقِمُونَ ○	(اچھا) ہم تھوڑی مدت کے لئے اس عذاب کو ہٹا لیتے ہیں (لیکن) تم پھر وہی کرنے والے ہو (البتہ) جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ (تو) ہم (ضرور) بدلہ لیں گے۔
پ ۲۵ ۔ سورۂ دخان ۔ رکوع ۱ ۔ آیت ۱۵، ۱۶	

محدثین و مفسرین نے بالاتفاق کہا ہے کہ بطشِ کبریٰ سے مراد جنگِ بدر ہے جس میں ان لوگوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا۔[1]

منکرین کے طلب کردہ معجزوں کی شدّتِ اہمیت

ابتدائی صفحات پر معجزات کی بحث میں آپ کی نظر سے گزر چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے بارہ میں خدائے تعالیٰ نے ایک قانون مقرر کر رکھا ہے، جسے قرآن حکیم نے سُنَّةَ اللہِ سے تعبیر کیا ہے اور وہ قانون و اصول یہ ہے کہ کسی نافرمان

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان۔

قوم کو اس وقت تک مٹایا نہیں جاتا، جب تک کہ خدا اس میں اپنا رسول نہیں بھیج دیتا۔ (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا) پھر ان کو دعوتِ دین پر اچھی طرح غور و فکر کرنے اس کو سمجھنے اور جانچنے کا موقع عطا فرماتا ہے، ساتھ ساتھ نبی کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے حسب ضرورت معجزات بھی عطا فرماتا ہے یہاں محلِ گفتگو کے لحاظ سے ان معجزوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں، ایک نوع تو بے طلب معجزوں کی ہوتی ہے اور دوسری طلب کردہ۔

پہلی قسم کی صورت یہ ہے کہ نبی کی زندگی کا ہر لمحہ خدائی ربط و تعلق میں بسر ہوتا ہے اسی لئے اس کی "حیات" و عمل کے بے شمار پہلو اپنے دامن میں ان گنت معجزات لئے ظاہر ہوا کرتے ہیں جس کا کسی غیر نبی کے لئے اندازہ کرنا ممکن نہیں[1]، یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کی زندگی بے طلب معجزات کی کثرت سے اتنی بھرپور رہتی ہے کہ اس کی امت وقوم کو اس کے رسول برحق ہونے کا ہر وقت ثبوت مہیا ہوتا رہتا ہے جو ہدایت یابی اور اس پر ایمان لانے کے لئے بہت کافی ہوتی ہے، اس قسم کے معجزات میں حق تعالیٰ کی یہ خاص مصلحت اور مہربانی نظر آتی ہے کہ منکرین عذاب و عقاب کی گرفت سے بچے رہیں، ان کو ڈھیل دی جاتی ہے اور غور و فکر کی مہلت ملتی ہے۔

دوسری قسم کے معجزات جو "طلب کردہ و فرمائشی ہوتے ہیں نہایت فیصلہ کن بہت سخت اور خوفناک ہوتے ہیں اور جو دوست دشمن، کم عقل، عقلمند، عالم اور جاہل سارے دیکھنے والوں کے سامنے حق تعالیٰ کی قدرت اور رسول کی صداقت کا ایک کھلم کھلا اور "بے پردہ نشان" بن کر ظاہر ہوتے ہیں، اسی لئے جلالِ خداوندی اکثر اس قسم کے معجزات کے ظہور کے بعد، منکرین کو دم لینے کی بھی مہلت نہیں دیتا۔

---

[1] ہمارے زمانہ کے بعض معاصرین نے نبی کی زندگی کو سرکاری وغیر سرکاری خانوں میں جو بانٹا ہے وہ امت کے لئے حد درجہ خطرناک فتنہ ہے جو ایک غلط و خطرناک اقدام ہے ان حدود کی صاحب شریعت ہی نے جتنی وضاحت کردی ہے اسکے سوا اسکی پوری زندگی امت کے لئے سرکاری ہے افراد ملت چاہے وہ جلیل القدر صحابہ ہی کیوں نہ ہوں، ایسی تفریق تا قیامت ان سب کی استطاعت سے باہر ہے"

چناں چہ فرقان حمید، حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد کے ایک واقعہ کا امت محمدیہ کے سامنے یوں انکشاف فرماتا ہے:۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○

جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے، کیا تیرا رب اتار سکتا ہے ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے، بولا ڈرو اللہ سے، اگر تم ایمان والے ہو۔

پ۷ - سورۂ مائدہ - رکوع ۱۵ - آیت (۱۱۲)

پھر اس کے بعد فرمایا:۔

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ○

کہا اللہ نے میں بے شک اتاروں گا وہ خوان تم پر، پھر جو کوئی تم میں سے ناشکری کریگا اسکے بعد، تو میں اسکو وہ عذاب دونگا جو کسی کو نہ دونگا جہان میں سے۔

پ۷ - سورۂ مائدہ - رکوع ۱۵ - آیت (۱۱۵)

اس کے بعد جب رسول کے ساتھ نافرمانوں کا وہی رنگ رہتا ہے اس کو اور ایمان والوں کو ستایا جاتا ہے تو بالآخر ان پر نزولِ عذاب کا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے اس سے پہلے پیغمبر اور ماننے والوں کو جو منکرین کے ساتھ رہتے بستے تھے نکال لیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت نوح اور ان کے متبعین کو پہلے کشتی میں سوار کرایا گیا، جس طرح حضرت لوط، ہود، صالح اور شعیب اپنے اپنے پیروؤں کو لے کر نکل نہیں گئے عذاب الٰہی اس وقت تک تھما رہا، اور ایسا ہی ہمیں حضرت موسیٰ، بنی اسرائیل اور فرعون و فرعونیوں کے باب میں بھی نظر آتا ہے

مشرکین مکہ نے بھی آپ سے ہر قسم کے بہت سے معجزے دیکھے جس کی چند مثالیں ہم نے آپ کے سامنے گزشتہ صفحات میں پیش کیں، اسی طرح قریش کی مخالفت کے باوجود آپ کے اخلاق و صفاتِ عالیہ کی خود ان کے نظروں میں کیا کیفیت تھی، اسے بھی آپ نے پڑھا، یہ سب ہوتے ہوئے ان کا جو ظلم و شدت و شقاوت تھی، وہ بھی آپ کے مطالعہ سے گزر چکی جو یہ ثابت کرتی ہے کہ وقت آگیا تھا کہ کفر و اسلام کے بارہ میں قدرت قطعی فیصلہ فرمائے جیسا کہ دیگر انبیاء کے وقت اس کا

دستور رہا ہے کہ باطل کو میٹ دے اور حق کو اس پر فتح و غلبہ بخشے۔

قطعی فیصلہ سے قبل ان کو ایک آخری موقع دیا گیا وہ یہ کہ انھوں نے حضور سید المرسلین و نبی آخر الزماں (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینے کی فرمائش کی، چناں چہ اللہ تعالٰے نے ایسا ہی عظیم، واضح اور کھلا معجزہ آپکو عطا فرمایا جیسا کہ آفتاب اور دن کی موجودگی کا کوئی چھوٹا یا بڑا انکار نہیں کر سکتا۔ اس معجزہ سے بھی انکار یا اس پر سحر کا اطلاق یا شک و شبہ کی ادنیٰ گرد بھی نہیں پڑ سکتی تھی (جس کے واقعات کی تفصیل آئندہ صفحات میں آپ کو ملے گی)۔

جب سرکش معاندین و مشرک رؤسائے قریش نے ایسے واضح معجزہ کو بھی دیکھ کر ایمان قبول نہیں کیا تو اب خدائے تعالٰے نے ارضِ حرم کو ان کے وجود سے پاک کرنے اور اسلام کو غلبہ عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا جو جنگ بدر کے دن پورا کیا گیا۔

حضورؐ کو اطلاع دی گئی کہ عنقریب تم کو تمہاری قوم مکہ سے نکال دے گی لیکن اس کے باوجود وہ خدا کی گرفت و قانون سے بچ نہ سکیں گے، چناں چہ وحی نازل ہوی کہ:۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○ ع	اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھرا دیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت وہ بھی تیرے بعد نہ ٹھیر سکیں گے مگر تھوڑا۔ یہی دستور مقرر کیا گیا ہے ان لوگوں کے لئے جو تجھ سے پہلے ہم نے بھیجے اپنے پیغمبروں میں سے، اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت۔

پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ع ۸۔ آیت (۷۶، ۷۷)

پھر آپ کو ہجرت کی دُعا بتائی گئی، جس کے آخری الفاظ میں فتح مکہ اور کافروں کی تباہی کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ○ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط	اور کہہ اے رب مجھ کو داخلہ دیجیو داخلہ صدق اور نکالیو مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کیجیو مجھ کو اپنے پاس سے نصرت غالب، اور کہہ سچ آچکا اور جھوٹ نکل بھاگا،

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ○ — بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہی ہے۔

پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ع ۹۔ آیت (۸۰، ۸۱)

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور دیگر مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا حکم ہوا۔ مسند امام احمد حنبل میں ہے کہ جب حضورؐ نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور فرمایا کہ افسوس ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔

علانیہ تبلیغ کی ابتداء کو جب تقریباً پانچ سال کی مدت گزری تو معجزہ شق القمر کا ظہور رہوا اور پھر اس معجزہ کے بعد جنگ بدر تک تو ۶½ سال سے زاید عرصہ تک رحمتِ الٰہی نے موقع بخشا۔ اس وقفہ کے زمانہ ہی میں منکرین کے مظالم اپنی آخری انتہا پر پہنچ گئے۔ چناں چہ سفرِ طائف کے جگر خراش واقعات اور دیگر حالات جو ہجرت کرنے تک جاری رہے وہ تاریخِ اسلام کا سب سے زیادہ دردناک باب ہیں چوں کہ یہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں اس لئے ہم اس سے اعراض کرتے ہیں۔

حضور رحمۃ للعالمینؐ کے طفیل میں منکرین پر عذاب کے نزول میں خاص رنگ

حضور رحمتہ للعالمین (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ) اپنی شان نرالی رکھتے ہیں، آپ نے گنتی کے مخصوص اہلِ کفر کے سوا کسی کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ آپ کو تمام لوگوں کا عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جانا بالکل پسند نہ تھا اور آپ کو ان کے یا اُن کی اولاد کے مسلمان ہونے کی امید تھی، اس لئے ہمیشہ دُعائے بد سے احتراز فرمایا۔ آپ کی ساری حیاتِ طیبہ آپ کے اس وصفِ خاص کی شہادت دیتی ہے اس لئے ظاہر و باطن ہر حال میں انسانیت نوازی، ان کی نجات و فلاح، اُن پر شفقت و ترحم (جس کی قرآن نے بھی شہادت دی ہے) کو ملحوظ رکھ کر ذاتِ اقدس نے ہمیشہ اپنے دامنِ رحمت کو کھلا رکھا، اس لئے خداوند تعالےٰ نے بھی اپنے حبیبؐ کے اس مرکوزِ خاطر کا پاس و لحاظ فرمایا:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ط — اور اللہ تعالےٰ ایسا نہیں کریں گے کہ انھیں آپ کے ہوتے ہوئے عذاب دیں۔

پ ۹۔ سورہ انفال۔ ع ۴۔ آیت ۳۳ — (ترجمہ از مولانا اشرف علی رحم)

اور نہ صرف اتنا ہی بلکہ یہاں تک اپنے رسول کی خاطرداری فرمائی کہ اس دنیا سے آپ کے ظاہری پردہ فرمانے کے باوجود جسدِ اطہر کے اس کرۂ زمین پر موجود ہونے کے سبب، اس کے طفیل میں قیامت تک کے لئے گزشتہ قوموں کے جیسے عذاب سے "امت محمدیہ" کو محفوظ فرما دیا، جس کی اوپر والی آیت ہی گواہ ہے غرض طوفان اور پتھروں کی بارش وغیرہ کے ذریعے یک لخت یا جملہ قوم کی تباہی کی بجائے اہلِ کفر کو عذاب میں مبتلا کرنے، انھیں سزا دینے میں ایک خصوصی رنگ، اور حکیمانہ طرز اختیار فرمایا جو مختلف اسلامی جنگوں کی صورت میں رونما ہوا، جس میں مارے جانے والوں کی تعداد حیرت ناک و معجزانہ طور پر اتنی تھوڑی ہے کہ آج تک دنیا نے ایسی مثال نہ دیکھی اور نہ کسی نے ایسا نمونہ پیش کیا۔

جو چند بالکل مٹا دیئے جانے کے قابل تھے صرف وہی ہلاک ہوئے اور باقی سب کے سب باوجود شدت مخالفت کے اسلام میں داخل ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب قوم باوجود بے پناہ خرابیوں کے بہت سی خاص خوبیوں کی بھی حامل تھی، اسی لئے جب اسلام لے آئی تو رذائل سے پاک ہو کر، اور اپنی صلاحیتوں، خوبیوں میں اتنی قوت لے کر اٹھی کہ وہ بہت ہی مختصر مدت میں دنیا کی امام بن گئی اور سارے جہان کی اس نے کایا ہی پلٹ کر رکھ دی، اسی حقیقت کے ذریعے اپنے رسول کی بصیرت و تزکیہ کا اندازہ کرو اور پھر دیکھو کہ کیا یہ بھی معجزہ نہیں، اور پھر اس کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤ گے۔

معجزۂ شق القمر دیکھنے کے باوجود اس کے انکار پر نزولِ عذاب میں جو خاص حکمتِ الٰہی رہی ہے، اسے ہم متعلقہ مبحث میں آگے بیان کریں گے۔

(ج) اصل واقعات معجزہ کا تحقیقاتی مطالعہ

واقعۂ شق القمر کے زمانہ کا تعین

طبری نے حضرت ابن عباسؓ[1] سے بہ سلسلۂ مختلف رواۃ تین احادیث پیش کی ہیں، جن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ معجزہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت فرمانے سے قبل وقوع پذیر ہوا تھا۔[2] اور مستدرک حاکم کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ[3] سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ قبل مخرج النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رونما ہوا تھا[4]، اب یہ بات غور طلب رہ جاتی ہے کہ مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں سے آخر وہ کون سے سال ہوا؟ "کتاب حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین" کے مؤلف نے ابن حجر کی شرح ہمزہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ ہجرت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے[5] اور مشہور قدیم مفسر قرآن واحدی (متوفی ۴۶۸ھ) نے بھی پانچ سال قبل ہی کی قید لگائی ہے۔[6]

ہجرت کا مسلمہ سال بلحاظ بعثت نبوی سنہ ۱۳ نبوت ہے جو اکتوبر سنہ ۶۲۲ء کے مطابق ہوتا ہے اگر اس سے پانچ برس پیچھے جائیں تو اس لحاظ سے شق القمر کا سال وقوع ۶۱۶ء یا ۶۱۷

---

[1] حضورؐ کے چچا عباس بن المطلب کے فرزند تھے شعب ابی طالب میں بزمانہ محصوری پیدا ہوئے، مواہب لدنیہ (جلد اول ص ۳۵۶) میں ہے کہ معجزہ شق القمر کے وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے حضورؐ کی وفات کے وقت ۱۳ سال کی عمر تھی سنہ ۶۸ھ میں بعمر (۷۰) سال انتقال کیا، خلفائے بنو عباس انہی کی اولاد ہیں۔

[2] تفسیر طبری جلد (۲۷) عربی مطبوعہ مصر (سنہ ۱۳۳۱ھ) ص ۴۵۔

[3] نہایت جلیل القدر صحابی، ایمان لانے والوں میں چھٹے آدمی سمجھے جاتے ہیں (۶۰) سال سے زائد عمر میں بعہد خلافت حضرت عثمان سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی۔

[4] مستدرک حاکم جلد (۲) عربی، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد (سنہ ۱۳۴۰ھ) ص ۴۷۱۔

[5] حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین عربی مطبوعہ بیروت (سنہ ۱۳۱۶ھ) ص ۳۹۸۔

[6] تفسیر مواہب الرحمٰن مولانا امیر علی جلد (۲۷) مطبوعہ نولکشور پریس ص ۱۲۳

قرار پاتا ہے، اور جب ہم حالات نبوی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو برس سے شعب ابی طالب میں محصور ہیں اور علی الاعلان دعوتِ نبوت کو پانچ سال کی مدت گزر چکی ہے۔

اس خیال کی تائید ابونعیم کی دلائل سے بھی ہوتی ہے شاید اسی لئے انھوں نے بھی واقعہ شعبِ ابی طالب کے بعد اس معجزہ کے عنوان واحادیث کو جگہ دی ہے[1]۔ طائف کا سفر اس کے بعد پیش آیا ہے، معراج کا واقعہ بھی آگے پیش آتا ہے بہت سے جلیل القدر صحابہ بھی بعد میں مسلمان ہوئے ہیں اور ایسے کتنے ہی اہم واقعات ہیں جو آئندہ رونما ہوئے۔

مقام واقعہ (منیٰ)

مقام واقعہ کی وضاحت میں، بعض صحابہ نے عمومی طور پر "مکہ" کی صراحت کی ہے اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی جو حدیث لکھی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں انشق القمر ونحن بمكة[2] اسی طرح طبری نے حضرت انسؓ کی جو حدیث نقل کی ہے اس میں فانشق القمر بمكة[3] اور حضرت جبیر بن مطعم کی دو حدیثیں ہیں جن میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ نحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة[4] اور مستدرک حاکم میں بھی ان ہی سے نحن بمكة[5] مروی ہے لیکن اس سے ذہن کو مغالطہ نہیں لگنا چاہیئے، کیوں کہ مکہ کے جو ذیلی مقامات ہیں وہ سب اس میں شامل سمجھے جائینگے جیسے کسی ضلع یا ملک کا نام لیا جائے تو اس کے جملہ مقامات داخل سمجھے جاتے ہیں، صحابہ کرام کی بھی ان حدیثوں میں ایسی ہی مراد معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم[6] اور جامع ترمذی[7] میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایات میں آیا ہے کہ نحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى اور ایسے ہی مسند امام احمد[8] میں بھی، اور طبریؔ[9] کی جمع کردہ دو حدیثوں میں بھی

[1,2] دلائل النبوۃ ابونعیم جلد اول دائرۃ المعارف حیدرآباد ص ۹۵ و ص ۹۶۔

[3,4] تفسیر طبری جلد (۲۷) ص ۴۵ و ص ۴۶۔ [5] مستدرک حاکم جلد (۲) تفسیر سورہ قمر ص ۴۷۱۔

[6] صحیح مسلم الجزء السابع باب صفة القيامة (۱۳۳۴ھ) مصر ص ۱۳۲ و ص ۱۳۳۔

[7] ترمذی شریف جلد ثانی (تفسیر سورۂ قمر) مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ ص ۱۶۱۔

[8] مسند امام احمد حنبل جلد اول (مصر) ص ۴۵۶ تحت احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود۔

[9] تفسیر طبری پارہ (۲۷) ص ۴۵، ۴۶۔

حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہی تصریح ملتی ہے۔ بہرحال ان احادیثِ شریفہ سے یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ شق القمر کا معجزہ مقام منیٰ میں ظاہر ہوا۔

آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ اس زمانہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تبلیغ کے سلسلہ میں یہ دستور رہا کہ جہاں چار لوگ جمع ہوتے یا میلہ اور بازار لگتے آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، لہٰذا یہاں اس سلسلہ میں ایک سرسری جائزہ لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ عرب میں قبلِ اسلام و بزمانہ آغازِ اسلام بازاروں کا اور حج کا کیا طریقہ جاری تھا کہ آپ منیٰ تشریف لے گئے۔

عرب میں بازاروں کے لگنے کا دستور اور اِن کے نام

یہ مشہور بات ہے کہ عرب ایک تاجر قوم تھی، خود ان کے ملک میں کئی جگہ بازار لگتے تھے، جہاں ہر طرف سے مالِ تجارت آتا تھا اور لوگوں کی بھیڑ لگتی تھی، قدیم زمانہ سے حج کا بھی ان میں دستور چلا آتا تھا اس میں بھی عرب کے مختلف حصوں سے لوگ آ کر جمع ہوتے تھے۔

جن تاریخوں میں بازار کھلا کرتے تھے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

۱ ۔ دومۃ الجندل ۔ یہ بازار ربیع الاول کی پہلی سے لگتا تھا۔
۲ ۔ مجسر ۔ ارضِ حمیر میں واقع تھا، اور ربیع الآخر میں کھلتا تھا۔
۳ ۔ سوق عمان ۔ یہ بھی ملک حمیر میں داخل تھا جو جمادی الاول میں قائم ہوا کرتا تھا۔
۴ ۔ مشقر ۔ یہ بازار قلعہ مشقر میں ماہ جمادی الآخر میں لگتا تھا، جو بحرین کا مشہور قلعہ تھا۔
۵ ۔ صحار ۔ یہ شہر عمان کا ایک گاؤں تھا جو بحرین میں واقع ہے اور ماہ رجب میں پندرہ دن کے لئے کھلتا تھا۔

ل؁ منیٰ میں اِس زمانہ میں، حاجیوں کے ٹھہرنے اور جمع ہونے کے مقام سے واقعات معجزہ پر غور نہیں کیا جانا چاہیئے بلکہ اُس زمانہ میں اس کے حدود کہاں سے شروع اور کہاں ختم ہوتے تھے، اور زمانۂ جاہلیت ٹھہرنے کی جگہ کون سی تھی، کیا موجودہ ہی تھی؟ قابلِ تحقیق ہے۔

۶۔ شحر۔ یہ مقام بحرِ عرب کے ساحل پر، حضرموت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے، جہاں نصف شعبان سے تجارتی میلہ لگتا تھا۔

۷۔ عدن۔ یہاں اوائل رمضان میں تاجر آتے تھے، اور سلاطین یمن اس کا انتظام کرتے اور یہیں سے براہِ سمندر ہندوستان و سندھ تک سامان جاتا تھا۔

۸۔ عکاظ۔ یہ بازار عرب کے تمام بازاروں سے بڑا، اور سب سے زیادہ مشہور تھا جو نجد و عرفات کے درمیان لگتا تھا۔ ۱۵۔ ذی قعدہ سے شروع ہوتا تو ذی حجہ کا چاند دیکھ کر ختم کیا جاتا تھا، جس میں عرب کے تقریباً تمام اہلِ قبائل جمع ہوا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قرب و جوار کے لوگوں کے لئے بھی ہر اتوار کو کھلتا تھا۔ سنہ ۱۲۹ھ میں خارجیوں کی لوٹ مار کے خوف سے بند ہوا۔[۱]

۹۔ رابیہ۔ (حضرموت) ذی قعدہ کے مہینے میں یہاں تاجر آیا کرتے تھے۔

۱۰۔ ذوالمجاز۔ عکاظ کے بازار سے اٹھ کر لوگ یہاں ۹۔ ذی حجہ تک جمع رہتے اور پھر حج کے لئے چلے جاتے تھے۔

۱۱۔ منیٰ۔ یہاں حج سے فارغ ہو کر لوگ جمع ہوتے، تجارت سے زیادہ مذہبی اور تمدنی میل ملاپ کا ایک مرکز تھا۔

۱۲۔ سوق حباشہ۔ یہ بازار دیارِ بارق میں قنونا میں جو مکہ سے یمن کی طرف ہے، سال میں دو مرتبہ، ایک بزمانۂ حج، اور دوسرے ماہ رجب میں لگتا تھا۔

۱۳۔ دبا۔ یہ عمان کی بندرگاہ تھا، یہاں ہندوستان، چین و افریقہ کے تاجر آیا کرتے تھے۔

۱۴۔ نطاۃ خیبر۔[۲]

منیٰ میں بزمانۂ حج جمع ہونے کا دستور
قبلِ اسلام و بعدِ اسلام

الغرض لوگ جب مقام منیٰ[۳] میں جمع تھے تو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فتح الباری جلد سوم ص ۴۷۴۔ [۲] بازاروں کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب الازمنہ والامکنہ ابو علی مرزوقی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد دوم ص ۱۶۳

[۳] منیٰ مکہ سے مشرق میں ۳۔ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

غالباً شعب ابی طالب سے نکل کر یہاں تشریف لائے، اس گھاٹی کو شعب بنی ہاشم بھی کہا جاتا تھا، جو تین گھاٹیوں کے درمیان واقع تھی، تاریخ مکہ معظمہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اب یہاں بستی بن گئی ہے جس کا نام محلہ ہاشمی ہے جو سوق اللیل کے سامنے ہے[1]

مخفی نہ رہے کہ حج کا دستور عربوں میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت ہی سے جاری تھا جو ملت حنفیہ کے امام اور عرب کے لئے احکام مقرر کرنے والے تھے، ہر سال بعد حج منیٰ جانے کا قاعدہ بھی اسی وقت سے چلا آتا تھا، اسی لئے قرآن نے عربوں کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ نیا دین نہیں بلکہ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ہے۔ عہد جاہلیت میں بھی عربوں کے لئے حج ان کے دین کے اصول میں داخل تھا، اسی لئے حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ "قفوا علی مشاعدکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراهیم" (اپنے مشاعر پر قائم رہو، کیونکہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کے ورثہ میں سے یہ تم کو ملا ہے) لیکن انھوں نے حج میں بعض ایسے اعمال و افعال کو داخل کر لیا تھا جو حضرت ابراہیمؑ کی سنت سے نہیں تھے بلکہ ان کے خود ساختہ تھے، جس سے روکنا اور حج کے احکام و مراسم کی اصلاح کرنا ضروری تھا۔ اس لئے جب اسلام آیا تو اس نے ان کو صاف اور پاکیزہ کر دیا۔ قدیم سے لوگ عمرہ بھی کیا کرتے تھے۔

منیٰ کے اجتماع میں یہ ناپسندیدہ طریقہ داخل کر لیا گیا تھا کہ یہاں ٹھہرنے کے تین دنوں میں لوگ محض اپنے آباء و اجداد کی بڑائیاں بیان کرنے میں مشغول ہو جایا کرتے تھے، یا پھر اپنے حسب و نسب پر تفاخر کا اظہار کرتے اور خود اپنے کارناموں کی فخریہ داستانوں کو شعر و ادب کا لباس پہنا کر پیش کیا کرتے تھے، حالانکہ وقوف منیٰ کی اصلی غایت ہرگز یہ نہیں تھی اس لئے خدائے تعالیٰ نے بذریعہ وحی اس کام سے منع فرمایا اور حکم ہوا کہ تم یہاں اپنے باپ داداؤں کے تذکرہ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو، چنانچہ اس آیت شریفہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[2] (پ ۲ سورہ بقرہ)

---

[1] تاریخ مکہ معظمہ غلام دستگیر ہاشمی نامی۔ کریمی پریس لاہور ۱۳۲۶ھ۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ مولانا شاہ ولی اللہؒ جلد دوم ابواب الحج۔

رکوع ۲۵- آیت ۲۰۰) اور منیٰ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو خدا کی راہ میں قربان فرمانے کی کوشش کی تھی۔ زمانۂ جاہلیت منیٰ کی کتنی عزت وحرمت تھی اس کا اندازہ حضرت ابوطالب کے اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے۔[۱]

ولیلۃ جمع والمنازل من منیٰ
وھل فوقھا من حرمۃ ومنازل

(اور اس رات کی (پناہ) جس میں لوگ منیٰ میں جمع ہوتے ہیں اور منیٰ کے ان مقامات کی پناہ جہاں لوگ اترتے ہیں ـــ کیا ان سے بڑھ کر بھی کہیں کوئی عظمت کی جگہ ہے۔

ہمیں معجزۂ شق القمر کی صحیح تاریخ اور وقت تک پہنچنے کے سلسلہ میں اس امر کی تحقیق کی ضرورت داعی ہوتی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ حج عہدِ جاہلیت میں کس تاریخ کو ادا کیا جاتا تھا، اور پھر یہاں سے منیٰ کے لئے کب نکلتے اور وہاں کتنے دن قیام ہوتا اور کن مہینوں کی یہ لوگ عزت وحرمت کیا کرتے تھے۔

قمری سالوں میں تبدیلی کے لئے مشرکین کا طریقہ اور اس کی اہم تفصیلات[۲]

یہ بہت مشہور بات ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کی اہل عرب بڑی عزت وتکریم کرتے تھے جنہیں اَرْبَعَۃٌ اَشْھُرٌ حُرُم کہا جاتا تھا۔ رجب کا ایک مہینہ اور پھر ذی قعدہ تا ختم محرم مسلسل تین مہینے تھے جس میں لازمی طور پر سارے قبائل جنگ وجدل سے باز آجاتے، نیزوں کی بھالیں اتار ڈالتے۔ کمروں سے ہتھیار کھول رکھتے تھے اور ہر قسم کی باہمی دشمنیوں کو اس زمانہ میں یک لخت فراموش کر دیا جاتا تھا اور اس کے اتنے سخت پابند تھے کہ اگر کسی پر خون کا دعویٰ بھی رہتا تو ہرگز ایسے شخص پر کبھی ان کا دست انتقام نہیں اٹھتا تھا۔ ان اصولوں کی بہت سی مصلحتوں کے تحت پابندی کی جاتی تھی۔ مثلاً تجارت کے لئے بازار پورے اعتماد کے ساتھ بے خوف وخطر

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۹۳۔ [۲] اس سلسلہ کی ایک بحث کتاب ہذا کے باب دوم عنوان "فریضۂ حج قمری مہینوں کے حساب سے ادا ہوگا" کے تحت گزر چکی ہے۔

کھس سکیں، اور لوگ اپنی جان و مال کو محفوظ یقین کر کے ان میں شریک ہوں اور خود اہلِ عرب کو بھی سال بھر کی ہنگامہ آرائی کے بعد اس عنوان سے آرام لینے کا موقع مل جائے، لیکن ایسی قوم کے لئے جو ہمیشہ جنگ و جدال کی عادی چلی آ رہی تھی، اور اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، متواتر تین مہینوں تک رکا رہنا بہت شاق گزرنے لگا تو انھوں نے اپنے اس قدیم دستور میں تغیر و تبدل کرنے پر غور کیا، اس کے سوا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے قمری مہینے استعمال کرتے چلے آرہے تھے، اور سال بارہ مہینوں ہی کا شمار کر کے اسی حساب سے فریضۂ حج ادا کیا کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں حج کا مہینہ مختلف موسموں میں چکر کاٹنے لگا اس لئے ان کو شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ اس فریضہ کو ایسے وقتوں میں مقرر کرنا چاہئیے جو سردی گرمی کے لحاظ سے معتدل ہو، درختوں سے پتے نکل رہے ہوں اور ہر طرف سبزہ اگ رہا ہو، تاکہ دوسرے علاقوں کے لوگ موسم خوش گوار پا کر بکثرت حج کے لئے مکہ آسکیں۔

ان ہی وجوہ کے باعث کہا جاتا ہے کہ عربوں نے اسلام سے دو سو برس قبل یہودیوں سے سال کے گھٹانے بڑھانے (النسئی) کا طریقہ سیکھا، محققین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مہینوں کے موجودہ نام "کلاب بن مرہ" کے زمانہ میں وضع ہوئے ہیں اور اس وقت ان میں جو موسم پڑتا تھا ان ہی کے لحاظ سے ان کا نام رکھا گیا تھا اور اس سے قبل ان کے جو نام تھے اس کی بھی کتابوں میں تفصیلی وضاحت موجود ہے۔

سال میں کمی و زیادتی کرنے اور حج کی تاریخ مقرر کرنے کا کام عربوں نے اپنے ایک قبیلہ کے حوالہ کیا تھا جو بنی کنانہ کہلاتا تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت جو شخص ان فرائض کو انجام دینے پر مامور تھا اس کا نام "قلع بن حذیفہ" تھا اور سب سے آخری آدمی "ابو ثمامہ جنادہ بن عوف بن قلع بن عباد بن قلع بن حذیفہ" تھا اور قاعدہ یہ مقرر تھا کہ لوگ جب حج سے فارغ ہو جاتے تو اس عہدہ دار کے پاس آتے جو عرفات میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتا اور آئندہ حج کی تاریخ کا اعلان کیا کرتا تھا۔

نسئی کے طریقے کے بارہ میں مختلف رائیں ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہر ۲۴ سال میں (۹) مہینوں کا اضافہ کیا جاتا تھا اور بعضوں کا بیان ہے کہ ہر (۱۹) سال میں

(۷) مہینے بڑھائے جاتے، یا ہر تیسرے برس ایک مہینہ کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ بعضوں نے اس طرح بھی کہا ہے کہ ہر دو سال میں ایک مہینہ بڑھانے کا دستور تھا۔ نسیٔ کے ان چکروں کا حساب کر کے بعض علماء نے لکھا ہے کہ (۲۵) سال بعد پھر حج کا زمانہ اصلی ماہِ ذی حجہ میں آجاتا تھا تو پھر سے دوسرے نسیٔ کا دور شروع ہوتا۔ جس زمانہ میں حضرت اشرف النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ سے ہجرت فرمائی ہے نسیٔ کے اخیر دورہ کا سولہواں سال تھا اور اس وقت تک نسیٔ کی نوبت ماہ شعبان تک پہنچ چکی تھی جس کو انھوں نے محرم کے نام سے موسوم کیا تھا اور رمضان کا نام صفر رکھ دیا تھا۔[۱]

پہلا نسیٔ محرم کے مہینہ میں واقع ہوتا تھا تو اس کا نام صفر رکھ دیا جاتا پھر یکے بعد دیگرے سب مہینوں کو شمار کرتے تھے، دوسرا نسیٔ صفر میں واقع ہوتا تھا اس طرح بارہ مہینوں میں نسیٔ کا دورہ جاری رہتا تا آں کہ پھر ماہ محرم لوٹ آتا تھا۔

مکہ ۲۰ - رمضان ۸ھ ہجری میں فتح ہوا اس کے ڈھائی ماہ بعد ہی حج کا زمانہ پہنچ گیا، چونکہ ابھی تک اچھی طرح امن وامان قایم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حج کے انتظامات علی حالہ مشرکین کے پاس رہنے دیئے گئے اور مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید

---

[۱] یہ ساری بحث نتائج الافہام محمود پاشا فلکی باب خاتمہ سے لی گئی ہے جس میں انھوں نے منتہی الادراک فی تقاسیم الافلاک باب (۸) اور کتاب الالوف ابو معشر فلکی مروج الذہب مسعودی حالات مکہ اور کتاب آثار الباقیہ بیرونی کے حوالے دیئے ہیں۔

"قبل ہجرت واقعات" کا تذکرہ لکھتے وقت یا ان کے سمجھنے کے موقع پر بعض اہل علم کی ان حقائق کی طرف اکثر نظر نہیں جاتی۔ اسی لئے ان کو حیرانی پیش آتی ہے اور غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ چناں چہ مہینوں اور سالوں کے اس بگاڑے ہوئے پورے دور کا صحت کے ساتھ جائزہ لے کر اس کی تحقیق و تطبیق کئے بغیر ہی، اور پھر اس کی اہمیت و ضرورت کا اعتراف کرنے کے باوجود ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے موجودہ عیسوی شمسی کیلنڈر ہی پر سے حساب کر کے قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام کے تاریخی تضادات دکھانے کی خطرناک جراءت بھی کی ہے۔

کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے اس فریضہ کو ادا کیا جو ان کے نسئی کے حساب سے ذی الحجہ اور صحیح حساب کی رو سے ماہ ذی قعدہ میں واقع ہوا تھا اور جب ۹ھ ہجری میں حج کی فرضیت کا اعلان ہوا[1] تو پہلا اسلامی حج حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی سالاری میں انجام پایا جو مدینے سے تین سو اصحاب کے ساتھ نکلے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ (۲۰) اونٹ قربانی کے روانہ فرمائے، پھر بعد میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ بھی بھیجے گئے جنھوں نے سورہ توبہ (برات) کی ابتدائی (۴۰) آیتیں مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں اور لوگوں کے سامنے خدا و رسول کے احکام کا اعلان فرمایا جس میں یہ بھی تھا کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ[2] هٰذَا ج (آیت ۲۸) اور حضرت ابوبکرؓ نے بھی منادی فرمائی کہ اس سال کے بعد سے کوئی مشرک حج نہ کر سکے گا۔ لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ[3] اور ۱۰ھ ہجری میں خود سرکار سرورکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات نے حَجَّةُ الْوَدَاعِ فرمایا جو ٹھیک ذی الحجہ کے مہینے میں واقع ہوا (۹۔ ذی الحجہ ۱۰ھ یوم جمعہ م ۶/۹ مارچ ۶۳۲ء) اور اسی سال آپ نے "نسئی" کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا اور خدائے پاک کا یہ حکم نازل ہوا:۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط ذٰلِكَ	تحقیق اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینہ ہی ہیں، اللہ کی کتاب میں کہ جس دن پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو، ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔ یہ ہے دین قائم۔ پس

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول مولانا شبلی ص ۵۶ بعضوں نے کہا ہے کہ حج ۶ھ میں فرض ہوا لیکن واقعۂ حُدَيْبِيَة (۶ھ) اور صلح حدیبیہ کے شرائط سے اس کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جو عمرہ ذی قعدہ کو نکلے تھے، بغیر عمرہ ادا کئے واپس لوٹ گئے، طے پایا کہ آئندہ سال آئیں۔ اسی اثناء میں سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں فتح مکہ کی خوشخبری دی گئی، پس یہاں یہ امر قابل غور ہو جاتا ہے کہ جب حج فرض ہو چکا تھا تو ۷ھ میں حضورؐ نے کس طرح حسب شرائط صلح، عمرہ ادا فرمانا پسند فرمایا، اسی موقع پر ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث سے سرکارؐ نے نکاح فرمایا اور مدینہ لوٹ آئے۔ [2] سابق سے متعلق تفصیلات پڑھنے کے بعد عامِهِمْ میں ضمیر "هُمْ" کے لطف پر غور کیجئے۔ [3] بخاری شریف باب حج ابی بکر۔

الَّذِیْنُ الْقَیِّمُ ۵ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ تف وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّةً ط وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ط وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

ان میں آپس میں ظلم مت کرو، اور مشرکین سے اکٹھے لڑو، جیسا کہ وہ تم سے اکٹھے ہو کر لڑتے ہیں اور جانو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے بے شک "نسی کرنا" کفر میں زیادتی ہے، گمراہ کئے جاتے ہیں اس کے ذریعہ وہ لوگ جو کافر ہیں، کسی برس کو حلال کر لیتے ہیں، تو کسی برس کو حرام۔ تاکہ اس گنتی کی مطابقت کیا کریں جس کی اللہ نے حرمت ٹھہرائی تو پس اس کے لئے اللہ نے جو حرام کیا ہے اسی کو حلال کر لیتے ہیں، زینت دیئے گئے ہیں ان کے لئے ان کے برے اعمال، اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔

پ۱۰ ۔ سورہ توبہ ۔ ع ۵ ۔ آیت ۳۶، ۳۷

بہرحال مذکورہ تحقیقاتی مواد کے جائزے سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ منی میں سال بھر میں صرف ایک دفعہ حج کے بعد لوگ جمع ہوا کرتے تھے اور یہاں ان کا تین دن قیام رہا کرتا تھا اور نسیٔ کے مذکورہ حساب اور ریکارڈ پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاید واقعۂ شق القمر کے وقت حج صفر کے مہینے میں ادا ہوا ہوگا۔ جسے انھوں نے ذی حجہ سے موسوم کر دیا تھا اور حقیقی ذی حجہ کے مہینے کو شوال قرار دیا ہوگا۔

معجزہ شق القمر کی تاریخ کا تعین

اس کے بعد پھر ہم احادیث شریفہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ابونعیم نے اپنی دلائل میں حضرت ابن عباسؓ سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ وکانت لیلة البدر[۱] اسی لئے سیوطی نے خصائص کبریٰ میں، اور

---

[۱] دلائل النبوۃ ابونعیم جلد اول ص ۹۵، ۹۶

زرقانی نے شرح مواہب[1] میں بیان کیا ہے کہ وہ چودھویں کی رات تھی، پس ثابت ہوتا ہے کہ شق القمر کا واقعہ ۱۳۔ ذی حجہ (۸؁ نبوت) م ۲۲۔ اگسٹ ۶۱۷ء دوشنبہ) کو ہی پیش آیا اور مہینوں کی گڑبڑ کو ملحوظ رکھا جائے تو جیسا کہ ہم نے چند سطر اوپر لکھا ہے شاید ۱۳۔ صفر ۸؁ نبوت مطابق ۲۰ اکتوبر[2] ۶۱۶؁ء (۴۸؁ میلاد نبوی) روز شنبہ (بحساب جدول مولانا قاضی سلمان صاحب منصور پوری) آج سے ۱۳۹۲ قمری سال اور عیسوی سے (۱۳۵۱) برس پہلے معجزہ شق القمر منصّۂ شہود پر رونما ہوا۔ جب کہ مشرکینِ عرب اس تاریخ کو حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع تھے۔

آقائے دوجہاں (صَلّی اللّٰہ عَلَیہ وَسَلَّم) کو تبلیغ کا کام شروع فرمائے، دو سال سے زاید مدت ہو چکی تھی، اور اس زمانہ میں آپؐ اور اسلام قبول کرنے والے جن حالات سے گزر رہے تھے ہم نے اس کی مختصر سرگزشت آپ کو اس مقالہ کے گزشتہ اوراق میں سنا دی ہے جس میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ قوم نے شدتِ مخالفت کے باعث، اور دعوتِ دین کو روک دینے کی نیت سے آپکو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا ہے اور اس بندش کو قائم ہوئے ابھی ایک سال ہی گزرا ہے، ہمیں خیال آتا ہے کہ اس حالت میں شاید آپ زمانۂ حج کا بڑے شوق سے اس امید کے ساتھ انتظار فرما رہے ہوں گے کہ مشرکینِ مکہ حرمت والا مہینہ ہونے کے سبب مجھے ستانے اور میرے کام میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز رہیں گے اور پھر جب لوگ حج بجالا کر منیٰ میں فراغت سے ہوں گے تو اس وقت اپنے فرض تبلیغ کو پورا کرنے کا اچھا موقع میسر آئے گا اور مجمع بھی کثیر رہے گا جس میں ہر طرف کے لوگ جمع ہوں گے اور اگر حق تعالےٰ اپنی مدد و نصرت سے لوگوں کو اور خاص کر میرے دشمنوں (رؤسائے قریش) میں سے چند کو بھی ہدایت نصیب فرما دے تو دین کی وسعت اور اس کے پھیلنے کی راہیں ہموار ہو جائیں گی، سیرت کی ابتدائی زمانہ کی کتابوں سے اور خود سورہ "عَبَسَ" کے شانِ نزول کے واقعہ سے بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ آپکو ان لوگوں کے ایمان قبول کرنے کی بڑی فکر تھی اور یوں بھی نوعِ انسانی کی نجات کی دلی آرزو،

---

[1] شرح مواہب لدنیہ جلد خامس ص ۱۲۲ ۔ [2] رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۲۶۶ ۔

حضرت رحمتِ عالم کو بدرجۂ اتم ملحوظ رہا کرتی تھی، جس کی خود قرآن پاک تصدیق کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ :-

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

پ ۱۱ — سورۂ توبہ — رکوع ۱۶ — آیت (۱۲۸)

البتہ تحقیق آیا تمہارے پاس پیغمبر تم ہی میں سے (کہ) اُس پر تمہارا تکلیف اٹھانا شاق ہے اور جو تمہاری بھلائی پر حریص ہے (اور) مسلمانوں پر شفقت کرنے والا مہربان۔

ظہور معجزہ کے موقع پر تعدادِ صحابہ کی کمی کی وجہ

بہرحال شاید ان احساسات کو لئے آپ منیٰ کے میدان میں تشریف لائے، اس وقت تک اسلام لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، جیساکہ ہم نے عنوان "پسِ منظرِ معجزہ" کے تحت بتایا ہے اور پھر جو لوگ دین میں داخل ہو چکے تھے وہ مشرکین مکہ کی اذیتوں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے جن کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی، اور جو باقی رہ گئے تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کتنے تھوڑے ہوں گے، نیز آپ کے محصور ہونے کے سبب یہ بھی آپ سے کٹ کر رہتے ہوں گے اور پھر معجزہ کا ظہور، رات کے وقت ہوا تھا اور اگر پچھلی رات میں وقوع معجزہ کی روایتوں کو ترجیح حاصل ہے تو ایسے سارے اہم وجوہ سے صحابہ کی کسی بڑی جماعت کے اس موقع پر ہمراہ نہ ہونے کے اسباب بالکل ظاہر و واضح ہیں، حدیثوں میں ان ہی جاں نثاروں کے نام آئے ہیں جن کو کسی وقت بھی آپ سے جدا رہنا پسند نہ تھا۔ چناں چہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا آپ کے ہمراہ ہونا ثابت ہے اور دلائل ابی نعیم سے حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، اور حضرت ارقم بن ابی الارقم کا بھی موجود رہنا ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال بہت سے صحابہ سے معجزۂ شق القمر کی روایات کے مروی نہ ہونے کا اصلی سبب عیاں ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بعض علماء کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا اور انھوں نے شاید اس طرح حالات کا پردہ چاک کر کے تحقیق اور جایح نہیں فرمائی اگر یہ وجہ پیشِ نظر ہوتی تو ان کو راویوں کی قلتِ تعداد کا خیال کانہ ستاتا۔

بخاری شریف، صحیح مسلم اور طبری تینوں[1] میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی جو روایتیں درج ہیں، ان میں وہ فرماتے ہیں کہ "نَحْنُ مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن مسعود کے سوا اور بھی لوگ اس وقت موجود تھے باقی جو اور تین نام ہم نے اوپر لکھے ہیں، ان میں سے ایک کا تو طبری کی اس حدیث[2] میں تذکرہ ہے جو مجاہد سے بیان ہوئی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں "فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر، اشہد یا ابا بکر۔" جس سے حضرت ابوبکر کے بھی ساتھ رہنے کا ثبوت ملتا ہے اور بقیہ دو نام ابو سلمہ اور ارقم کے ابو نعیم نے اس حدیث میں لکھے ہیں جو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے[3]۔ یوں تو اور صحابہ بھی ساتھ ہو سکتے ہیں جیسا کہ لفظ نحن کی جامعیت و وسعت بتاتی ہے لیکن تعداد کا تعین یا مزید اور نام احادیث میں وارد نہیں ہوئے ہیں، البتہ جو لوگ مسلمان نہیں تھے لیکن وقوع معجزہ کے وقت موجود تھے، ان میں جبیر بن مطعم بھی شریک ہیں جو جنگ بدر میں قید ہوئے اور بعد میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جب بحیثیت ایک مسلم کے پہلی دفعہ حج کیا، اور منیٰ پہنچے تو لوگوں سے کہا کہ میں اس واقعہ کے دیکھنے والوں میں شریک تھا اور اشارہ کر کے بتایا کہ چاند کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا اور دوسرا اس پہاڑ پر۔ مخفی نہ رہے کہ حضرت جبیر رؤسائے قریش سے تھے، اور عین ہجرت سے قبل حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو قتل کرنے کے لئے دار الندوہ میں جو خفیہ جلسہ منعقد ہوا تھا تو اس میں قبیلۂ بنو نوفل کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے، ان کی روایت کردہ حدیثیں ترمذی[4] شریف، مسند امام احمد[5]، مستدرک[6] حاکم، طبری[7] اور دلائل بیہقی میں بیان ہوئی ہیں، جس میں انھوں نے بھی

---

[1] بخاری شریف تفسیر سورۂ قمر و صحیح مسلم الجزء السابع باب صفۃ القیامۃ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳ تفسیر طبری پارہ (۲۷) صفحہ ۴۵، ۴۶ [2] طبری جلد (۲۷) صفحہ ۴۵/۴۶ [3] دلائل ابو نعیم جلد اول صفحہ ۹۵/۹۶ [4] تحت تفسیر سورۂ قمر جلد دوم صفحہ ۱۶۱ دہلی [5] مسند امام احمد جلد (۴) صفحہ ۸۲ مصر [6] مستدرک حاکم جلد دوم تفسیر سورہ قمر صفحہ ۴۷۱ [7] تفسیر طبری پارہ (۲۷) صفحہ ۴۵، ۴۶۔ یہاں حدیثوں کے پیش کرتے وقت انکے اقسام انکی قوت و ضعف یا راویوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ اب ہمارے زمانہ میں "اصل صداقت" ہی سامنے آگئی ہے اور اسی مقصد کی خاطر مذکورہ اہتمام ہوا کرتا تھا بجائے اسکے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جو کچھ مواد ان میں ملتا ہے اسکو جانچا جائے اور جرح و تعدیل سے احتراز کیا ہے کہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ نعوذ باللہ ہم تمام محدثین و علما کے طریق و مسلک سے انحراف کرتے ہیں یا اس کے منکر ہیں۔

نحن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

معجزہ کے مطالبہ کا واقعہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سرکارؐ کے پاس ولیدؓ بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام[۲] عاص بن وائل[۳]، عاص بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ، زمعۃ بن الاسود، اور نضر بن حارث وغیرہ مشرکین جمع ہوے اور آپ سے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو ہم کو چاند کے اس طرح دو ٹکڑے کرکے بتا کہ اس کا ایک نصف تو ابی قبیس پر ہو اور دوسرا نصف قیقعان پر۔" قال ابن عباس اجتمعت المشرکون الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم الولید .... ونظراوھم کثیرا فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت صادقا فشق القمر لنا فرقتین نصفا علیٰ ابی قبیس ونصفا علیٰ قیقعان" یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اگر میں ایسا کردوں تو کیا ایمان لاؤ گے تو انھوں نے کہا ہاں" فقال لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فعلت تومنوا، قالوا نعم" تب آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ ان کے سوال کو پورا فرمادے فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل ان یعطیہ ماسالوا[۱]

ابونعیم نے ان کی دوسری حدیث بھی اسی مضمون کی نقل کی ہے البتہ اس میں یہودی سرداروں کے آپ کی خدمت میں آنے اور کسی معجزہ کے مطالبہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ قال جاءت احبار الیھود الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ارنا ایۃ حتی نؤمن فسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ربہ عزوجل ان یریھم ایۃ فاراھم قد انشق فصار قمرین احدھما علی الصفا والآخرۃ علی المروۃ۔

اور حضرت انسؓ[۲] کی جو روایات بخاری شریف، صحیح مسلم، ترمذی اور طبری میں آئی ہیں، ان میں صرف اہل مکہ کے مطالبہ کرنے کی وضاحت ملتی ہے سال

---

[۱] دلائل ابونعیم جلد اول ص ۹۵ و ۹۶ [۲] حضرت انس حضورؐ کے رشتے کے خالہ زاد بھائی اور خادم خاص تھے، ہجرت سے دس سال قبل پیدا ہوئے، ۹۳ھ میں وفات پائی اور بوقت معجزۂ شق القمر (۴، ۵) سال کی عمر تھی۔

اھل مکۃ ۔ یا ۔ ان اھل مکۃ سألوا۔

اور کفار کا یہ مطالبہ کہ چاند ہی شق کرکے دکھایا جائے، حضرت ابن عباسؓ کی ان ہی حدیثوں سے جو چند سطر اوپر لکھی گئی ہیں اور جو دلائل ابونعیم سے لی گئی ہیں یہ بہ قطعیت ثابت ہے اور دوسری کتابوں کی پیش کردہ جملہ احادیث میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا بیان تو بالاتفاق ضرور ہے لیکن ہم نے یہ جانچ کرنی چاہی کہ کیا اہل کفر کا مطالبہ بھی یہی تھا؟ مگر حدیثوں کے الفاظ سیاق و سباق اور قرینہ سے، نیز کافروں کے مزاج کے لحاظ سے یہ وثوق حاصل ہوتا ہے کہ ان ہی لوگوں کا ایسا مطالبہ تھا تب ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی فرمایش پوری کرنی پڑی اور اگر ان کا مطالبہ کسی عام معجزہ کا ہوتا تو خواہی نخواہی یہ خصوصی معجزہ آپؐ نہ دکھاتے، فرمائشی معجزہ پیش کرنے پر ہی اہل طلب پر ذمہ داری عائد ہوتی اور حجت قائم ہوسکتی ہے، اور قرآن شریف کی آیتوں سے بھی یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

بعض اکابر علماء نے ظہور معجزہ کی وجہ یوں بیان کی ہے۔

کتاب جامع المعجزات (عربی) میں شیخ محمد واعظ دہلوی (۱۰۸۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

> ابوجہل ایک رات، سربرآوردہ یہودیوں کے ساتھ خدمت نبویؐ میں آیا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، بتوں کی قسم کھا کر کہنے لگا پہلے جس طرح رسولوں نے معجزہ دکھایا اگر تو بھی دکھائے تو تجھ پر ایمان لاؤں گا، ورنہ اس تلوار سے تیرا سر قلم کردوں گا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تجھے میرا سر قلم کرنے پر قدرت نہیں ملیگی کیوں کہ میں جہاں کہیں رہوں، اللہ تعالے میرا حافظ ہے۔ خیر تو نے کس قسم کا معجزہ دیکھنے کے لئے یہ قسم کھائی ہے تو ابوجہل فرمایش میں متردد ہوگیا تو ساتھی یہودی نے کہا کہ یہ جادوگر ہے اور جادو صرف زمین کی چیزوں پر چلتا ہے، آسمانی چیزوں پر نہیں چلتا، اس لئے تو کہہ کہ چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھا تو آپؐ نے اشارہ فرمایا اور چاند فوراً دو ٹکڑے ہوگیا، تو پھر ابوجہل بولا کہ اچھا ان کو ملادے تو پھر آپ نے اشارہ فرمایا اور دونوں ٹکڑے مل گئے۔ یہودی یہ دیکھ کر تو ایمان لے آیا اور ابوجہل نے انکار کیا

اور کہا یہ جادو ہے۔[۱]

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ترجمہ و تفسیر قرآن میں لکھتے ہیں:۔

"حج کا موسم تھا، حضورؐ آدھی رات کے وقت قبائل میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے، اتفاق سے چند رؤسائے قریش آپ کو راستہ میں مل گئے وہ آپ کو قبائل کی طرف جاتا دیکھ کر کہنے لگے محمدؐ! تم چپکے چپکے باہر کے لوگوں کو اپنا پیرو بناتے ہو لیکن ہم لوگوں کو اپنی سچائی کا کوئی نشان دکھا کر اپنے ساتھ ملا لینے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، آپ نے فرمایا تم لوگ تو میری بات ہی نہیں سنتے، انھوں نے کہا اپنی سچائی کا کوئی نشان دکھاؤ تو ہم ضرور مانیں گے۔ ابوجہل نے چاند کی طرف اشارہ کرکے کہا اچھا اگر تم سچے ہو تو ہمارے سامنے اس چاند کو دو ٹکڑے کرکے دکھاؤ، آپ نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے تو مجھے سچا نبی یقین کروگے۔ ابوجہل اور قریش کے دوسرے سردار بولے ہاں! تمہیں سچا نبی مان لیں گے۔[۲]

اور مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری یہ کہتے ہیں کہ:۔

کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمدؐ سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے، انھوں نے کہا سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے، تم کہو کہ چاند دو ٹکڑے کرکے دکھلا دیں، ان ہی کی سکھاوٹ سے کفار قریش نے سوال کیا۔[۳]

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (رح ۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوۃ میں تحریر فرمایا ہے

گفتند طلب کرد کفار قریش، از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیتے را وگفتند کہ اگر صادقی تو، دو پارہ کن قمر را پس اشارت کرد آں حضرت بہ قمر، و دوشق شد، و دیدند جبل حرا را درمیاں، و فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا .... پس گفت ابوجہل .... ھذا

۱۔ جامع المعجزات عربی قلمی، فن سیر کتب خانہ آصفیہ نمبر (۶۲)۔ ۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن (اختصار شدہ) مولانا تھانوی پارہ (۲۷) سورہ قمر مطبوعہ تاج کمپنی لاہور ۳۔ رحمۃ للعالمین جلد سوم ص۱۸۷

سحر مستمر۔ و ابن عبد البر کہ از اکابر علمائے حدیث است گفتہ است
کہ ایں حدیث روایت کردہ شدہ است از جماعۂ کثیر از صحابہ و ہم چنیں
روایت کردہ اند جمعے کثیر از تابعین در روایت کردہ اند از ایشاں جم غفیر
الیٰ کہ ازاں تا مارسیدہ است بماؐ[1]"

پھر ہم اصل حدیثوں کی طرف لوٹتے ہیں اور جو امور باقی رہ گئے ہیں ان کو
تحقیق کی نگاہ کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں

معجزہ دیکھنے کے بعد کفار کی گفتگو

ترمذی شریف میں حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت سے ہے کہ کافروں نے جب
یہ واقعہ دیکھا تو کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو ان ہی لوگوں میں سے بعضوں نے
کہا کہ اگر ہم پر سحر کر دیا ہے تو وہ تمام دوسرے انسانوں پر تو جادو نہیں کر سکتے" فقالوا
سحرنا محمدؐ فقال بعضھم لئن کان سحرنا فما یستطیع ان یسحر الناس
کلھم"۔ یہی حدیث مسند امام احمد میں بھی حضرت جبیر سے بیان ہوئی ہے اور مسند
ابی داؤد طیالسی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ دیکھ کر
قریش نے کہا یہ ابن ابی کبشہ[2] کا جادو ہے تو لوگوں نے کہا ٹھہرو مسافر آنے والے ہیں
دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، کیوں کہ محمدؐ تمام لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے جب مسافر آئے
تو انھوں نے بھی یہی کہا" فقالت قریش ھٰذا سحر ابن ابی کبشہ فقالوا
انتظروا ما یاتیکم بہ السفار فان محمدؐ لا یستطیع ان یسحر الناس
کلھم قال فجاء السفار فقالوا ذالک"۔ بیہقی و طبری نے بھی اسی مضمون

---

[1] مدارج النبوۃ ص۲۰۰ ان علمائے کرام نے اپنے اصل ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے اور ہمارے پیش کردہ مواد کی روشنی میں خود آپ انکے بیانات کا بخوبی محاکمہ فرما سکتے ہیں ۱۲ [2] عرب کے قبیلہ بنو خزاعہ میں ایک سردار تھا جس کا نام ابو کبشہ تھا اس نے اپنے مذہب میں ایک نئی بات یہ نکالی تھی کہ ستارہ شعریٰ کی (بعض خصوصیات کی بنا پر) پرستش کو داخل عبادت کر دیا تھا جسکا سارے قبیلہ میں رواج پڑ گیا اور انکی دیکھا دیکھی بعض دوسرے قبائل نے بھی اس امر کو اختیار کر لیا۔ حتیٰ کہ قریش گو اسکی پرستش تو نہیں کرتے تھے مگر شعریٰ کی تعظیم و تکریم ضرور کیا کرتے تھے، چنانچہ سورہ نجم پ۲۷۔ آیت ۴۹ "انہ ھو رب الشعریٰ" میں اسی ستارہ کی طرف اشارہ ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ ابی کبشہ کے خاندان کی کسی عورت سے حضور کے اجداد میں سے (غالباً قصی) نے نکاح کیا تھا آپ نے جب دعوت اسلام پیش کی جاہل مکہ کے حق میں ایک نیا دین تھا تو اسی مناسبت سے کفارِ قریش، بطور طعنہ آپکو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔

کی حدیث کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ان ہی سے نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی تقریباً یہی فرماتے ہیں جیسا کہ ان کی اس حدیث سے ظاہر ہے جس کو ابونعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے، اور اسی کتاب میں حضرت ابن مسعودؓ کی بھی حدیث کا یہی مرز ملتا ہے لیکن اس میں ایک زائد بات یہ ہے کہ مسافرین میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہ تھا کہ جس نے ان کافروں کو واقعہ معجزہ کی اطلاع نہ دی ہو کہ ہاں ہم نے بھی یہ امر مشاہدہ کیا ہے" قال فما قدم علیهم احد من وجه من الوجوہ الا اخبروهم بانهم رأوه "مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے، اور طبری میں مجاہد کی روایت میں ہے کہ کافروں نے کہا محمدؐ نے چاند ہی پر جادو کردیا فقالوا سحر القمر حتی انشق۔

بعد معجزہ سرکارؐ کا ارشاد

امام بخاری نے اس سلسلہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ نے بعد واقعہ یہ فرمایا اَشْهَدُوا، اَشْهَدُوا (گواہ رہو، گواہ رہو) یا اَشْهَدُ فرمایا صحیح مسلم و ترمذی کی جمع کردہ حدیثوں میں صحابی موصوف کہتے ہیں کہ فقال لنا اَشْهَدُوا (ہم سے فرمایا گواہ رہو) مسند امام احمد اور طبری میں اس کی بجائے "اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ" بھی آیا ہے اور مستدرک حاکم میں یہی الفاظ حضرت عبداللہ بن[1] عمرؓ کی روایت میں آئے ہیں، اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا اے اباسلمہ بن عبد الاسد، اور اے ارقم ابن ابی ارقم گواہ رہو۔ حدیث کے آخری ٹکڑے کے الفاظ یہ ہیں فامسی القمر قد مثل نصفا علی ابی قبیس ونصفا علی قیقعان ورسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ینادی یا اباسلمة[2] بن عبد الاسد والارقم[3] بن ابی الارقم

---

[1] معجزۂ شق القمر کے وقت ۵ سال کے، اور بوقت ہجرت ۱۳ سال کے تھے اور ۷۳ھ میں بعمر ۸۶ سال انتقال فرمایا۔
[2] ابوسلمہ صحابۂ سابقون الاولون میں سے ہیں، پہلی ہجرت حبشہ میں شریک تھے، انکی اہلیہ ام سلمہ بنت ابی امیہ" انکی وفات کے بعد حضورؐ کے عقد میں آئیں، پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں انکو گیارھواں سمجھا جاتا ہے، حضورؐ کے برادر رضاعی بھی ہیں، جنگ احد میں زخمی ہوئے اور اسی صدمہ سے جمادی الآخر ۳ھ میں وفات پائی، حبشہ ہجرت کرجانے کے باوجود اس معجزہ کے وقوع کے موقع پر ان کی موجودگی قابل تحقیق ہے
[3] یہ وہی ارقم ہیں جن کا مکان کوہِ صفا کے دامن میں تھا جہاں حضرتؐ پناہ گزین تھے اور حضرت عمرؓ اسلام قبول کرنے کے لیے اسی گھر میں آئے تھے، حضرت ارقم بھی اصحاب بدر میں شامل ہیں۔

اشہد[۱] وا (ابونعیم) اور طبری کی اس روایت میں جو مجاہد سے بیان ہوئی ہے یہ ہے کہ اے ابوبکر تو گواہ رہ۔

چاند کے دو ٹکڑے اور دیگر شگاف[۲]

(انکشاف عظیم)

جملہ کتب احادیث، تمام صحابہ اور راوی اس امر میں متفق ہیں کہ چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا بعض میں لفظ شقتین آیا ہے تو بعض میں فِرقتین، جس کے معنی دو ٹکڑوں ہی کے ہیں۔ صحیح مسلم، جامع ترمذی و طبری میں صرف حضرت انس کی حدیث میں مَرّتین ہے جس کے معنی دو مرتبہ کے ہوتے ہیں، جس پر علماء نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد، دو ٹکڑے ہی ہو سکتے ہیں، کیوں کہ دیگر صحابہ کی روایات کا اجماع اسی پر ہے، کوئی بھی دو مرتبہ شق قمر کا قائل نہیں، اور ممکن ہے ایک تو چاند کے ٹوٹنے کا معجزہ اور پھر اس کو جوڑ دینے کے دوسرے معجزہ کے سبب انھوں نے ایسا فرمایا ہو۔ نیز بخاری میں خود ان ہی انس کی جو روایت ہے اس میں "فرقتین" کا لفظ موجود ہے اور طبری نے بھی ایسی ہی ایک حدیث ان سے بیان کی ہے حضرت ابن عباس کی حدیث (مندرجہ دلائل ابونعیم) میں لفظ نصف بھی آیا ہے جس کے معنی دو مساوی ٹکڑوں کے ہوں گے چناں چہ زرقانی نے بیان کیا ہے کہ ہر ٹکڑا چوتھی یا پانچویں تاریخ کے چاند کے برابر ہوگا "عرض کل واحد منھما کعرض القمر لیلۃ اربع او خمس ثم اتصلا فصار فی شکل اترجۃ الی ان غاب[۳]۔

چاند ٹوٹنے کے بعد اس کا ایک ٹکڑا تو پہاڑ ہی پر رہا، جہاں وہ ٹوٹنے سے قبل نظر آرہا تھا، اور دوسرا جدا ہو کر حرکت کرتے ہوئے دوسرے پہاڑ تک چلا گیا۔ اور وہاں ٹھہر گیا، حدیثوں نے پہلے پہاڑ کا نام ابی قبیس، اور دوسرے کا قیقعان یا سویدا بیان کیا ہے اور بعض میں صفا ــ و ــ مروہ کا بھی نام لیا گیا ہے۔

---

[۱] دلائل ابونعیم جلد اول صفحہ ۹۵، ۹۶ [۲] شگافوں وغیرہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب دوم عنوان "چاند کے غار اور شگاف" [۳] شرح مواہب لدنیہ ص ۱۲۴ جلد خامس (مصر)۔

منیٰ میں دیکھنے والوں کو ان کے کھڑے ہونے کے مقام کے لحاظ سے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان آسمان پر اتنا فاصلہ محسوس ہوتا تھا جتنا کہ زمین پر ان دونوں کے درمیان ہے، بعضوں نے بلا صراحت نام پہاڑ کے پیچھے چھپ جانا بھی بیان کیا ہے تو کسی نے کہا ہے کہ ان دو ٹکڑوں کے درمیان کوہ حرا نظر آتا تھا، اور ایک روایت میں بغیر نام کے کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان پہاڑ حائل تھا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک ٹکڑا کوہ حرا کی مشرق کی طرف اتر آیا اور دوسرا مغرب کی جانب ہو لیا اور یہ پہاڑ دونوں کے بیچ میں تھا، پھر دونوں حصے اوپر کی طرف چڑھے اور آپس میں مل گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی بھی ترجمہ قرآن مولانا محمود الحسن کے حاشیہ میں یہی بات لکھتے ہیں، معلوم نہیں یہ کس حدیث کی رو سے ہے؟ چوں کہ ان بزرگوں کی اہمیت ہے ان کی تحقیق کو بھی ہم نے یہاں پیش کر دینا ضروری سمجھا۔ حدیث ہی میں وقفہ انشقاق کی بھی صراحت آئی ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عباسؓ ان دونوں ٹکڑوں کے اتنی دیر تک جدا رہنے کا ذکر فرماتے ہیں جتنا وقت کہ مابین عصر و مغرب ہوتا ہے۔ قدر ما بین العصر الی اللیل ینظرون الیہما[1] جب لوگوں نے اچھی طرح دیکھ لیا تو پھر معجزۂ نبوت سے مل گئے۔

اور امور کے قطع نظر ہمارے زمانہ کے اقتضاء کے لحاظ سے ان جزئیات کی بھی بنظر تحقیق بے حد اہمیت ہے، اسی لئے ہم احادیث شریفہ کے ایک ایک لفظ کو آپ کے سامنے پیش کرتے چلے آرہے ہیں، اور اس ذیلی عنوان سے متعلق بھی بغرض استخراج نتائج اصل الفاظ حدیث مع دیگر تفصیلات ذیل میں پیش ہیں:۔

---

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ شاہد عینی (گواہ رویت) فرماتے ہیں

صحیح بخاری میں —— انشق القمر...... فرقتین، فرقۃ فوق الجبل وفرقۃ دونہ۔

" " —— انشق القمر...... فصار فرقتین

---

[1] دلائل ابو نعیم جلد اول ص ۹۵، ۹۶ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔

صحیح مسلم میں ـــــ انشق القمر بشقتین

〃 〃 ـــــ انفلق القمر فلقتین، فکانت فرقۃ وراء الجبل وفلقۃ دونہ۔

〃 〃 ـــــ انشق القمر فلقتین فستر الجبل فلقۃ، وکانت فلقۃ فوق الجبل۔

جامع ترمذی میں ـــــ فانشق القمر فلقتین فلقۃ من وراء الجبل و فلقۃ دونہ۔

مسند امام احمد میں ـــــ قال انشق...... فرقتین او فلقتین (شعبہ الذی یشک) فکان فلقۃ من وراء الجبل وفلقۃ علی الجبل۔

〃 〃 ـــــ قال انشق القمر...... حتی ذھبت فرقۃ منہ خلف الجبل۔

تفسیر طبری میں ـــــ حتی ذھبت منہ، فرقۃ خلف الجبل

〃 〃 ـــــ انفلق القمر فرقتین فکانت فرقۃ علی الجبل و فرقۃ من ورائہ، فاخذت فرقۃ خلف الجبل

〃 〃 ـــــ قال رایت الجبل من فرج القمر، حین انشق

دلائل ابو نعیم میں ـــــ انشق القمر فرائیتہ فرقتین

مستدرک حاکم میں ـــــ قال رایت القمر وقد انشق بصرت الجبل بین یدی فرجی القمر

〃 〃 ـــــ قال رایت القمر منشقا بشقتین...... شقۃ علی ابی قبیس وشقۃ علی السویدا

(۲) حضرت جبیر ابن مطعم رض (شاھد عینی) فرماتے ہیں:۔

جامع ترمذی میں ہے ـــــ انشق القمر...... حتی صار فرقتین علی ھذا الجبل وعلی ھذا الجبل

مسند امام احمد میں ہے ـــــ انشق القمر...... فصار فرقتین، فرقۃ علی

ہذا الجبل وفرقۃ علی ہذا الجبل

(۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

دلائل ابونعیم میں ہے ــــ فاراھم القمر قد انشق، فصار قمرین، احدھما علی الصفا، والآخر علی المروہ

" " ــــ فامسی القمر قد مثل نصفا علی ابی قبیس و نصفا علی قیقعان۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔

صحیح مسلم میں ہے ــــ انشق القمر...... فلقتین فستر الجبل فلقۃ وکانت فلقۃ فوق الجبل

طبری میں ہے ــــ انفلق القمر...... فرقتین فکانت فرقۃ علی الجبل وفرقۃ من ورائہ

مستدرک حاکم میں ہے ــــ انشق القمر فلقتین فلقۃ، من دون الجبل وفلقۃ خلف الجبل

(۵) حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:۔

صحیح بخاری میں ہے ــــ انشق القمر فرقتین

" مسلم " ــــ انشقاق القمر مرتین

جامع ترمذی " ــــ فانشق القمر بمکۃ مرتین

طبری " ــــ فاراھم انشقاق القمر مرتین

" " ــــ انشق القمر فرقتین

" " ــــ انشق القمر مرتین

" " ــــ انشق القمر مرتین

" " ــــ فاراھم القمر شقتین حتی راوا حراء بین ھما۔

" " ــــ انشق القمر بمکۃ مرتین

زرقانی نے شرح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ دونوں ٹکڑے اوپر نیچے نہیں تھے بلکہ جدا ہونے کے بعد ایک دوسرے کے مقابل تھے فرقۃ فوق الجبل و

فرقة دونه (حدیث بخاری عن ابن مسعودؓ) ای مقابلة منفصلا عنها لا تحته ۔

ہم کو اس موقع پر ایک بہت ہی اہم اور خاص امر پر غور کرنے کی ضرورت داعی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے پڑھا۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ بات قطعی ثابت ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہوا، اور پھر ملا ہے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ٹوٹا تو ہم اہل زمین کے لحاظ سے کھڑا، آڑا، یا ترچھا کیسا ٹوٹا
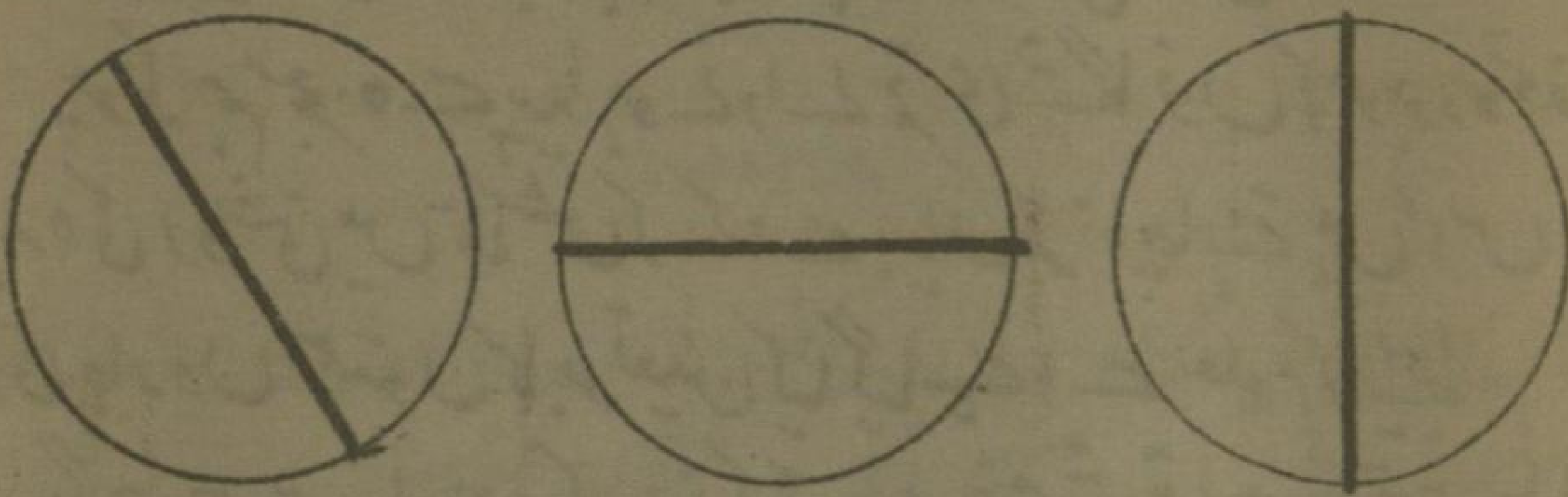
گو اس بارہ میں کوئی تفصیلات ہم تک نہیں پہنچی ہیں، اور یہ بھی واضح نہیں کہ انگشتِ پاک کے اشارۂ مبارک کا انداز کیا تھا۔

دو ٹکڑے ہونے کا عام مطلب یہی ہے کہ کوئی شیئے خطِ مستقیم میں کھڑی دو حصوں میں تقسیم ہو جائے، ان شکلوں میں جو اوپر دی گئی ہیں، ان میں سے چاہے کوئی سی پیش آئے، بہر صورت اُسے دو ٹکڑے ہی کہیں گے، ٹکڑا ٹھیک آدھا بھی ہو سکتا ہے، اور اس سے کم بھی۔ ابو نعیم کی اس حدیث میں جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے دو نصف کی صراحت ہے۔ بقیہ دوسرے صحابہ محض دو ٹکڑے ہونا بیان فرماتے ہیں۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دو ٹکڑے کرنے میں فطرت اور نیچر کا عمل ہم سے بہت مختلف ہوتا ہے، اور روزمرہ ہم اس کی بہت سی مثالیں دیکھتے اور جانتے ہیں ہیں کہ وہ ٹھیک سیدھا ہمارا جیسا نہیں ہوتا، نیز ٹوٹنے والی شیئے کی طبعی ساخت اور اس کے مادہ (مٹیریل) کو بھی اس سلسلہ میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جسے توڑنے والی اور قوت متصادم کے صدمہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اس معجزہ میں تو چاند کے کرہ کو ٹوٹنے اور جڑنے کے دو صدموں سے گزرنا

پڑا ہے، اسی لئے شگافوں کی شکل یا ٹوٹنے کی صورت اب ہم کو یکساں نظر نہیں آرہی ہے مختلف جگہ مختلف ہے۔

یہ عین ممکن ہے کہ دو لاکھ میل سے زاید فاصلہ پر واقع چاند کے دونوں ٹکڑوں کا نظارہ، زمین پر انسانی آنکھ کے سامنے ٹھیک دو نصف اور ہموار ٹکڑوں جیسا معلوم ہوا ہو، جیسا کہ پہلی تاریخ کا چاند ایک "جمالیاتی شان" لئے دکھائی دیتا ہے لیکن جب فاصلہ گھٹتا جاتا اور دوربین سے مشاہدہ کیا جاتا ہے تو اس کا یہ حسن غائب ہوتا جاتا ہے اور حقیقی شکل سامنے آنے لگتی ہے۔

چونکہ ہم معجزہ سے پیدا ہونے والے قمری شگافوں کو موجودہ تحقیقات و مشاہدہ کی روشنی میں تلاش کر کے اسے بیان کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اولاً چاند کی چاروں سمتوں کا جو تعین کیا گیا ہے اسے معلوم کر لیجئے۔

اگر چودھویں رات کے چاند کو آپ اپنے مشرق میں بوقتِ طلوع مشاہدہ فرما رہے ہوں تو اس کا اوپر کا حصہ مغرب اور نچلا مشرق ہوگا۔ سیدھے ہاتھ کی سمت جنوب اور بائیں جانب شمال ہوگا۔

چاند کی شکل اور سمتیں بوقتِ طلوع

(زمین کی مشرقی جانب)

مغرب

شمال　　　　جنوب

مشرق

اور اگر بحالتِ زوال دیکھتے ہوں تو مشرق اوپر اور مغرب نیچے ہو جائے گا، سیدھے ہاتھ پر شمال پڑے گا اور بائیں پر جنوب :-

چاند کی شکل اور سمتیں بحالتِ زوال
(زمین کی مغربی جانب)

مشرق

شمال

جنوب

مغرب
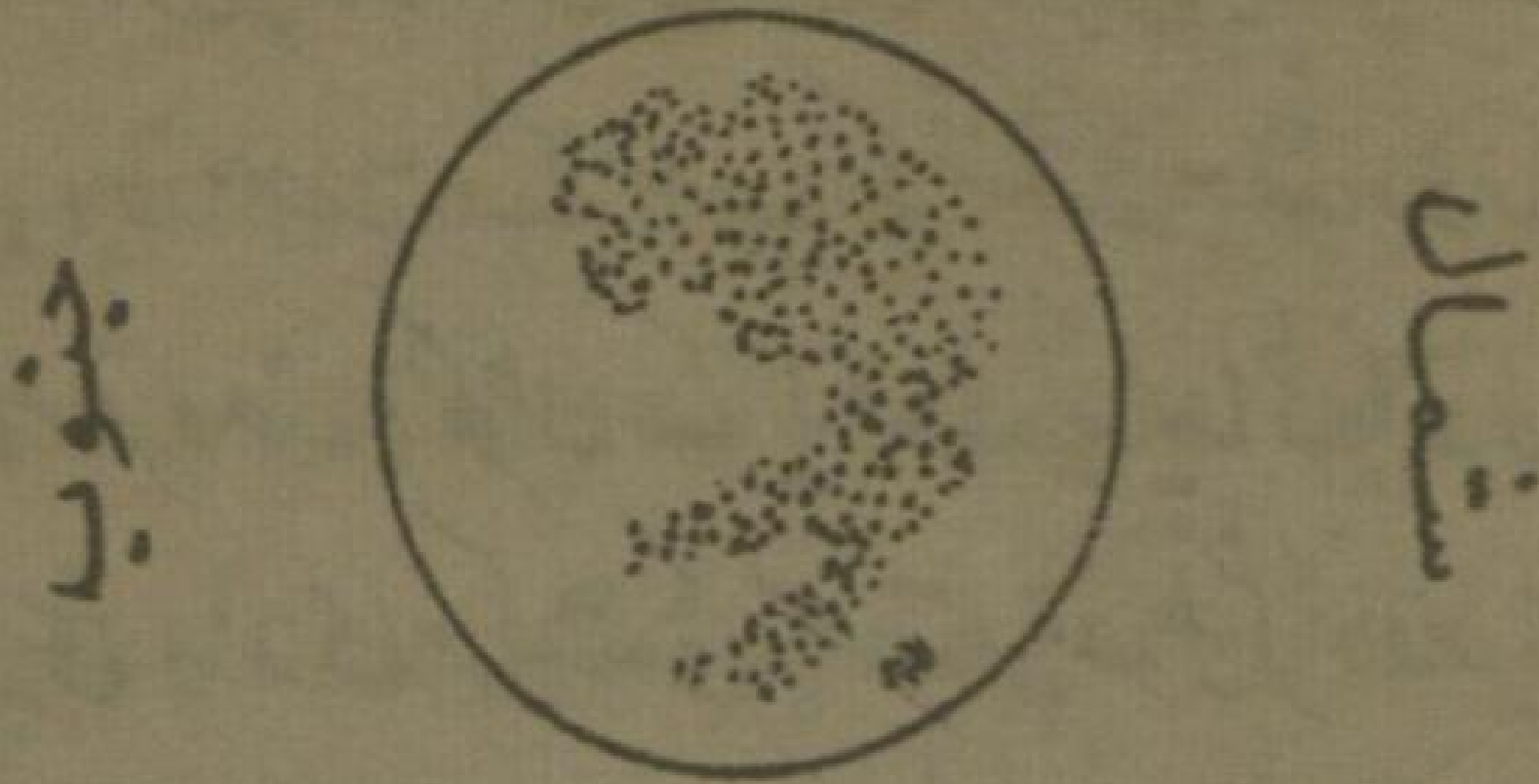
آپ کو معلوم ہے کہ معجزہ میں کوئی طبعی قانون و اصول کی بحث یا عقلی بنیادوں پر غور و فکر کو دخل نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن چوں کہ سمجھنے کی کوشش کرنی ہی پڑتی ہے اس لئے یہ تصور پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے مدار پر چلتے ہوئے آدھا ٹوٹے تو اسی مدار اور اسی سمت پر اس کا ایک ٹکڑا جدا ہو کر دور جا ٹھہرے گا اور اس کی ٹوٹی شکل اسی انداز کی ہوگی جیسی کہ پانچ چھ تاریخ کے چاند کی ہمیں آسمان میں نظر آیا کرتی ہے حدیثوں میں جن دو پہاڑوں کا نام آیا ہے، اگر یہ معجزہ "چاند کے عروج کے وقت" ظہور پذیر ہوا ہو تو بجانبِ مشرق فاصلے فاصلے سے ایک کے پیچھے دوسرا پہاڑ پایا جائے گا اور جدا ہونے والا ٹکڑا اسی مدار پر اس کے عقب میں چلا جائے گا:-

اور ایسی حالت میں لوگوں کو شائد یہ معجزانہ عمل واضح و نمایاں دکھائی نہ دے گا، اور شک و شبہ کا موجب ہوگا جو معجزہ دکھانے کے مقصود کے خلاف بات ہوتی جن لوگوں نے آدھی رات کا وقت اور چاند کے درمیانِ آسمان ہونے کا تذکرہ کیا ہے ہمیں اس کی تصدیق میں کوئی حدیث تو نہیں ملی، اگر ایسا ہو تو پہاڑوں کے ناموں
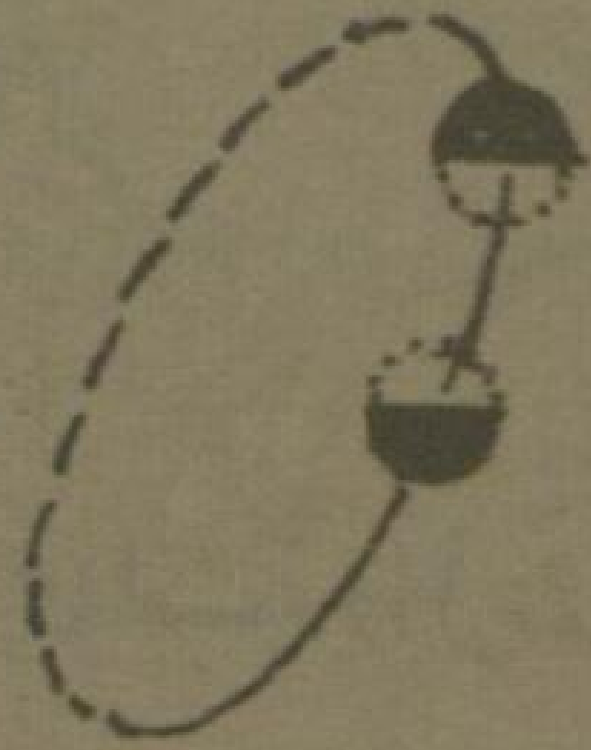
اور ان کی سمتوں کی کوئی اہمیت نہیں، کیوں کہ ان اصحاب نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ ایک ٹکڑا مشرق میں اور دوسرا مغرب میں چلا گیا گویا مدار وہی رہا، اور چاند آڑا ٹوٹا۔

اور اگر کھڑا شق ہو تو اس کی شناخت بھی پہاڑوں کے محلِ وقوع کی مدد سے اور حدیثوں کی اس وضاحت کے سبب کہ شکستہ حصّہ دوسرے پہاڑ پر جا ٹھہرا، ممکن ہو جاتی ہے، لہٰذا اس مفروضہ (کھڑا) کے باعث یہ پہاڑ بازو، یعنی متوازی ہونے چاہئیں اور شکستہ حصّہ کو اپنی مداری حرکت کی سمت چھوڑ کر، دوسری جانب جانا چاہیئے۔
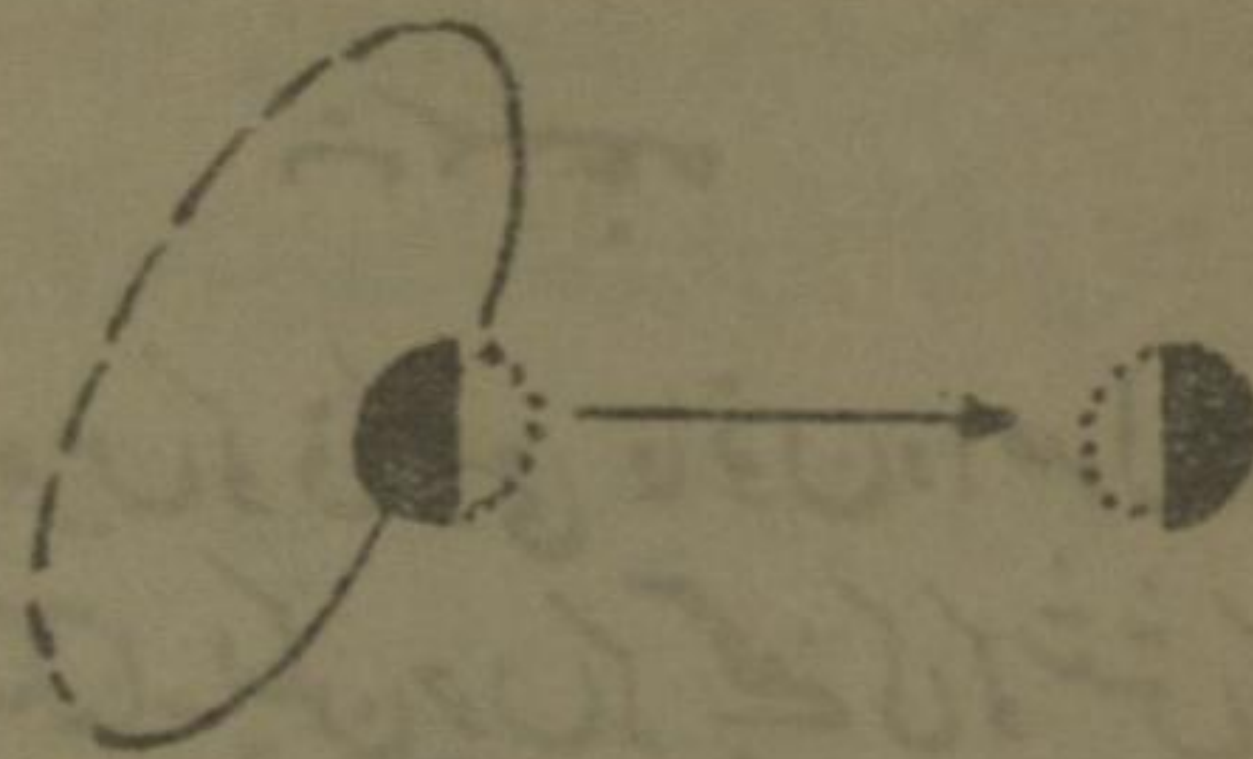
واقعۂ معجزہ چاہے بوقت عروج ہو یا زوال، جدا ہونے والا ٹکڑا (اگر کھڑا ٹوٹے تو) منیٰ کے جنوبی یا شمالی ان دونوں میں سے کسی بھی سمت جا کر ٹھہر سکتا ہے جیسا کہ ذیل کی شکلوں الف و ب پر غور کرنے سے اس کے سمجھنے میں آسانی ہوگی

(الف) بحالتِ عروج قمر زمین کے مشرقی جانب

وہ پہاڑ جس پر دوسرا ٹکڑا پہنچا　　　وہ پہاڑ جس پر چاند ٹھہرا رہا

(ب) بحالتِ زوال قمر بجانب غرب ارضی

وہ پہاڑ جس پر چاند ٹھہرا رہا　　　وہ پہاڑ جس پر دوسرا ٹکڑا چلا آیا
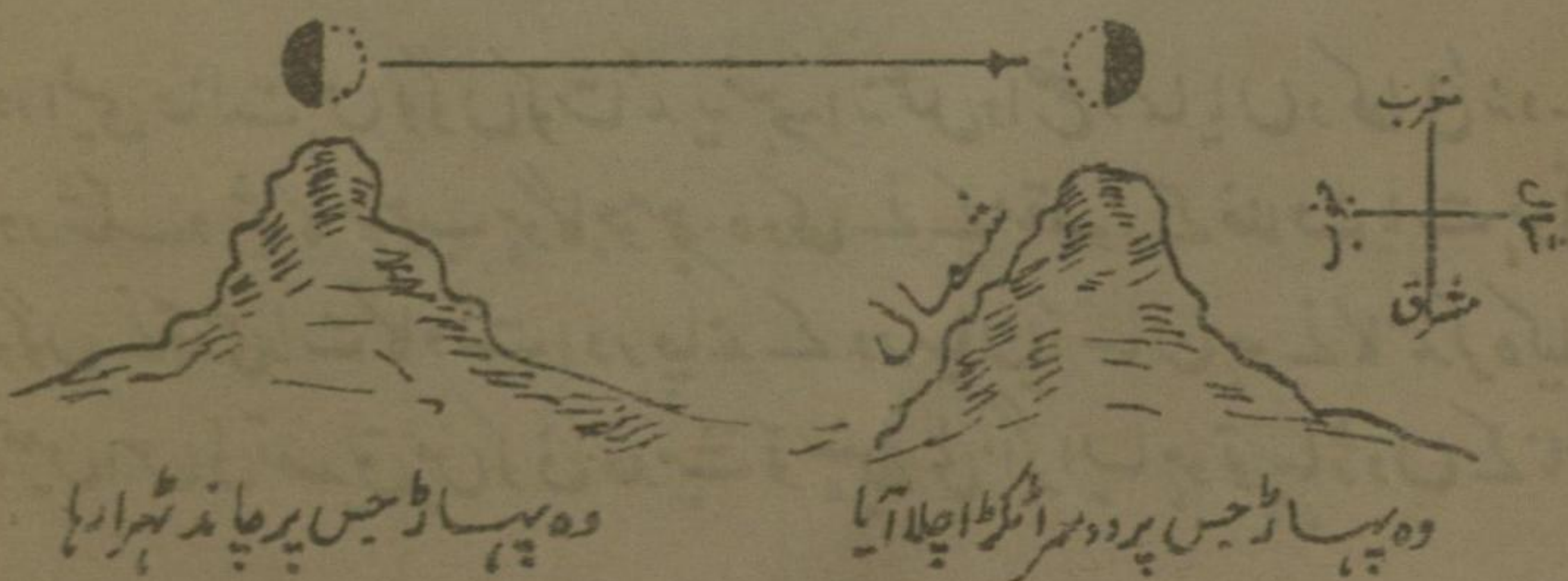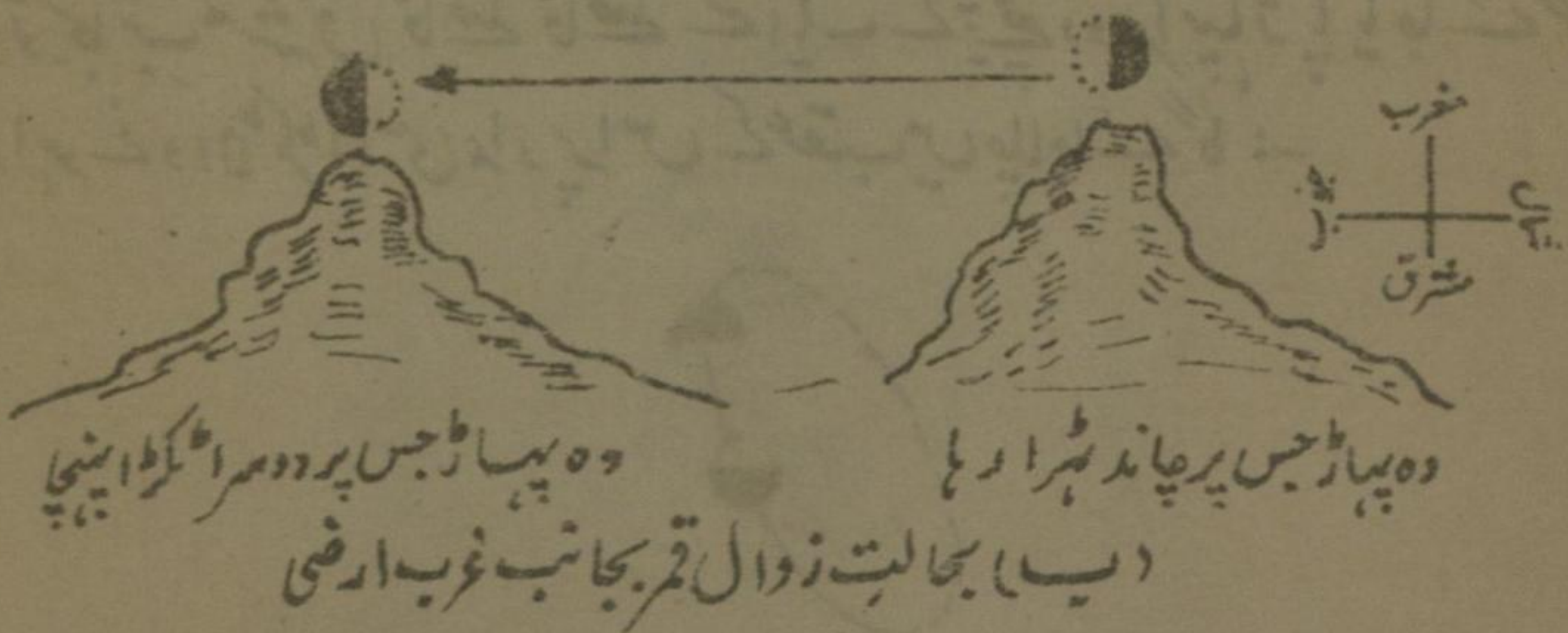
چناں چہ پہاڑوں کے نام اور ان کا وجود چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی معجزہ کے ان حقائق و جزئیات کو سمجھنے اور ان حقائق کی بازیافت میں ہمارے لئے ایک حیرت ناک اور عظیم کلیدثابت ہوتے ہیں اور ان ہی کی مدد سے وقتِ معجزہ کا بھی تعین ہو جاتا ہے (جسے آگے چل کر ہم بیان کریں گے)۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے ضمن میں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ چاند کا محور (AXIS) زمین کے مقابلہ میں ترچھا اور ۵ درجہ جھکا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اپنے اس دائرہ گردش پر بھی تقریباً اسی رفتار سے گھوم رہا ہے جس رفتار سے زمین کے گرد گھومتا ہے۔ سطحِ قمر پر شگافوں کے ہیئت و شکل اختیار کرنے میں اس امر کو نیز چاند کی (۲۸) منزلوں میں سے تاریخِ معجزہ کی چودھویں منزل کو بھی شائد دخل رہا ہو، کیوں کہ چاند کا رخ (پوزیشن) زمین والوں کو ان ملحوظات کی وجہ سے کچھ بدلتا نظر آیا کرتا ہے۔

آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ واقعہ کا مقام "منیٰ" ہے اور ان حدیثوں کی رو سے جو واضح ہیں پہلے پہاڑ کا نام جبلِ ابوقبیس بیان کیا گیا ہے۔ جس پر منیٰ والے چاند کو چمکتا دیکھ رہے تھے اور یہ پہاڑ منیٰ کے مغرب میں واقع ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رات کا آخری حصّہ شروع ہو چکا تھا اور چاند معجزہ کے ظہور پانے کے وقت تک اپنا سفرِ شب طے کر کے "ابوقبیس" کی چوٹی تک پہنچ گیا تھا کہ انگشتِ اقدس کے اشارے سے شق ہوا اس کا ایک نصف حصہ تو اسی طرح ابوقبیس کی چوٹی پر ٹھہرا رہا اور دوسرا ٹکڑا اکھڑا ٹوٹ کر الگ ہوا اور اپنا مدار چھوڑ کر بازو کی سمت حرکت کر کے جبلِ قیقعان پر جا ٹھہرا جو جانبِ شمال واقع ہے اور گھنٹہ بھر سے زائد عرصہ تک جدا رہنے کے بعد معجزۂ نبوت سے دوسری بار ابوقبیس لوٹ آیا اور اپنے پہلے حصے سے مل گیا۔

پہاڑوں اور چاند کی سمتیں بوقتِ معجزہ

چاند کی اپنی سمتیں

جنوب

شمال

اسمات ارضی

مغرب

جنوب

مشرق

جبلِ ابوقبیس

(جس پر چاند ٹھہرا رہا جو منیٰ کے مغرب میں واقع ہے)

جبلِ قیقعان

(جس پر دوسرا ٹکڑا چلا آیا)

شمال

جس طرح کرۂ زمین کو مشرق و مغرب دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایسی ہی تقسیم چاند کی شمالاً و جنوباً کی جائے تو پہاڑوں کے رخ کے سبب معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا جنوبی جرم ویسا ہی ٹکا رہا اور ٹوٹ کر جانے والا حصّہ شمالی تھا۔

اب آئیے دیکھیں کہ ہمارا متذکرۂ صدر بیان جدید مشاہدات کی روشنی میں بھی کس حد تک صحیح ثابت ہوتا ہے۔

اب تک چاند کے دو ہزار سے زائد شگاف مشاہدہ میں آچکے ہیں جن کا چاند کے نقشوں میں اندراج کیا جا چکا ہے اور بعض کے فوٹو بھی لئے اور شائع کئے جا چکے ہیں انکی شکل، کیفیت اور لمبائی، چوڑائی بھی مغرب کے ہئیت دانوں نے بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ اپنی کتابوں میں قلم بند کر دی ہے اس مواد کے مطالعہ اور نقشوں کے معائنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شگاف چاند کے تقریباً وسطی حصّہ سے شروع ہوتے ہیں، اسی حصّہ میں ہائی جی نس (HYGINUS) نامی بڑا شگاف پایا جاتا ہے، چاند کے پورے قطر میں سے تخمیناً نصف قطر تک، وسط سے شگافوں کا واضح سلسلہ مغربی رخ تک چلا جاتا ہے، جیسا کہ ذیل کے خاکہ سے واضح ہوگا، اور دوسرے نصف میں بھی تا انتہائے شرق کئی شگاف موجود ہیں، لیکن ویسے نہیں ہیں، اور ان کے مسلسل دکھائی نہ دینے کا سبب یہ ہے کہ اسی حصہ میں کوپرنکس، اراٹاس تھینس (ERATOSTHENES) کیپلر جیسے غار پائے جاتے ہیں کہ جن سے ٹائی کو غار کو چھوڑ کر چاند کے دیگر حصوں کی بہ نسبت اتنا زیادہ نور ابلتا ہے کہ ہم زمین ہی سے اپنی سادہ آنکھ سے بآسانی دیکھ سکتے ہیں شاید اسی شدید روشنی کی بدولت اس حصے کے معائنہ اور جانچ میں (شگافوں کی تلاش کے نقطۂ نگاہ سے) دقت پیش آتی ہے[1]، صرف تاریکی ہی حجاب نہیں بلکہ شدتِ نور ہی غالباً (حجاب بن کر) مانعِ مشاہدہ ہے۔

مشرق

کوپرنکس • کپلر

شمال

جنوب

مغرب

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب دی مون بائی ولکنس صفحہ ۱۰۹ (لندن)

محققین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ چاند پر جو ہر طرف اور شگاف نظر آتے ہیں اور اس کی ظاہری سطح پر ایک دوسرے سے ملتے ہوئے یا جدا، اور دور دور دکھائی دیتے ہیں، ان کے اندرونی ربط یا تسلسل کو دیکھنا، جاننا، یا بیان کرنا ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا ہے، بہرحال جتنا معلوم ہوا ہے ابھی وہ تشنہ ہی ہے۔

تقریباً سو سال سے ان شگافوں کی دریافت کا سلسلہ چل رہا ہے، جیسے جیسے مشاہدہ میں کامیابی ہوتی جا رہی ہے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، چنانچہ ۹۔مئی ۱۹۶۷ء کو امریکہ نے لونار (۴) جو داغا تھا، اس کے ذریعے چاند کی جو تصاویر وصول ہوئیں، ان کی بنا پر ۱۳۔مئی ۶۷ء کو ساری دنیا کی نیوز ایجنسیوں اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ اعلان کیا گیا کہ ایک دو سو میل کا ایسا شگاف دریافت ہوا ہے جو اس سے پہلے کبھی کسی انسانی آنکھ نے نہیں دیکھا تھا لیکن یہ شگاف کہاں اور کس حصے میں واقع ہے اس کی اطلاع ہماری نظر سے نہیں گزری، یوں تو سارے کرہ میں متفرق و منتشر طور پر جگہ جگہ انشقاقی حالت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ غاروں کے اندر تک شگاف موجود ہیں۔

الغرض میری ناقص رائے میں مشاہدہ کی رو سے درمیانی شگافوں کی جو مجموعی حالت برآمد ہوتی ہے اور جن کا نقشہ اس کتاب میں دیا گیا ہے، اسے دیکھ کر آپ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس سے چاند کے ٹکڑے ٹوٹنے ہی کا ثبوت ملتا ہے سبحان اللہ حدیث کی صداقت اور انسانی مشاہدہ کی سچائی دونوں ایک امر حق پر متفق اور ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے ثابت ہوتے ہیں تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامْ ——— وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (پ۲۸ سورہ منفقون آیت ۸) میری جان کی قسم ——— میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ——— میں اس انکشافِ عظیم کی سعادت کے میسر آنے پر کیا نثار کروں۔

اس امر کی بڑی ضرورت ہے کہ کوئی ماہر فن صرف شگافوں ہی کو اپنی تحقیق کا موضوع بنائے۔ خدا کرے کہ کسی کو اس کی توفیق و ہمت میسر آئے، آپ کو یاد ہوگا کہ چاند کا قطر (۲۱۶۰) میل ہے، ان "وسطی" شگافوں کی لمبائی کو جمع کر کے دیکھنا چاہیئے کہ وہ کل کتنے میل ہوتی ہے اور ابھی کتنی مشاہدہ طلب ہے ان مباحث

کی تصدیق و تفہیم کے لئے صفحات آئندہ پر چاند کی عام تصویر (عکسی) اور شگافوں کا نقشہ دیا گیا ہے براہ کرم انھیں ملاحظہ فرمایا جائے۔

ان درزوں اور دراڑوں کی نسبت قبل ازیں ہم نے اس کتاب کے "باب دوم" کے ایک عنوان "چاند کے غار اور شگاف" کے تحت جن معلومات کو بیان کیا ہے یہاں چند اور مغربی محققین کا بھی اصل بیان مع ترجمہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ مختلف مسلمہ اہل فن کی شہادتیں (جو ان کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں) اہل فکر ونظر کے لئے وثیقۂ استناد بن سکیں۔

THE TRUE CLEFTS, ONCE TERMED 'RILLS,' OF WHICH NEARLY TWO THOUSAND ARE NOW KNOWN GREAT NUMBERS HAVING BEEN DISCOVERED IN THE PAST 10 YEARS, ARE OF THE NATURE OF CHASMS OR CRACKS IN THE SURFACE, REARLY EXCEEDING A MILE IN WIDTH BUT FREQUENTLY EXTENDING FOR SCORES OR EVEN HUNDREDS OF MILES. SOME TIMES STRAIGHT, BUT MORE OFTEN WINDING AND TWISTING, THEY INTERSECT EACH OTHER AND OCCASIONALLY CUT THROUGH HILLS OR CRATER WALLS. THEY MAY BEGIN AND TERMINATE ON THE OPEN PLAIN AND OFTEN EXHIBIT INTERRUPTIONS WITH OCCASIONAL ENLARGEMENTS OR DUPLICITY. A HILL OR MOUNTAIN SOME TIMES APPARENTLY CAUSES A BREAK, BUT THE CLEFT FREQUENTLY REAPPEARS BYOND, AS WEB REMARKS (AS THOUGH CARRIED THROUGH BY A TUNNEL). A COMMON SITUATION IS THE MARGIN OF ONE OF THE GREAT PLAINS, CLOSE TO THE SURROUNDING MOUNTAIN RANGE. THE INTERIOR OF THE RING PLAINS OFTEN CONTAINED SYSTEMS OF CLEFT, AS IN THE CASE OF **GASSENDI,** WHERE OVER FORTY HAVE BEEN DETECTED; OR, AS IN THE CASE OF **PETAVIUS,** A WIDE AND DEEP CLEFT MAY RUN FROM THE CENTRAL MOUNTAINS OVER THE FLOOR AND CUT THROUGH THE SURROUNDING WALLS.

THE REGION TO THE NORTH-WEST OF **SINUS MEDI** IS TRAVERSED BY A NET WORK OF CLEFTS, MANY ORIGINATING AT A POINT TO THE WEST OF THE SMALL CRATER **TRIESNECKER** AND CONNECTING WITH A GREAT CLEFT THAT PASS THOURGH THE SMALLAR CRATER **HYGINUS.** FINE CLET ALSO CONNECTED THE HYGINUS CLEFT WITH THE LONGER AND DEEPER SPECIMEN ASSOCIATED WITH **ARIADAEUS** ON THE WEST; THE

TRIPLE SYSTEM OF CLEFTS FORMS THE MOST COMPLICATED CLEFT SYSTEM ON THE MOON.

MANY CLEFT BEGINS AS EXCEEDINGLY DELICATE CRACKS, GRADUALLY BECOMING WIDER AND DEEPER, UNTIL THEY EITHER JOIN THE PARENT AND THEMSELVES BECOME THE PRINCIPAL AND ONLY CHASM. SOME ARE NARROW AND DEEP, COMMONLY APPEARING AS FINE LINES OF BLACK SHADOW: OTHERS ARE WIDER AND EVIDENTLY SHALLOW, SINCE THE BRIGT LINE OF THE BOTTOM CAN FREQUENTLY BE SEEN. HERE & THERE MASSES HAVE BECOME DETACHED FROM THE SIDES AND, FALLING INWARDS, HAVE PARTIALLY FILLED UP THE OPENING IN OTHER SITUATIONS THEY ARE SEEN TO CONSIST OF ROWS OF MINUTES CRATER LETS OR PITS WHICH, AFTER CONTINUING AS SUCH FOR MANY MILES, OPEN OUT INTO THE USUAL CLEFT FORM. A WELL KNOWN EXAMPLE IS THE LONG CRATER-CLEFT TO THE NORT-WEST OF THE **COPERNICUS**.

THE EARLIER OBSERVERS DISCOVERED BUT FEW OF THESE INTRESTING FEATURS, THE FIRST BEING THE WELL KNOWN AND PROMINENT EXAMPLE NEAR **HERODOTUS** WHICH WAS DISCOVERED BY SCHROTER LOBRMANN, MADLER AND SCHMIDT ADDED THEIR NUMBER, WHILE LATER BRENNER, ELGAR AND GOODACRE FOUND STILL MORE. THE ADVANTAGES OF A LARGE APERTURE FOR THE DETECTION OF HITHERTO UNKNOWN CLEFTS AND OTHER DELICATE LUNAR DETAIL WILL BE EVIDENT FROM THE EXPERIENCE OF THE AUTHORS. ALTHOUGH WILKINS HAS FOUND NEW CLEFT WITH HIS 15 1/4 INCH REFLECTING TELESCOPE, SUCH OCCASIONS ARE RARE; BUT EVERY TIME A GAINT TELESCOPE HAS BEEN EMPLOYED (THE MEUDON 33 INCH REFRACTOR, THE CAMBRIDGE 25 INCH REFRACTOR DR. STEVENSON'S 30 INCH REFLECTOR) NEW CLEFTS HAVE INVARIABLY BEEN FOUND, EVEN IN REGIONS WHICH WERE SUPPOSED TO HAVE BEEN THOROUGHLY EXPLORED BY OTHER OBSERVERS AND WITH INSTRUMENT OF MODERATE APERTURE BUT OF HIGH OPTICAL QUALITY.

A GOOD INSTRUMENT AND A CLEAR ATMOSPHERE ARE REQUIRED TO OBSERVE SUCCESSFULLY SUCH CLEFTS AS HAVE ALREADY BEEN CHARTED. GREAT INSTRUMENTS ARE NECESSARY FOR THE FINEST SPECIMENS, AS IS

EVEDENTLFROM OUR REMARKS ABOVE

MANY CLEFTS BECOME DEEPER AS THEY NARROW TOWARDS THEIR ENDS; THE WIDEST PORTION IS NOT ALWAYS THE DEEPEST BUT MORE OFTEN THAN NOT MORE SHALLOW. WHILE MAJORITY ARE INVISIBLE WHEN FAR FROM THE TERMINATOR SOME, INCLUDING THE **HYGINUS** CLEFT, ARE VISIBLE UNDER HIGH ILLUMINATION, APPEARING THEN AS BRIGHT LINES. THE DIRECTION OF A CLEFT IS FREQUENTLY PROLONGED BY ROWS OF HILLOCKS OR CRATER LET CHAINS, AND SOME HAVE BEEN SEEN PROLONGED OVER THE TERMINATOR, PROBABLY DUE TO THE PARTIAL ILLUMINATION OF THE SURFACE THERE.

MANY CLEFTS APPEAR TO BE CHASMS WITH SHARP EDGES, OTHERS ARE BORDERED BY RAISED BANKS. THE LATER IS WELL ILLUSTRATED BY THE CRATER-RING **PETAVIUS**, WHERE THE GREAT CLEFT TRAVERSING THE FLOOR HAS RAISED BANKS OF SUCH A PROMINENT CHARACTER AS TO BE CLEARLY SEEN IN A 2 INCH REFRACTOR. OTHER AND FAR MORE DELICATE CLFTS WITHIN THE **PETAVIUS**, WHICH PRESENT SHARP EDGES WITHOUT ANY SURFACE DISTURBANCE.

THE ACTUAL DEPTH OF CLEFT IS IN GENERAL UNKNOWN, AND ESTIMATES RANGE FROM 10 MILES , PROPOSED BY **NANSMYTH**, TO 200 YARDS, CONSIDERED AS NEAR THE TRUTH BY **ELGR** AND **NEISON**. THE FIRST IS OBVIOUSLY A GROSS OVER ESTIMATE, AND IN ALL PROBABILITY THE DEPTH OF THE GREAT MAJORITY OF CLEFT, RARELY EXCEEDS HALF A MILE, AND IN MANY INSTANCES IS NOT MORE THAN 100 YARDS. EVEN IF THE CLEFTS ORIGINALLY DID ATTAIN A GREAT DEPTH IT WOULD EXCEED PROBABLITY FOR THE CHASM TO REMAIN OPEN SAME TO A MODERATE DEPTH BELOW THE SURFACE[+].

———— * ————

+ THE MOON. BY Dr PERCY WILKINS F.R.A.S & PATRICK MOORE, F.R.A.S PP: 31 TO 33 (LONDON)

ترجمہ

اصلی دڑاڑیں جن کو کبھی رلس کہا جاتا تھا، ان کی تقریباً دو ہزار کی تعداد اب تک معلوم ہوی ہے (اور بیشتر گزشتہ دس سال کے دوران دریافت ہوی ہیں) یہ تمام باعتبارِ ساخت سطح قمر پر رخنے اور شگاف جیسی ہیں، اور چوڑائی میں شاذ ہی ایک میل سے زائد ہوں گی، البتہ ان کی لمبائی بالعموم بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں میل تک چلی گئی ہے، بعض وقت یہ بالکل سیدھی چلی گئی ہیں لیکن زیادہ تر مڑتی ہوی اور پیچدار ہیں، اور ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوی اور گاہے پہاڑیوں اور آتش فشانی دہانوں کو کاٹتی ہوی آگے بڑھتی ہیں، یہ کھلے میدان میں شروع ہوکر وہیں ختم ہو جاتی ہیں اور اکثر ان میں اس وقت خلل پڑتا معلوم ہوتا ہے جب یہ وسیع یا دوہری ہو جاتی ہیں تو کوئی ٹیلہ یا پہاڑ ان کے انقطاع کا سبب بنتا نظر آتا ہے مگر آگے یہ شگاف دوبارہ نمودار ہو جاتا ہے۔ وِب کے بیان کی بموجب گویا یہ شگاف ایک سرنگ کے ذریعے آگے بڑھایا گیا ہے، یہ بات بالعموم دیکھی گئی ہے کہ بڑے وسیع میدان، پہاڑوں کے محیط سلسلوں کے عین بازو واقع ہیں، اور میدانوں کے اندرونی حصوں میں شگافوں کا جال پایا جاتا ہے جیساکہ گاسنڈی میں ہے، جس میں چالیس سے کچھ اوپر شگاف معلوم کئے جا چکے ہیں یا جیساکہ پٹاویس میں دیکھا گیا ہے کہ ایک گہرا اور عریض شگاف وسطی پہاڑوں سے نکل کر میدان کی سطح سے گزرتا اور اطراف کی دیواروں کو قطع کرتا ہے۔

سی نس میڈی کا شمال مغربی علاقہ شگافوں کے ایک جال سے بھرپور ہے کئی شگاف جن کی ابتداء ٹے رس نی کر دہانے کے مغربی حصے سے ہوتی ہے، وہ چھوٹے آتش فشانی دہانے ھائی جی نس کے پاس سے گزرنے والے بڑے شگاف سے مل جاتے ہیں، باریک شگاف "ہائی جی نس" کے شگاف کو اس بڑے اور گہرے شگاف سے ملا دیتے ہیں جو کہ مغرب کی جانب ارے ڈی یس سے متعلق ہے اس طرح کے تہرے شگافوں کا نظام، چاند کے دوسری قسم کے شگافوں سے زیادہ پیچیدہ ہے۔

کئی درازیں ابتداء میں بہت ہی نازک شگافوں کی طرح شروع ہوتی ہیں، پھر یہ رفتہ رفتہ چوڑی اور گہری ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اصلی دراز سے مل جاتی

یا پھر خود ایک مستقل رخنہ بن جاتی ہیں۔ بعض تنگ، گہری اور عام طور پر کالے سایہ کی باریک لکیریں معلوم ہوتی ہیں، دوسرے شگاف زیادہ چوڑے لیکن کم گہرے ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تہہ کی روشن سطح اکثر نظر آتی ہے، بعض مقامات پر کناروں سے ڈھیر علیحدہ ہوکر اندر کی طرف گر چکا ہے، اور رخنے جزوی طور پر بند ہیں، دوسری جگہوں پر یہ شگاف، آتش فشانی دہانوں کی ایک مسلسل زنجیر نظر آتے ہیں جو کئی میل تک چلنے کے بعد پھر عام شگافوں کی طرح ہو جاتے ہیں، اس کی ایک سب سے زیادہ نمایاں مثال کوپرنی کس کے شمال مغربی حصے میں واقع دہانے دار شگاف ہے۔

سابقہ مشاہدہ کرنے والوں نے مذکورہ دل چسپ خصوصیات میں سے صرف چند ہی دریافت کئے تھے۔ ان کی سب سے واضح مثال ہرڈولٹس کی ہے جس کو اسکروٹر، لوئرمن اور میڈلر نے دریافت کیا، اور اسکمڈٹ نے ان کی تعداد میں اضافہ کیا، بعد میں برٹز، ال گر، گڈاگر نے بھی مزید دریافتیں کیں۔

قمری سطح پر نامعلوم شگافوں اور دیگر نازک تفصیلات کے جاننے میں ایک بڑے مشاہداتی آلہ کی جو اہمیت ہوتی ہے وہ کتاب ہذا کے مصنفین کے تجربہ سے واضح ہو جائے گی اگرچہ ولکنس نے اپنی سوا پندرہ انچ دہانہ والی دوربین سے نئے شگاف دریافت کئے لیکن ایسی مثالیں شاذ ہیں، آج کل تو عظیم دوربین ہی استعمال کی جاتی ہے جیسا کہ میوڈآن کی ۳۳" والی دوربین، یا کیمرج کی ۲۵" اور ڈاکٹر اسٹی دن سن کی ۳۰" والی دوربین۔ ان آلات کی مدد سے نئے شگاف ان ہی جگہوں پر دریافت و مشاہدہ میں آئے، جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان مقامات کو سابقہ شاہدین نے کامل طور پر چھان ڈالا ہے۔

ایک عمدہ دوربین اور صاف و شفاف فضا ان شگافوں کے مشاہدہ کے لئے ضروری ہے جن کی ہم نے فہرست بنائی ہے، اعلیٰ ترین آلات نازک تفصیلات کے مشاہدہ کے لئے بے حد ضروری ہیں جیسا کہ ہمارے مذکورۂ بالا بیان سے واضح ہوگا کئی شگاف جس وقت کہ وہ اپنے اختتامی سرے کی طرف مڑتے ہیں تو گہرے ہو جاتے ہیں لیکن عریض ترین حصّے، ہمیشہ عمیق ترین نہیں ہیں بلکہ اکثر وہ اوتھل ہیں، اگرچہ ان شگافوں کی اکثریت غیر مرئی ہے جب کہ وہ خط نور سے دور ہوں لیکن بعض شگاف

جیساکہ ہائی جی نس ہے، طاقتور روشنی میں چمک دار خطوط کی طرح نظر آتے ہیں شگاف کی سمت عام طور پر پہاڑیوں کے سلسلوں یا آتش فشانی دہانوں کی قطار کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے اور بعض کی حد تو خط نور سے بھی آگے نکل گئی ہے اور یہ ہم کو اس لئے نظر آتا ہے کہ وہ شیئے جزوی طور پر روشن ہے۔

کئی شگاف تیز کنارے والے رخنے نظر آتے ہیں، اور بعض کے کناروں پر اونچی حصار سی بنی ہوئی ہے، ثانی الذکر کی عمدہ مثال ٹیاوی لیس دہانہ کی قطار ہے جس میں شگاف سطح سے گذرتے ہوئے ایسی حصار بناتا ہے جس کو ۲" کی دوربین سے تک دیکھا جا سکتا ہے اسی کے ساتھ ٹیاوی لیس میں دیگر نازک شگاف ہیں، جن کے تیز کنارے بغیر کسی سطحی رکاوٹ کے نظر آتے ہیں۔

شگافوں کی حقیقی گہرائی عام طور پر نامعلوم ہے اور اندازہ ہے کہ وہ (بموجب نس ماتھ) ۱۰ میل سے ۲۰۰ گز تک ہوگی، اتش، کوال گر اور فی سن نے حقیقت کے قریب کہا ہے لیکن دس میل کی گہرائی کچھ مبالغہ آمیز ہے اور امکان یہ ہے کہ بیشتر شگافوں کی گہرائی شائد ہی آدھے میل سے زیادہ ہو، اور کئی صورتوں میں وہ ۱۰۰ گز سے زیادہ نہیں ہے، تاہم اکثر شگافوں کی گہرائی ابتداء میں زیادہ ہو بھی تو رخنوں کے لئے معمولاً کھلے رہنے کے لئے جو گہرائی درکار ہوتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

("دی مون" مصنفہ ایچ۔ پی ولکنس اینڈ پیٹرک مور صفحہ ۳۱ تا ۳۳ مطبوعہ فیبر اینڈ فیبر لندن)

ایک غور طلب امر یہ باقی رہ گیا ہے کہ چاند کے درمیانی شگافوں کے سوا اس کے دونوں حصوں میں ہر طرف اور شگاف کیوں پائے جاتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ درمیان سے ٹوٹتے وقت، اور جڑنے کے موقع پر اس کو دو مرتبہ عظیم قوت سے سابقہ کرنا پڑا ہے جس کا ہم نے قبل ازیں اشارہ بھی کیا ہے، جو اتنی زبردست تھی کہ اس کے مختلف حصوں اور گوشوں پر بھی ساخت کے اعتبار اور صدمہ کے اثر سے یہ شگاف پیدا ہو گئے ہیں، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ :-

چینی کی قاب آپ کے ہاتھ سے چھوٹی، زمین پر گری اور دو ٹکڑے ہو گئی جب آپ نے ان ہر دو ٹکڑوں کو اٹھایا، تو یہ دیکھا کہ اس کے ہر نصف میں، حرج کی وجہ سے بال پڑ گئے ہیں۔

چاند کا کرہ قوتِ معجزانہ کے باعث درمیان سے ایسا ٹوٹا اور جدا ہوا کہ اسکے دونوں ٹکڑوں میں باہمی اتصال نہ تھا، لہٰذا اس امر سے اس وقت رونما ہونیوالی مہیب طاقت وقوت کا ہمیں اب تصور بھی محال نظر آتا ہے جیسا کہ ہم نے چاند کے شگاف اور غاروں کے بیان میں تذکرہ کیا ہے کہ سائنس دانوں نے ان کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ شگاف ایسے زلزلوں یا جوہری دھماکوں کے بعد ہی پڑ سکتے ہیں، جن کا زمین پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تو اب کامل کرہ کو دو ٹکڑے کر دینے اور پھر ملا دینے والی قوت کی نسبت سوچئے تو یہاں تصور کے بھی بال و پر جلتے نظر آئیں گے۔

لہٰذا اس عظیم طاقت کے صدمے، اثر اور اس کی لہروں سے چاند کے ان ہر دو حصوں میں کئی شگاف غار اور دیگر طبعی آثار رونما ہوئے اور باقی ہیں اور اب وہی دوربینوں کی مدد سے دکھائی دیتے ہیں، جیسا کہ اقتضاءِ مادہ کے اثر سے قاب کے ٹکڑے اور ان میں پڑے ہوئے "بال" باقی رہ گئے وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۔

ان سب تصریحات کے پڑھنے کے بعد، شاید ایک اور سوال یہ پیدا ہو کہ کیا معجزہ کے وقوع کے بعد سے، چاند کے نور اور اس کی "نور پاشی" میں بھی کوئی فرق پیدا ہوا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی اس خصوصیت و فطرت میں کوئی تفرقہ نہیں پڑا ہے جیسے کہ آئینہ ٹوٹ جائے تو پھر بھی اس کی صلاحیت "منظر نمائی" و منظر پذیری اپنی فطرت نہیں چھوڑتی، حتیٰ کہ بے شمار ٹکڑے ہو جائیں، تب بھی ہر ٹکڑا اپنی اسی فطرت کا حامل ملے گا۔

نئے مشاہدات اور معجزہ شق القمر — از رہبر فاروقی

ایک مرجح روایت کی رو سے — بوقت معجزۂ انشقاق

مہ کامل کا منظر

(زمین کی مغربی سمت میں)

مشرق

جنوب — شمال

مغرب

تاریخ معجزہ: ۱۴/۱۳ ذی حجہ سنہ ۸ نبوت م ۲۲ ۔ اگسٹ ۶۱۷ء دو شنبہ ڈھائی بجے شب

(غالباً حقیقی ماہ صفر کی تیرہ سنہ ۸ ۔ نبوت م ۲۰ اکٹوبر سنہ ۶۱۶ شنبہ)

نوٹ: اگر اس تصویر کو الٹ کر دیکھا جائے تو زمین کے مشرق میں حالت عروج کی ہوجائیگی

چند سال قبل تک دریافت شدہ

چاند کے شگافوں کا نظری خاکہ

مشرق

گاسنڈی

جنوب

شمال

مغرب

علامات { شگاف (RILL
غار ◎ (CRATER)

بلا پیمانہ

حسب نقشہ جات مرتبہ ایچ. پی. ولکنس۔ ڈائرکٹر آف لونار سکشن آف دی برٹش آسٹرانومیکل اسوسی ایشن، بہ کتاب "دی مون"

شائع کردہ:- فیبر اینڈ فیبر لمیٹڈ لندن
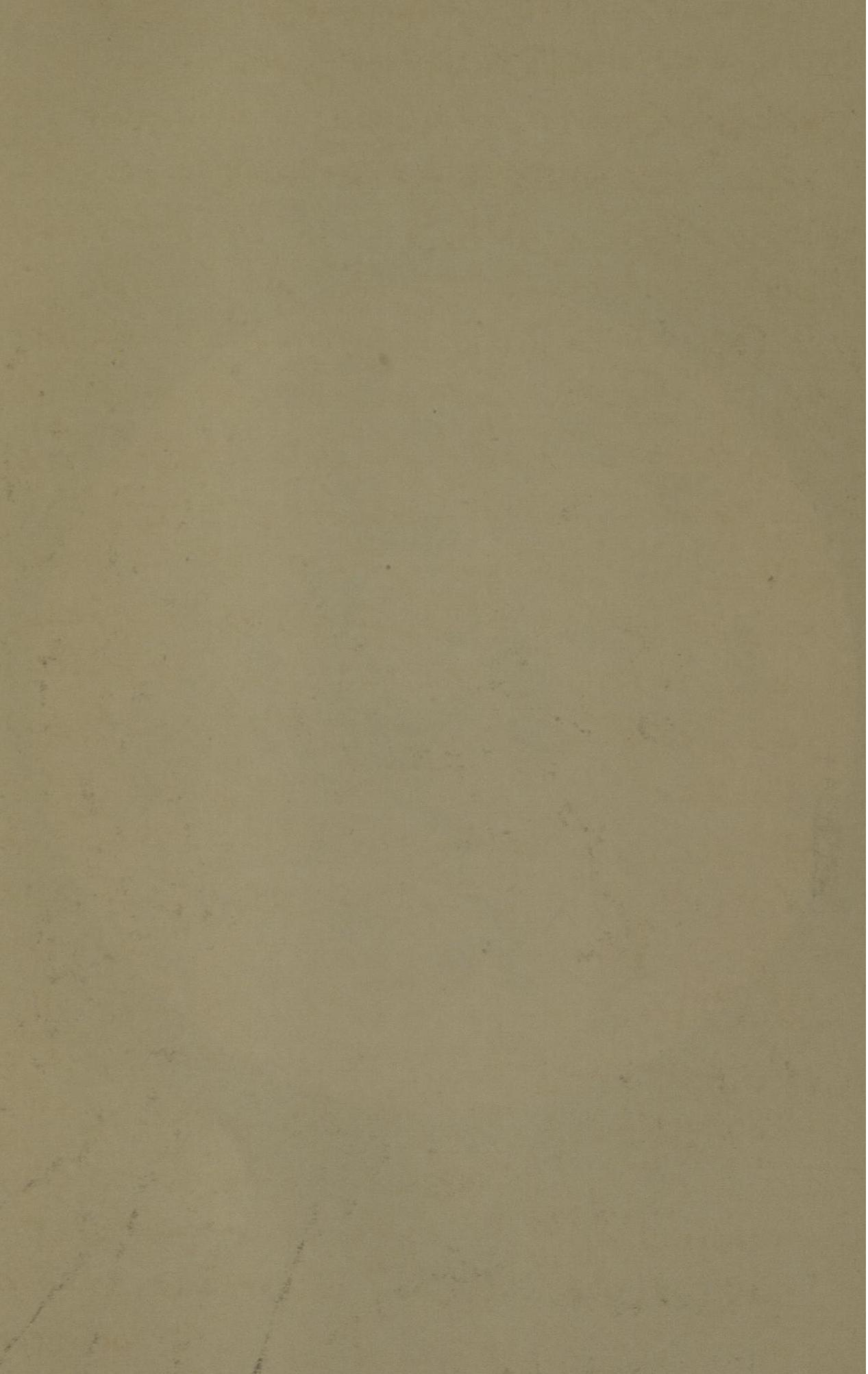
ان پہاڑوں کا تذکرہ جن کا نام
بسلسلۂ معجزہ حدیثوں میں آیا ہے

جو احادیثِ شریفہ آپ کی نظروں سے گزری ہیں، ان میں جن جن پہاڑوں کے نام بیان ہوئے ہیں، ان کے متعلق ہم یہاں سرسری اور ضروری معلومات پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ہمارے پیش کردہ مواد اور حدیثوں کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

یوں تو مکۂ معظمہ کے اطراف پہاڑ، حلقہ باندھے کھڑے ہیں اور یہ مقدس شہر ان پہاڑوں کے درمیان واقع ہے، اسی لئے وادیٔ مکہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اس وادی میں صرف ایک بڑا راستہ ہے جو شمالاً و جنوباً شہر میں سے گزرتا ہے، منیٰ کے قریب بھی راستہ کے دونوں جانب پہاڑوں کی ایک مسلسل دیوار سی چلی گئی ہے۔

(۱) **جبلِ ابو قبیس** شہر مکہ میں یہ سب سے بلند اور ایک خشک پہاڑ ہے جو کوہِ صفا سے متصل، اور حرم شریف کے جنوب مشرقی سمت واقع ہے خانۂ کعبہ سے قریب تر اور حجر اسود کے مقابل نظر آتا ہے، اس کی چوٹی حرم شریف سے قریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے، کہتے ہیں کہ یہی سب سے زیادہ قدیم ہے۔ طوفانِ نوح کے موقع پر "حجر اسود" کو اِسی میں امانت رکھا گیا تھا، اسی جگہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے حج کی منادی کی تھی اور اسی کو فاران کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت بلالؓ نے اِسی پر سب سے پہلے اذان کہی تھی، جس کی یادگار میں چوٹی پر مسجدِ بلال بنی ہوئی ہے، جبل بو قبیس اور جبل خزل (جبل احمر) کو اخشبانِ مکہ کہا جاتا ہے۔

(۲) **جبلِ قیقعان**، یہ مکہ کے بالائی حصے میں واقع ہے اور حرم مقدس کے "شمال مغربی رخ" کے پہاڑوں کے سلسلے میں شامل ہے، جس طرح ابو قبیس صفا سے متصل ہے اسی طرح یہ پہاڑ جبلِ عمر سے ملا ہوا ہے، اس کا رُخ ابو قبیس کی طرف ہے، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ہی مسجد الحرام (خانۂ کعبہ) واقع ہے۔

(۳) **کوہِ صفا**، یہ کعبہ سے جنوب مشرق کو ہے، اور اس کا رُخ حجر اسود کی طرف ہے۔ مروہ اس سے (۳۹۴) قدم کے فاصلہ پر ہے، یا ان دونوں کا باہمی فاصلہ (۳۷۴) میٹر ہے۔

(۴) کوہِ حرا جسے اب جبلِ نور کہتے ہیں، مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب پڑتا ہے، حرم شریف سے اس پہاڑ کا دامن (۲½) میل پر ہے اور اسی کی چوٹی سے قریب اوپر غارِ حرا واقع ہے۔

(صفحہ آئندہ پر توضیحاً نقشہ ملاحظہ فرمایا جائے)

وادیٔ مکّہ
و
منیٰ کے پہاڑ اور راستے

شق القمر کا وقت

احادیث اور دیگر بیانات سے وقوعِ واقعہ کے تین اوقات متعین ہوتے ہیں۔

(الف) رات اتنی گزر چکی تھی کہ چاند منیٰ کے مشرق میں طلوع ہو کر اس قدر بلند ہو چکا تھا کہ یہاں کھڑے ہونے والوں کو ابھی پہاڑوں پر ہی روشن اور چمکتا دکھائی دے رہا تھا، یعنی اسے نکلے ہوئے ۳ گھنٹے سے زاید ہو چکے تھے، گویا ہندوستان کے حساب سے **رات کے نو اور دس بجے** کے درمیان کا وقت ہوگا، ان پہاڑوں کی بلندی کے لحاظ سے ہمارے خیال میں ان کی چوٹیوں پر نظر آنے کے لئے اتنا ہی وقت درکار ہو سکتا ہے لیکن اس روایت کی جانچ کے لئے پہاڑوں کے ناموں کی کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ ہماری تحقیق اور حساب کی رو سے اس وقت موسمی مہینہ "اکتوبر"[۱] کا تھا یاد رہے کہ جغرافیائی حیثیت سے دنیا میں ۲۱ ستمبر کو دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد راتیں بڑھنے لگتی ہیں اور سورج جلد غروب ہونے لگتا ہے۔

(ب) بعض حدیثوں سے سمجھ میں آتا ہے کہ پچھلی رات کا وقت تھا یعنی دو ڈھائی بجے شب اور چاند منیٰ کے مغرب میں زوال کی طرف مایل ہو چکا تھا اور ہندوستان میں صبح کے پانچ بج رہے ہوں گے، ایسی صورت میں یہاں کے پہاڑوں کی چوٹی پر اس کا نظر آنا درست ہو سکتا ہے۔ حدیثوں میں صرف ایک ہی کتاب دلائل النبوۃ ابو نعیم میں، حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ چاند ٹوٹنے اور پھر اتصال پانے کے بعد غروب ہو گیا (ثم غاب القمر) اور زرقانی بھی کہتے ہیں کہ غالب روایات سے انشقاق کا وقت غروب ہونا ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ دیکھنے والے جس پہاڑ کا نام لیتے ہیں، اس سے سمت کی تعیین ہوتی ہے" غالب الروایات ان الانشقاق کان غروبه ویؤیده اسنادهم الرؤیة الی جهة الجبل ویحتمل ان الانشقاق وقع اول طلوعه فان فی بعض الروایات ان ذلک لیلة البدر والتعبیر بابی قبیس[۲]۔

---

[۱] جو ہمارے یہاں موسم سرما کے آغاز کا مہینہ ہے، ۲۰۔ اکتوبر کو حیدرآباد و دہلی میں علی الترتیب طلوع صبح صادق کے اوقات (٤/٥٦ و ٤/٥٩) اور طلوع آفتاب (٦/١٠ و ٦/١٨) اور غروب (٥/٥٢ و ٥/٤٢) کو ہوا کرتا ہے [۲] شرح مواہب لدنیہ جلد خامس ص ۱۲۵ مطبوعہ مصر، ہمیں وقتِ زوال میں دنیا کے زوال اور قیامت سے نسبت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(ج) بعض علماء نے کہا ہے کہ آدھی رات کا وقت تھا اور چاند آسمان کے بیچ میں سروں پر تھا، ہم نے اس مقالہ میں جتنی حدیث کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان میں کسی سے بھی اس قول کی تائید نہیں ملی۔

جن جن صحابہ نے پہاڑوں کا نام بیان کیا ہے، ان میں پہلا ابی قبیس کا ہے، حتیٰ کہ مشرکین نے بھی اپنی فرمائش میں اسی کا نام پہلے لیا ہے بعد میں دوسرے پہاڑ کا۔ رہا صفا و مروہ یا سویدا کا ذکر تو ان مختلف ناموں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ سب ان ہی پہاڑی سلسلوں کے مختلف نام ہیں، ہر ایک نے ایک ہی حقیقت کو ان کی زبانوں پر جس پہاڑ کا نام آگیا، یا ان کے مرکز مشاہدہ کی رو سے جس پہاڑ پر نظر آتا تھا یا منیٰ کی بجائے خود شہر مکہ میں مشاہدہ کیا ہو تو اپنے لحاظ سے اس کا نام لے کر واقعہ بیان کیا ہے، البتہ حرا کے مشرق و مغرب کی وضاحت جن علماء نے کی ہے، اس کے لئے مقام پر پہنچ کر تحقیق و تصدیق کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس کا فی الوقت ہمیں موقع نہیں مل سکا۔ دعا ہے کہ حق تعالےٰ یہ سعادت عطا فرمائیں، یا حکومت سعودی عرب یا کسی کو توفیق ہو کہ وہ اس مسئلہ کی ہر طرح سے مقامی تحقیق کرے۔

جبل بوقبیس پر مسجد بلال سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر وہ قبہ بنا ہوا تھا جو معجزہ کی نشان دہی کی خاطر، اور بطور یادگار تعمیر کیا گیا تھا، جو نجدیوں کے زمانہ میں مسمار کر دیا گیا۔ شاہ ابن سعود کے قبضہ سے قبل ترکوں کے زمانہ میں جو فوٹو لئے گئے تھے ان میں آج تک بھی اس یادگار کی تصویریں باقی ملتی ہیں حتیٰ کہ ہم نے ایک قلمی کتاب فتوح الحرمین (منظوم فارسی، قلمی با تصویر مصنفہ محی الدین لاری متوفی ۹۰۸ھ مکتوبہ ۹۷۳ھ) میں بھی اس قبہ کی، اور چاند کے دو ٹکڑوں کی تصویر بنی دیکھی جس میں اسے کھڑا ٹوٹا دکھایا گیا ہے، اس کتاب کے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

کانِ وفا ہیں، جبلِ بوقبیس	سنگِ غمش، بر دلِ فرہاد و قیس
در کمرش، موضعِ شقِ قمر	گشتہ چو خورشید بہ عالم سمر[۱]

---

[۱] فتوح الحرمین۔ تاریخ فارسی قلمی نمبر (۲۰۱۲) کتب خانہ آصفیہ (از نفائس کتب) کاتب ادریس ہروی بمقام مکہ۔

جب چاند شق ہو کر مل گیا اور اہل کفر کی، ان کے حسب مرضی خواہش پوری کی گئی تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ وہ اس عظیم واقعہ کو دیکھ کر فوری ایمان لے آتے اور موسیٰ سے مقابلہ کرنے والے جادوگروں کی طرح سجدہ میں گر پڑتے، بجائے اس کے انھوں نے کہا یہ واقعہ نہیں بلکہ ایک جادو ہے جیسا کہ ہمیشہ جادوگر دکھایا کرتے ہیں حضرت ابن عباس کی روایت (دلائل ابونعیم) میں اُن اشد کافروں کے نام بھی بیان کئے گئے ہیں جو اس وقت موجود تھے اور جو قوم کے سردار مانے جاتے تھے اور جن کا قبائل پر بڑا اثر و اقتدار تھا، آغاز اسلام کا زمانہ تھا اور حضرت خواجۂ کونین صَلّی اللّٰہ عَلَیْہ وَسَلّم کو طبعاً اس بات کی بڑی آرزو اور امید تھی کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کی وجہ سے اور ان کے اثر سے دین کی اشاعت میں بڑی ترقی و سرعت پیدا ہو جائے گی، بہرحال جب انھوں نے انکار کر دیا اور ان کو ہر طرح سمجھایا بھی گیا لیکن ماننے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو پھر آپ کو حکم الٰہی پہنچا کہ اب آپ ان کے پاس سے ہٹ جائیے۔

بعد واقعہ کتنی آیتیں نازل ہوئیں

حضرت انسؓ کی حدیث میں آیا ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ اسکے بعد "اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر" تک آیات شریفہ کا نزول ہوا، اور طبری نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس بارہ میں صرف اتنا فرمایا" فانزل اللہ تبارک وتعالےٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر"۔

راقم الحروف کو اپنے قصور علم اور کمی فہم کا ہر طرح اعتراف ہے لیکن اس کو سورۂ قمر کی تلاوت اور اس میں غور سے یہ نظر آتا ہے کہ شروع سورۃ سے آٹھ آیتوں تک مسلسل اس پورے واقعہ کی، وحی الٰہی نے الفاظ میں عکاسی فرمادی ہے اور اسے قرآن حکیم کے ذریعے قیامت تک کے لئے محفوظ بھی فرمادیا ہے جسے اِنْ شَاءَ اللّٰہ آگے شرح و بسط سے بیان کیا جائے گا۔

معجزہ کے انکار کے ساتھ ہی کیوں عام عذاب نازل نہیں ہوا

سنتِ الٰہی یہ رہی ہے کہ کافر جب معجزہ مانگتے ہیں، اور خدا کا پیغمبر جب ان کی

فرمائش پوری کر کے ایمان قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے اور پھر یہ لوگ انکار کر کے روگردانی کرتے ہیں تو ان منکرین کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا جاتا ہے لیکن معجزۂ شق القمر کے موقع پر جب ایسا نہیں ہوا تو آخر اس کے کیا وجوہ تھے؟ عام وجوہ تو وہی ہیں جو ہم نے باب سوم کے عنوان "منکرین پر عذاب کے نزول میں خاص رنگ" کے تحت بیان کیے ہیں، اس کے سوا اس معجزہ کی خصوصی نوعیت کے باعث اس کے حسب ذیل اسباب بھی ہوئے کہ عذاب نازل نہیں ہوا۔

پہلا یہ کہ:۔

یہ واقعہ رات کے وقت پیش آیا تھا، اور حضرت نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی قیامگاہ سے از خود منیٰ تشریف لے گئے جہاں ایک کثیر مجمع موجود تھا سارے مجمع میں سے صرف چند آدمی اس معجزہ کے طلبگار ہوئے جو اس وقت اپنی قوم یا حاضرین کے نمائندہ نہیں تھے اور نہ خدا کے رسول سے مقابلہ کے لئے پوری قوم یا جماعت کھڑی تھی جیسا کہ دیگر مواقع پر اور دوسرے انبیا علیہم السلام کے عہد میں ہوا

دوسرا یہ کہ:۔

رات کا وقت ہونے کے باعث مقام واقعہ (منیٰ) اور اس کے اطراف و اکناف ایسے بہت سے لوگ سوتے بھی پڑے ہوں گے جن کا اس واقعہ سے کوئی مطلب و تعلق ہی نہ تھا اور نہ انھوں نے یہ واقعہ دیکھا اور نہ ہی اس سے خبردار ہوئے اور دُور والے تو چاہے منیٰ میں ہوں یا کہیں بھی، اگر جاگ رہے ہوں گے تو ان میں سے کچھ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے اور بعض کو کچھ خبر بھی نہ لگی ہوگی کہ کوئی خاص واقعہ وقوع میں آیا ہے۔ شق قمر کے سبب اگر چاند کی روشنی میں کمی و زیادتی محسوس بھی کی ہوگی تو انھوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ ابر کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے، باہر نکل کر تحقیق ہی نہیں کی۔ جس طرح لوگوں کو پہلے سے چاند گہن کی تاریخ کی اطلاع رہا کرتی ہے ویسی کوئی بات بھی قبل از قبل ان لوگوں کو معلوم نہ تھی کہ اس کے منتظر ہوتے اور بار بار آسمان کو دیکھتے واقعہ وقوع میں آیا اور ختم بھی ہو گیا اور اس سارے وقت میں پیرے سے ان کو کچھ پتہ بھی نہ لگا۔

تیسرا یہ کہ:۔

اور بعض ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے چاند کا شق ہونا، اور ملنا دیکھا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ دور دور کے قافلے آئے تو ان لوگوں نے اپنے مشاہدہ کا مشرکین مکہ کے سامنے اقرار کیا، اور امر واقعہ کی تصدیق کی، غور فرمائیے کہ یہ لوگ یا ان کے جیسے دوسرے سب اشخاص جنھوں نے واقعۃً مشاہدہ کیا لیکن مقام واردات پر موجود نہ رہنے کے باعث قطعاً واقف نہ تھے کہ یہ واقعہ مشرکین مکہ کے مطالبہ پر معجزۂ نبوت سے وقوع میں آیا ہے تو ان صورتوں میں وہ عادل حقیقی کس طرح دفعۃً اتنے سارے بے خبر لوگوں کو جو منکرین کے ساتھ ملے جلے یا دُور تھے، عذاب بھیج کر برباد فرما دیتا، بعد میں ان ہی دیکھنے والوں کے ذریعے اس واقعہ کا غلغلہ بلند ہوا، اور ہر طرف اس کا چرچا پھیل گیا، جیسا کہ ہندوستان کے واقعات اس کا ایک ثبوت ہیں۔

واقعۂ شق القمر ایک عظیم الشان اور اہم تر معجزہ ہونے کے باوجود نیز اس کے شاید کفر و اسلام کے درمیان ایک فیصلہ کن نشان ہونے کے باوصف حضور رحمۃ للعالمینؐ کی خصوصی شان اور رحمت و شفقت سے لبریز پاک قلب کے طفیل میں خدائے پاک نے اس طرح سے وقوع معجزہ کے اسباب پیدا فرمائے کہ سابقہ رسولوں اور ان کی امتوں میں اس کی مثال نہیں ملتی "سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" ایک محاورہ ہے اور اس محل پر اسکا استعمال مجھے گو پسند نہیں آتا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہی کچھ ہوا۔

مطالبہ کر کے انکار کرنے والوں کا بُرا انجام

اللہ تعالیٰ نے عذاب سے سبھوں کو تو یوں بچا لیا، اور اپنی رحمت سے مطالبہ کر کے انکار کرنے والوں کو چھ سات سال کی مہلت بھی دی، بالآخر سنت الٰہی نے ان منکرین میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔ اور سب کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ یہ جنگِ بدر (۷۔ رمضان ۲ ھ م ۱۶۔ مارچ ۶۲۴ء) میں مارے گئے، خدا و رسول کے دشمن کسی طرح نہ بچ سکے، ان کا جو عبرت ناک انجام ہوا، ناموں کے ساتھ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) ولید بن مغیرہ (مخزومی) ابن عبداللہ بن عمر۔ یہ مشہور مجاہد و فاتح اسلام

حضرت خالد بن ولید کا باپ تھا، اسلام کی مخالفت کرنے والوں میں اس کی بہت شہرت ہے، قرآن نے کئی جگہ اس کے کردار بد، اور غرور کو بیان کیا ہے اور اس کو جو خصوصی و شخصی عذاب (سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ، سورۂ مدثر پ۲۹ آیت ۱۷) دیا جائے گا، اس کا ذکر کیا ہے، حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے آیتِ مذکورہ کی تشریح میں ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے ولید کو اس پر چڑھایا جائے گا، جب وہ اپنا ہاتھ اس پر رکھے گا تو پگھل جائے گا اور جب اٹھائے گا تو دوبارہ پھر اصلی حالت پر عود کر آئے گا، جب قدم رکھے گا تو ان کی بھی یہی کیفیت ہوگی، ستر سال تک اس پر چڑھے گا، پھر لڑھک کر نیچے گر جائے گا، اور ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

کہا جاتا ہے کہ مکہ میں یہ اتنا بڑا مالدار شخص تھا کہ اس کی برابری کو کوئی شخص نہیں پہنچتا تھا، اس کے نہایت عمدہ باغات، جائدادیں، اونٹ، گھوڑے بکریاں سب ہی کچھ تھیں، خدا نے دس یا سات بیٹے بھی دیئے تھے، آخر اس معجزہ سے انکار، اسلام کے ساتھ اس کی دشمنی اور شرارتوں کا خدائے تعالیٰ نے دنیا میں بھی اس کو بدلہ دیا کہ فقیر و محتاج ہو کر مرا۔ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ ایک خزاعی سوار کا نیزہ اس کی ورید الحبل (بازو کی ایک رگ کا نام) میں جا لگا تھا جس سے رگِ جاں کٹ گئی[۱]۔

(۲) ابوجہل ۔ اس کا نام عمرو تھا، اور کنیت ابو الحکم بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر، ولید کا بھتیجا تھا، جنگِ بدر میں عفراء کے دو جوان فرزند معاذ و معوذ نے جب اسے میدان میں دیکھ پایا تو باز کی طرح جھپٹ پڑے اور ایسے کاری وار لگائے کہ سواری سے گر پڑا، جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ابھی زندہ ہے اس کے سینہ پر پاؤں رکھ کر سر کاٹنا چاہا تو ایسی جان کندنی کی حالت میں بھی نہایت حقارت کے ساتھ از راہِ تکبر کہنے لگا کہ او بکریاں چرانے والے دیکھ تو کس کے سینہ پر پاؤں رکھتا ہے میں قوم کا سردار ہوں،

---

[۱] رحمۃ للعالمین جلد سوم ص۳۵

میرا سر شانوں کے پاس سے قطع کر، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ ایک سردارِ قوم کا سر ہے۔

مقامِ عبرت ہے کہ فرعون نے جب اپنی موت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی تو کم از کم اس وقت تو ایمان لے آیا تھا لیکن یہ کم بخت فرعون سے بھی زیادہ شدید نکلا، ابوجہل کو بھی اس امت کا فرعون کہا جاتا ہے (فرعون ھٰذہ الامّۃ)

(۳) عاص بن وائل، حضرت عمرو بن العاص کا باپ تھا، گدھے پر سوار جاتا تھا ایک غار کے برابر پہنچا تو گدھے نے ٹھوکر کھائی اور اچھل کر سر کے بل سامنے گڑھا تھا اس میں اوندھا جا گرا، وہاں ایک سخت زہریلا بچھو تھا اس نے کاٹ لیا جس کے اثر سے جسم سڑ گیا اور پھر اسی حالت میں سڑ سڑ کر مر گیا۔

(۴) عاص بن ہشام، یہ کافر بھی جنگِ بدر میں مارا گیا۔

(۵) اسود بن عبد یغوث۔

(۶) اسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب، یہ شخص اکثر نقلیں اُتارا کرتا تھا اتفاق سے ایک دن ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا جب اٹھا تو سخت اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہو گیا اور انتہائے کرب سے کہتا جاتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے دھنسے پڑتے ہیں۔

(۷) زمعہ بن الاسود، یہ بھی معرکۂ بدر میں مارا گیا۔

(۸) نضر بن الحارث بن کلدہ بن عبد مناف، بدر کی لڑائی میں قریش کا علم بردار تھا زندہ گرفتار ہوا جسے بعد جنگ قتل کرا دیا گیا۔

معجزہ کا انکار یا اس میں شک کرنے والوں کے لئے تنبیہ

یہاں تنبیہاً اس امر کو بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معجزۂ شق القمر کا منکر کافر ہو جاتا ہے، کیوں کہ ایسا شخص (نصِّ صریح) قرآن کا منکر سمجھا جائے گا اور قرآن حکیم میں اس واقعہ کا تذکرہ بصراحت موجود ہے اور قرآن کے کسی جز و یا آیت کا منکر، دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس کے سوا اس معجزہ کے انکار سے اس دنیا ہی میں آدمی خدا کے غضب کا نشانہ بنا رہتا ہے جیسا کہ ان کافروں کے واقعات اس کے گواہ ہیں، نیز معجزہ کا

جن آیات میں ذکر فرمایا گیا ہے، ان میں سے ایک میں بتایا گیا ہے کہ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ (خوف وذلت کے مارے) ان کی نظریں جھکی ہوں گی، اور اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے کہ منتشر ٹڈیاں) یعنی اس معجزہ کے منکرین اپنی قبروں سے نکلنے کے ساتھ ہی تمام انسانوں سے الگ جس خاص قسم کے عذاب میں گرفتار ہوں گے، آیت شریفہ میں اس کی خبر دے دی گئی ہے جس میں شائد ان کے سوا کوئی مبتلا نہ ہو گا چونکہ اس معجزہ کا تعلق آنکھوں سے تھا اور ہے، اس لئے منکرین کی آنکھوں پر وہ ذلت و رسوائی برستی ہو گی کہ سارے اہل محشر متحیر ہوں گے اور اپنی اپنی قبروں سے ایسے خاص انداز ذلت میں اٹھیں گے جیسے کہ اپنے دل سے ٹڈیاں منتشر ہو کر پھیل پڑتی ہیں پھر بعد میں جو سزا ہو گی اور محاسبہ کیا جائے گا وہ الگ ہو گا اللّٰهُمَّ احفظنا بلطفكَ وَبجاہِ حبيبكَ الكريم۔

قرآن شریف کے آیات والفاظ[1] سے واقعاتِ معجزہ کا استخراج

اب تک حدیثوں کی روشنی میں ہم نے واقعاتِ معجزہ کو پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ خود اصل قرآن محفوظ اور اس کی آیاتِ شریفہ کے انوار میں بھی صورت واقعہ کو دیکھنے کی سعی کریں، کیوں کہ یہ ہر رطب و یابس سے بھرا، سو شہادتوں کی ایک شہادت ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَاۗءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَاۗءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ	(قیامت کی وہ) گھڑی پاس آ گئی (کیونکہ) چاند شق ہو گیا ۝ اور اگر (کافر) معجزہ (نشانی) دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں (یہ امر واقعہ نہیں صرف) جادو ہے جو (جلد ہی) زائل ہو جائے گا ۝ اور (گو) یوں انھوں نے اس کو جھٹلا دیا اور اپنی من مانی ہی کی اتباع کی (حالانکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) ہر امر (واقعہ بعد وقوع)

۝ وقف لازم

[1] مخفی نہ رہے کہ اس عنوان کا مضمون ما بعد کے کئی ذیلی عنوانوں میں بیان ہوا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

پ۲۷ — سورہ قمر

مستقر گیر رہتا ہے (یعنی اسی طرح جرم قمر پر بھی موجود ہے ۝ اور بالتحقیق (ایسی بہت سی) خبرداریاں ان کے پاس پہنچ چکی ہیں کہ جن کے سبب ان کی ڈانٹ کی جا سکتی ہے ۝ (یہ) حکمت (معجزہ) تو (اوروں تک) پہنچنے والی حکمت ہے پس (افسوس کہ) ڈرانے والے (نشانیاں، معجزات اور پیغمبر) کچھ بھی (ایسوں کو) فائدہ نہیں بخشتے ۝ سوا ہے آپ انکے پاس سے ہٹ جائیے، جبکہ قیامت میں ایک پکارنے والا (ان کو ایک بہت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا ۝ (خوف و ذلت کے مارے) ان کی نظریں جھکی ہوں گی (اور اپنی) قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے کہ منتشر ٹڈیاں ۝ (اور) اُس پکارنے والے کے پاس دوڑ کر پہنچیں گے (اور پھر ان دردناک عذابوں کو دیکھ کر) یہ کافر کہیں گے کہ بڑا ہی مشکل دن آن پڑا ۝

قیامت میں شق کا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے لمحۂ فکر

"انشق القمر" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ چاند کا پھٹنا بطور ایک امرِ واقعہ کے رونما ہوا، کیوں کہ ان آیتوں میں اس واقعہ کو دیکھنے والوں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اسے ایک جادو کہہ کر اس کا انکار کر رہے تھے، پہلی آیت کو دوسری آیت مؤکد بناتی ہے، اور الفاظ یروا، یعرضوا و یقولوا سب اس کی تائید کرتے اور امرِ واقعہ کے حقیقتاً وقوع پذیر ہونے پر گواہی دیتے ہیں، مسلمانوں میں سے ایک گمراہ جماعت نے پہلی آیت کے ابتدائی الفاظ اقتربت الساعۃ سے یہ مطلب نکالا کہ شق قمر کا واقعہ قیامت میں ظاہر ہوگا، انھوں نے ماضی کے صیغہ (انشق) کو مستقبل کا صیغہ تصور کیا (یعنی سَیَنْشَقُّ) پھٹ جائے گا) جو کم علمی و عقل پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ

بعد کی آیتوں میں دیکھتے ہیں، منہ پھیر لیتے ہیں، کہتے ہیں اور جادو ہے وغیرہ الفاظ سے جو زمانہ متعین ہوتا اور نکلتا ہے اس کا کیا مطلب لیا جائے گا اور ان سے کوئی کس طرح آنکھیں بند کر سکتا ہے، دنیا میں کسی کو کسی بھی قائل (صاحب کلام) کے کلام میں ایسی بے جا مداخلت اور اسے مسخ کر کے رکھ دینے کی کہیں اجازت نہیں دی جاتی اور نہ اسے اہلِ علم وادب وصاحبانِ انصاف نے کبھی قبول کیا ہے۔

ان لوگوں کی اس حرکت کا منشاء یا غرض شاید یہ تھی کہ دیگر اہلِ مذاہب اس معجزہ پر جو عقلی اعتراضات کیا کرتے تھے، اس سے بچنے کی راہ نکالی جائے، کیوں کہ یہ معجزہ صدیوں سے اہلِ فلسفہ وحکمت میں مناظرہ ومباحثہ کا موضوع بنا ہوا تھا جس کا سلسلہ اب سے (۶۰، ۷۰) سال بیشتر تک بھی برابر جاری تھا، اسلام نے جن جن امور ظاہر وغیب کے بارہ میں جو حقائق اور صداقتیں بخشی ہیں وہ مسلمانوں کے حق میں اتنی اٹل ہیں کہ چاہے ساری دنیا انکار کر بیٹھے لیکن ایک مردِ مومن اپنی جان تو دے سکتا ہے مگر اس سے انکار وانحراف کی جراءت نہیں کر سکتا۔ ارسطو کے اس نظریہ سے کہ "اجرام سماوی میں خرق والتیام (ٹوٹنا اور ملنا) محال ہے" ساری علمی دنیا متاثر تھی تو مسلمانوں کا فلسفہ زدہ طبقہ بھی متاثر تھا۔ اس لئے ایسے افراد نے اپنی ظاہر بین ناقص ومحدود عقل وعلم کے سہارے قرآنی الفاظ کو غلط معنی ومفہوم پہنانے کی جراءت کی اور صداقت وحی کی غلط تاویل میں پڑ گئے تاکہ معترضین کو عقلی سطح پر اعتراضات کا موقع نہ مل سکے لیکن انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ جب ہم چاند کا قیامت میں پھٹنا تسلیم کر کے ان کی خاطر یہ غلط تاویل پر اتر آئے ہیں تو اس کو بھی یہ لوگ کہاں ماننے والے تھے وہ تو سرے سے کسی زمانہ (ماضی، حال، مستقبل) میں خرق والتیام کے امکان کے قائل ہی نہیں تھے پس جب قیامت میں چاند کا پھٹنا کہا جائے تو وہ بھی کب قابل قبول ہوتا۔ چناں چہ ایسا ہوا بھی یا ممکن ہے واقعہ مستقبل کہہ کر معترض کو خاموش کر دینا اور ٹلا دینے کا ایک راستہ نکالا گیا ہو لیکن یہ سراسر دیانت داری کے خلاف تھا بہر حال ایسے شک کرنے والے مسلمانوں اور مذبذبین کے قول سے اتنا تو عیاں ہوتا ہے کہ انکو بجائے عہدِ رسالت کے قربِ قیامت میں اس کے انشقاق سے اتفاق ہے یعنی

ان کو اصولاً یہ تسلیم ہے کہ جرم قمر میں عملِ انشقاق وقوع پا سکتا ہے تو چاہے پہلے شق ہو چکا ہو یا بعد میں شق ہو، بلحاظ اس کی صلاحیتِ طبعی کوئی فرق نہیں پڑتا دونوں امر برابر ہیں لیکن پہلے شق پانے کو یہ کس قاعدہ اور کلیہ سے رد کرتے اور تامل کرتے ہیں، ان کے پاس اس کی کوئی معقول دلیل نہ تھی، جب قرآن وحدیث دونوں تصدیق کرتے ہیں کہ پھٹ چکا، تو پھر غلط تاویل بے فائدہ اور خطرناک تھی اور یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ یہ قرآن پاک کی تاویل نہیں تحریف ہے اور قرآن کی تحریف سے، مسلمان، مسلمان کہاں باقی رہتا ہے۔

چاہے مسلم ہوں کہ غیر مسلم، کسی قوم و ملک سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، کئی کئی نسلوں اور طویل زمانوں میں بھی اس سچائی کو کما حقہ پانے کی کون قدرت رکھتا ہے جو خدا اور رسول نے پیش کی ہے۔

اس مقالہ میں ظاہر کیا جا چکا ہے کہ دشمنانِ دین کا کیا حال تھا پیغمبرِ اسلامؐ کن مشکل حالات سے دوچار تھے تو اپنے ایسے شدید دشمنوں کے سامنے آیتوں میں یہ کہا جائے کہ چاند پھٹ چکا تو کیا کتابِ الٰہی اور رسولِ خدا کو اگر یہ جھوٹی بات ان کے منہ پر کہی جا رہی تھی تو یہ لوگ سن کر خاموش رہ جاتے، کیا دین آناً فاناً ملیامیٹ نہیں دیا جاتا اور جو مسلمان ہو چکے تھے وہ سب نعوذ باللہ اتنے بڑے جھوٹ کے بعد اپنے رسول سے برگشتہ اور دین سے پھر نہیں جاتے تھے جیسا کہ ان کے واقعاتِ زندگی بتاتے ہیں کہ وہ کبھی جھوٹ قبول کرنے والے ہی نہ تھے۔

چاند کے غاروں اور شگافوں نے حکماء کے ہزاروں سال پرانے مسلمہ نظریہ کو توڑ دیا

اب تو ہم اپنے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ وہ یونانی نظریہ جو صدہا سال تک دنیا کو مرعوب و متاثر کرتا رہا تھا اور جسے عقلائے عالم تسلیم کرتے چلے آئے تھے خود زمانہ پر ثابت ہو کر رہا کہ وہ کتنا مہمل اور جھوٹا تھا، کیوں کہ ہمارے عہد کے لوگوں نے تو یہ دیکھ لیا کہ اب چاند پر شگاف اور غار پائے جاتے ہیں، جب صدیوں بعد ہم مسلمانوں کے سامنے ایسے عظیم تجربے اور صداقتیں آ جائیں اور ہمیں اپنی زندگی میں ایسے اور بھی کئی تجربوں سے خدا اور رسول کا صادق و برحق

ہونا عالم آشکار ہو کر معلوم ہونے لگے، اور اس کے بعد بھی نہ مانا جائے تو اس کے آگے کیا کہا جا سکتا ہے، شدتِ کفر کو ظاہر کرنے کے لئے الفاظ ہی نہیں ملتے نعوذ باللہ فرعون و ابو جہل بھی ان کی گرد کو نہیں پہونچیں گے، نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

قرآن کہتا ہے کہ شق القمر ہو چکا، اور یہ حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ ہے اور تمام حدیثوں کا سیاق و سباق، قرینہ، ان کے الفاظ، جملے حتّٰی کہ بین السطور سب شہادت دیتے ہیں کہ یہ واقعہ عہد رسالت میں پیش آ چکا قیامت میں صرف چاند ہی کیا، نجوم، کواکب اور آفتاب، ارض و سما سب ہی کی شکست و ریخت اور سارے عالم کے تہ و بالا ہونے کی خبر دی گئی ہے، ان کم فہم افراد سے کوئی پوچھے کہ قیامت سامنے آ جانے اور اس میں لوگوں کے مبتلا ہو جانے کے بعد کافروں کے اس سے انکار کرنے کے کیا معنی ہوں گے، وہاں تو دم مارنے کی بھی مہلت نہ ہوگی، اور واقعۂ قیامت کو ٹٹ جانے والا، یا ہمیشہ ہوتا آیا جادو یا سحر تو کوئی کیسے کہہ سکتا ہے آیات شریفہ میں آخر یہ سب صراحتیں کیوں ہیں؟

قرآنی آیات سے آں حضرت ہی کے معجزۂ شق دکھانے کا ثبوت

بعض اور بے خبروں نے اور کسی زمانہ میں عیسائیوں نے بھی یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ معجزہ دکھایا تھا یہی آیتیں شہادت دیتی ہیں کہ آپ ہی نے یہ معجزہ دکھایا، چناں چہ خدائے تعالیٰ کے یہ الفاظ کہ" اگر کافر و منکر کوئی نشانی و معجزہ دیکھتے ہیں تو منھ پھیر لیتے ہیں (ان یّروا اٰیۃً یّعرضوا) تو مقام غور ہے کہ جب ان کے دیکھنے اور منھ پھیر لینے کا ذکر ہے تو ان ہی الفاظ سے یہ نتیجۂ لازم برآمد ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اس کا دکھانے والا ضرور تھا، اور دکھا وہی سکتا تھا جس سے انھوں نے فرمائش کی تھی اور فرمائش اسی سے کی گئی ہوگی، جو اپنے کو پیغمبر کہتا اور ان کو دعوتِ حق دے رہا ہوگا، اور صاف ظاہر ہے کہ سوائے آں حضرتؐ کے، کوئی اور اس وقت تو ایسا تھا نہیں، اور اس سے بھی زیادہ صاف یہ ہے کہ آگے کی آیت میں کفار کے نہ ماننے اور

حجت کرنے پر، راست آپ کو خدا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ اب آپ ان کے پاس سے ہٹ آئیے (فَتَوَلَّ عَنْهُمْ) ان ہی الفاظ قرآنی سے معجزہ دکھانے والی شخصیت کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔

یَرَوْا ہی کا لفظ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ واقعہ وقوع پا چکا، پھر اس کے رونما ہونے کے بعد کافروں کا منھ پھیر لینا (یُعْرِضُوا) بھی وقوع واقعہ کی صداقت کا دوسرا گواہ ہے، اور ان منکرین کی گفتگو میں جو اہم اعتراض تھا، اسے خدا نے وحی میں شامل فرما کے آنے والی نسلوں کی عبرت و دیگر مصالح کے تحت تو محفوظ ہی کر دیا ہے، اور یَقُوْلُوا سے ثابت ہوتا ہے کہ کافروں کو بھی نفسِ واقعۂ شق کا انکار نہیں بلکہ اقرار ہے اور انکار بھی صرف اس امر میں ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا ہے بلکہ جادو کا کرتب ہے (یعنی سحر مُستمر) اور اسی کا آگے کی آیتوں میں کُلُّ امر مستقر ـــــ اور ـــــ حِکمَۃ بَالِغَۃ کے "الفاظ کے حجابات" میں نہایت گہرا اور رازوں اور حقائق پر مملو جواب دیا ہے، جس کو اس وقت بھی بہ تقاضائے ماحول و وقت سمجھنے والوں نے اپنے حال کے مطابق سمجھا اور بعد کی آنے والی نسلوں کے لئے بھی ان ہی پردہ ہائے الفاظ میں غور و فکر کے لئے صداقتیں رکھ دیں (جسکی ہم اسکے محل پر وضاحت کریں گے)۔

کَذَّبُوا کا لفظ بھی، وقوع واقعہ کی شہادت دیتا ہے، یعنی شق القمر دکھایا گیا، تب ہی تو اسے جھٹلایا، جب رونما ہی نہ ہو تو جھٹلانے کا کیا سوال، نیز اس سے اس واقعہ کی اور دو صورتیں بھی جھلکتی دکھائی دیتی ہیں، ایک تو یہ کہ انھوں نے جادو کہہ کر امرِ واقعہ کو جھٹلایا اور شاید یہ بھی ہو کہ بوقت طلب معجزہ ایمان لانے کا اقرار کیا تھا، اور بعد واقعہ جب مُکر گئے تو ثابت ہوا کہ انھوں نے جھوٹے طور پر یہ اقرار کیا تھا۔

آپ نے یہ معجزہ دکھا کر ان کی فرمائش پوری کر دی تھی، اب ان کو ایمان لانے میں کوئی عذرِ لنگ باقی نہ رہا تھا، لیکن جب دشمن اس طرح عاجز ہو گیا اور اپنے دام میں آپ پھنس گیا تو اس سے نکلنے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی تھی کہ اس پر جادو کا اتہام لگا کر، انکار کا پہلو نکالے، اور یوں واقعہ کو جھٹلا کر راہِ فرار اختیار کرے۔

(د) تفسیر آیات

سورۂ قمر کی ابتدائی آٹھ آیتوں کے الفاظ و معانی

(جس میں معجزۂ شق القمر کا بیان ہے)

(۱) پہلی آیت کی تشریح :-

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝

نوٹ :- چوں کہ اس آیت کی بہت اہمیت ہے اور اسی میں امت میں اختلاف رائے پیدا ہوا ہے، اسی لئے ہم اس کی زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کریں گے، تاکہ مقصودِ اصلی تک رسائی ہو سکے ۔

اِقْتَرَبَ = اقتراب سے صیغہ ماضی واحد مونث غائب، بمعنی قریب آن پہنچی۔
اَلسَّاعَۃُ = گھڑی، مراد قیامت کی گھڑی ۔

" اقتربت الساعۃ " کے الفاظ اتنی شدید اہمیت رکھتے ہیں کہ خدائے پاک نے واقعۂ شقِ قمر کے بیان پر بھی اس کے ذکر کو سبقت دی ہے اور وحیٔ الٰہی نے انسانوں کو اس راز سے جو اُن کے حق میں خبر عظیم اور بڑا خوفناک معاملہ ہے، انتہائی اہم ہونے کے باعث اسی کے تذکرہ کو مقدم کرکے فرمایا اور شق قمر کے واقعہ کو ثانوی حیثیت دے دی، تاکہ انسان خبردار ہو جائیں اور تیاری کر لیں کہ اب قیامت پاس آگئی ہے اور دنیا نے اپنے کوچ کرنے کا اعلان و اشتہار دے دیا ہے فاستعدوا لہا قبل ہجومہا۔

قیامت قریب ہونے کے اعلان کی اہمیت

" اقترب " کے لفظ پر غور کرنے سے ہمیں یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ واقعۂ شقِ قمر کے پیش آنے تک جملہ انبیا علیہم السلام ہزاروں برس سے یہ اعلان کرتے چلے آرہے تھے کہ قیامت آنے والی ہے (الساعۃ آتیۃ)

اٰتِیَۃٌ پ۱۶ - سورۂ طٰہٰ - آیت ۱۶) لیکن جب شق قمر کا واقعہ رونما ہو گیا تو اس وقت سے قطعیت کے ساتھ اہلِ عالم پر یہ بھید ظاہر کر دیا گیا کہ "قیامت قریب آ گئی" (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ) چناں چہ جب ہم نے اس خیال کو لئے ہوئے بغرض تحقیق "کتاب حمید" کی تلاوت کی تو سورۂ قمر کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں ہی قَرِیْب کا لفظ پایا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) لعل السّاعۃ قریب، پ۲۵ سورہ شوریٰ مکی - آیت ۱۸) سلسلہ نزول سورۃ ۴۷ یا ۵۹ -

(۲) وما امر السّاعۃ الا کلمح البصر او ھو اقرب، پ۱۴ - سورہ نحل، مکی آیت ۷۷ سلسلۂ نزول - ۷ یا ۶۴ -

(۳) اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ، پ۱۷ - سورۂ انبیاء آیت ۲ مکی سلسلہ نزول (۷۳ یا ۶۷) -

(۴) وَاقْتَرَبَ الوعد الحق، پ۱۷ - سورۂ انبیاء آیت (۹۸) مکی سلسلہ نزول (۷۳ یا ۶۷) -

(۵) لعل السَّاعَۃَ تکون قریبا، پ۲۲ - سورۂ احزاب، آیت ۶۴ مدنی سلسلہ نزول (۹۰ یا ۸۸)

(۶) وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھُوَ ط قُلْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا ۰ پ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۵۱ مکی سلسلۂ نزول (۴۴ یا ۵۰)

اور نزولِ سورۂ قمر سے قبل کی سورتوں کی بھی، تا بہ امکان، بنظر غائر تلاوت کی گئی تو ہمیں ان میں کہیں قَرِیْب کا لفظ نہیں ملا۔

قرآنِ حکیم میں کل (۶۶۶۶) آیتیں اور (۱۱۴) سورتیں ہیں جن میں (۸۶) مکی اور (۲۸) مدنی سورتیں کہلاتی ہیں، علمائے دین نے بلحاظ زمانہ نزول ان کے جو سلسلۂ نشانات قائم کئے ہیں، ان میں مختلف اقوال ہیں، ان میں سے کم از کم تین مکاتیب خیال کی رو سے سورۂ قمر کا ۳۲ یا ۴۳، یا ۳۷ واں نمبر ہے۔ ان تینوں طریقوں کے ذریعے جانچ کرنے پر ہمیں اپنے خیال کی تصدیق میسر آئی چنانچہ ہم اپنے ناظرین اور دیگر محققین کے غور و فکر کے لئے بھی اس کی جدول یہاں درج کرتے ہیں۔

ان سورتوں کی فہرست جو سورۂ قمر سے پہلے نازل ہوئیں

۱ بروایت محمد بن حفص بن اسد الکوفی عن محمد بن کثیر و محمد بن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس				۲ بلحاظ انگریزی ترجمہ قرآن علامہ عبد اللہ یوسف علی				۳ بلحاظ مصحف حضرت سیدنا علی رض			
نشانِ سلسلۂ نزول	نام سورہ	مطابقت پارہ	مقام نزول	نشانِ سلسلۂ نزول	نام سورہ	مطابقت پارہ	مقام نزول	نشانِ سلسلۂ نزول	نام سورہ	مطابقت پارہ	مقام نزول
۱	علق	۳۰	مکی	۱	علق	۳۰	مکی	۱	علق	۳۰	مکی
۲	قلم	۲۹	〃	۲	قلم	۲۹	〃	۲	فاتحہ	۰	〃
۳	ضحیٰ	۳۰	〃	۳	مزمّل	۲۹	〃	۳	قلم	۲۹	〃
۴	مزمّل	۲۹	〃	۴	مدثر	۲۹	〃	۴	مزمّل	۲۹	〃
۵	مدثر	۲۹	〃	۵	فاتحہ	۰	〃	۵	مدثر	۲۹	〃
۶	فاتحہ	۰	〃	۶	لہب	۳۰	〃	۶	لہب	۳۰	〃
۷	لہب	۳۰	〃	۷	تکویر	۳۰	〃	۷	تکویر	۳۰	〃
۸	تکویر	۳۰	〃	۸	الاعلیٰ	۳۰	〃	۸	الاعلیٰ	۳۰	〃
۹	الاعلیٰ	۳۰	〃	۹	لیل	۳۰	〃	۹	لیل	۳۰	〃
۱۰	لیل	۳۰	〃	۱۰	فجر	۳۰	〃	۱۰	فجر	۳۰	〃
۱۱	فجر	۳۰	〃	۱۱	ضحیٰ	۳۰	〃	۱۱	ضحیٰ	۳۰	〃
۱۲	انشراح	۳۰	〃	۱۲	انشراح	۳۰	〃	۱۲	انشراح	۳۰	〃
۱۳	الرحمٰن	۲۷	〃	۱۳	العصر	۳۰	〃	۱۳	العصر	۳۰	〃
۱۴	العصر	۳۰	〃	۱۴	العٰدیٰت	۳۰	〃	۱۴	العٰدیٰت	۳۰	〃
۱۵	تکاثر	۳۰	〃	۱۵	کوثر	۳۰	〃	۱۵	کوثر	۳۰	〃
۱۶	الماعون	۳۰	〃	۱۶	تکاثر	۳۰	〃	۱۶	تکاثر	۳۰	〃
۱۷	الفیل	۳۰	〃	۱۷	الماعون	۳۰	〃	۱۷	الماعون	۳۰	〃

۱۸	نجم	۲۷	مکیؔ	۱۸	کُفرون	۳۰	مکیؔ	۱۸	کُفرون	۳۰	مکیؔ
۱۹	عبس	۳۰	"	۱۹	الفیل	۳۰	"	۱۹	الفیل	۳۰	"
۲۰	قدر	۳۰	"	۲۰	فلق	۳۰	"	۲۰	فلق	۳۰	"
۲۱	شمس	۳۰	"	۲۱	الناس	۳۰	"	۲۱	الناس	۳۰	"
۲۲	بروج	۳۰	"	۲۲	اخلاص	۳۰	"	۲۲	اخلاص	۳۰	"
۲۳	التین	۳۰	"	۲۳	نجم	۲۷	"	۲۳	نجم	۲۷	"
۲۴	قریش	۳۰	"	۲۴	عبس	۳۰	"	۲۴	عبس	۳۰	"
۲۵	القارعہ	۳۰	"	۲۵	قدر	۳۰	"	۲۵	قدر	۳۰	"
۲۶	قیامۃ	۲۹	"	۲۶	شمس	۳۰	"	۲۶	شمس	۳۰	"
۲۷	الھمزہ	۳۰	"	۲۷	بروج	۳۰	"	۲۷	بروج	۳۰	"
۲۸	مرسلات	۲۹	"	۲۸	التین	۳۰	"	۲۸	التین	۳۰	"
۲۹	قٓ	۲۶	"	۲۹	قریش	۳۰	"	۲۹	قریش	۳۰	"
۳۰	بلد	۳۰	"	۳۰	القارعہ	۳۰	"	۳۰	القارعہ	۳۰	"
۳۱	طارق	۳۰	"	۳۱	قیامۃ	۲۹	"	۳۱	قیامۃ	۲۹	"
۳۲	قمر	۲۷	"	۳۲	الھمزہ	۳۰	"	۳۲	الھمزہ	۳۰	"
تاریخ یعقوبی صفحہ ۳۲،				۳۳	مرسلت	۲۹	"	۳۳	مرسلت	۲۹	"
حصہ مشتمل بر واقعات عہد				۳۴	قٓ	۲۶	"	۳۴	قٓ	۲۶	"
اسلامی (مطبوعہ یورپ)				۳۵	بلد	۳۰	"	۳۵	بلد	۳۰	"
احمد بن ابی یعقوب بن جعفر				۳۶	طارق	۳۰	"	۳۶	طارق	۳۰	"
بن وھب ابن واضح الکاتب العباسی				۳۷	قمر	۲۷	"	۳۷	قمر	۲۷	"

مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ صرف خاتم النبیین بلکہ نبی آخر الزماں بھی ہیں، دنیا کی جتنی عمر اللہ تعالےٰ نے مقرر فرمائی ہے اس کے آخری حصّے میں آپ کو مبعوث فرمایا ہے، چناں چہ ذیل کی چند احادیث سے آپ کو ایک طرف

اس کا ثبوت ملے گا تو دوسری طرف آیتِ شریفہ میں جو اقْتَرَبَت کا لفظ آیا ہے اس کی تفسیر بھی بزبانِ رسالت معلوم ہوگی۔

سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنی کلمہ کی اور درمیانی انگلی کو جوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں (یعنی ملے جلے) (احمدؒ۔ بخاری و مسلم)

وہب السوائیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں اور قیامت ایسے بھیجا گیا ہوں، جیسے یہ انگلی اور یہ انگلی، اور قریب تھا کہ وہ مجھ سے سبقت کر جائے۔ راوی نے کلمہ کی اور درمیانی انگلی ملا کر اٹھائی (امام احمدؒ)۔

عتبہ بن رضوانؓ نے اپنے خطبے کے دوران فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی ہم لوگوں کو ایک دن اپنے خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد یوں مخاطب فرمایا تھا کہ تم لوگ آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا نے اپنے منقطع ہو جانے کا اشتہار دیدیا ہے اور اپنی پشت پھیر لی ہے اور اس میں سے اس کا صرف اتنا حصّہ باقی رہ گیا ہے جیسے کہ کھانے کے بعد آدمی برتن پونچھتا ہے (احمد و مسلم)۔

ابو عبد الرحمٰن السلمی روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ جہاد کے لئے مدائن سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر اتر پڑے تھے، جب جمعہ کا دن آیا تو میں اپنے والد کے ساتھ نمازِ جمعہ کے لئے مدائن آیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہٗ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور حاضرین سے خطاب کر کے کہا حق تعالےٰ فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ تو اے لوگو آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک چاند دو ٹکڑے ہو چکا اور آگاہ رہو کہ بے شک دنیا نے اپنے گزر جانے کا اشتہار دے دیا ہے اور آگاہی ہو کہ بے شک آج کے دن مضمار (گھوڑ دوڑ کا میدان) ہے اور کل سبقت کا دن۔ ابو عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے بابا! کیا کل گھوڑے دوڑائے جائیں گے؟ کیا لوگوں میں باہمی سبقت ہونے والی ہے، یہ سن کر انھوں نے کہا اے بچے! تو کتنا نادان ہے حضرت حذیفہ کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو آج کے دن نیک اعمال کے بجالانے میں ایسی محنت و مشقت اٹھاؤ جیسے گھوڑوں کو سدھانے کے میدان میں تکلیف دیجاتی ہے، کیوں کہ کل قیامت میں سب لوگ اپنے اپنے اعمال کی رو سے باہم سبقت کرینگے

ابو عبد الرحمن السلمی کہتے ہیں کہ پھر دوسرا جمعہ آیا، تو پھر میں اپنے والد کے ساتھ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا، پھر حضرت حذیفہ نے ہم کو ایسا ہی خطبہ سنایا۔[1]

یہاں یہ خیال آسکتا ہے کہ تقریباً چودہ سو سال گذر گئے لیکن ابھی تک قیامت قائم نہیں ہوئی، خود احادیث شریفہ میں اس کا جواب بھی موجود ہے، یوں بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ جو ہزاروں سال کی پرانی دنیا سمجھی جاتی ہے، اس کی گذری ہوئی مدت کا تصور کیجئے، اور اس کے مقابلہ میں باقی ماندہ مدّت کا تناسب سوچئے تو وہ اتنا ہی رہ گیا ہے جسے حامل وحی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مثالوں میں ظاہر فرمایا ہے کہ کھانے کے بعد جیسے آدمی برتن پونچھتا ہے یا جیسے آپ اپنی سوسالہ عمر کا تناسب تقابل "نوری سال" سے کرنے بیٹھیں اور اس کو کسی مثال میں ظاہر کرنے کی قدرت نہ پاسکیں۔ ہماری نوبت تک تو تیرہ صدیاں اور بیت چکی ہیں، جب قیامت کی شرطیں تکمیل پاجائیں گی تو وہ اچانک قائم ہوگی (ان تاتیھم بغتۃ فقد جاء اشراطھا) یہ شرطیں اور نشانیاں کیا ہیں؟ حضرت پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت وضاحت وتفصیل کے ساتھ ان کو اہل دنیا پر ظاہر کرکے رکھ دیا ہے تاکہ خدا کے بندے آگاہ ہوکر اپنی نجات کا سامان کرلیں، یوں تو ہر آدمی کے لئے اس کی موت ہی، اس کے حق میں قیامت کا پہلا مرحلہ ہے، اور قیامت کبریٰ کا حقیقی وقت وساعت جو علم خداوندی میں مقرر ہے، ساری کائنات میں کوئی بھی حتیٰ کہ مقرب ترین فرشتے بھی اس سے واقف نہیں ہیں۔ اسی لئے اس کی نسبت فرمایا کہ یہ بات سارے عالم فوق وتحت سب کے لئے بھاری ہے (ثقلت فی السمٰوات وَالْاَرض)۔

السَّاعۃ کی تعریف

لفظ "السَّاعۃ" سے عام مراد تو قیامت ہے لیکن یاد رہے کہ قرآن نے قیامت کے لئے بہت سے الفاظ استعمال کئے ہیں جیسے الیوم الآخر۔ یوم الدین۔ الیوم الموعود۔ الوقت المعلوم۔ الیوم الحق۔ یوم عظیم۔ النبأ العظیم۔ یوم الفصل۔ یوم الخروج۔ یوم البعث۔ یوم الجمع۔ یوم الحساب وغیرہ وغیرہ، قیامت کا دن متعدد مراحل و

---

[1] مستدرک حاکم جلد دوم، ص ۶۰۹ وتفسیر طبری جلد (۲۷) ص ۴۵، ۴۶ (مصر)

معاملات کا دن ہے، اس کے جتنے نام اس کتاب مجید نے استعمال کئے ہیں ان میں سے ہر نام، اس دن کی کسی خاص کیفیت و مرحلہ کو ظاہر کرنے والا ہے اسی طرح السَّاعَۃ کو قرآن نے جہاں جہاں بیان فرمایا ہے وہاں وہ اس لفظ کے ذریعے یہ ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اس ہیبت ناک اور عظیم واقعہ کے رونما ہونے میں کتنا وقت صرف ہوگا، آپ نے سنا ہوگا کہ علم اقلیدس (جامیٹری) میں نقطہ وہ ہے جس میں نہ طول پایا جائے نہ عرض، اور نہ ہی عمق ہو۔ بالکل اسی انداز پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے بھی لفظ "اَلسَّاعَۃ" استعمال کیا ہے یعنی اتنا قلیل وقت کہ ذہن انسانی اس کی قلت کا تصور کرنے سے عاجز رہ جائے، لیجئے خود کتاب کامل سے بھی یہی تعریف سُن لیجئے، ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا اَمْرُ السَّاعَۃِ اِلَّا کَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ ھُوَ اَقْرَبُ (پ۱۴ ۔ سورہ نحل ۔ رکوع ۱۱ ۔ آیت ۷۷)

بہرحال قیامت کا تذکرہ جملہ آسمانی کتابوں میں موجود ہے اور جملہ اہلِ کتاب اسکے قائل ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اس کی سب سے زیادہ وضاحت، اہمیت اور ایسی تفصیل قرآن و حدیث ہی نے دنیا پر پہلی دفعہ ظاہر کی ہے جو کسی کے پاس نہیں پائی جاتی۔

انسان اپنی سو پچاس سال کی زندگی میں جس کی مثال کائنات کی عمر کے سامنے گرد، و ذرہ کی جتنی بھی نہیں، کیا وہ ازل و ابد کی صداقتوں کو دیکھ اور پا سکتا ہے۔ بقول شاد عظیم آبادی ؎

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی نہ ابتداء کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم

کیا وہ صدیوں اور ہزاروں سال جی کر اپنی آنکھوں سے ان کا معائنہ کرکے ان پر ایمان لائے گا چونکہ بلحاظ اقتضاء جسم و اعضاء انسانی اور بنیاد تخلیق اس کا امکان ہی نہیں رکھا گیا، اسی لئے خدا نے غیب پر ایمان لانے کو (یعنی خدا و رسول کے کہے پر یقین کُلّی رکھنے کو) اسلام میں شرطِ اولین قرار دیا ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی ظاہر کردہ بے شمار صداقتیں، عہد نبوت میں بھی اور اس کے بعد چودہ سو سال کی مدت میں، ہر زمانہ میں برابر ظاہر ہوتی چلی آرہی ہیں، جس کی بعض مثالیں اس مقالہ میں بھی آپ کو ملیں گی۔

آئیے ذرا دیکھیں کہ خود زمانہ کسی مذہب و عقیدہ کا اثر لئے بغیر قیامت کے

بارہ میں کیا کہہ رہا ہے، جملہ مہذب اور تعلیم یافتہ قومیں ان کے سائنس داں، ان کے علمائے ہئیت و طبعیات، اب اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ سورج سیارے، ستارے وغیرہ فضا میں جل رہے ہیں اور پگھل رہے ہیں اور ان کا کروڑوں من مادّہ، جو گرمی اور روشنی میں تبدیل ہو رہا ہے ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ ان کا یہ سارا ذخیرہ ختم ہو جائے گا اور یہ فنا ہو جائیں گے، اور ان ہی کی بدولت زمین زندہ ہے، جیسے ہم اپنے گھروں میں لکڑی اور کوئلے کے ذخائر جلا اور فنا کر کے آگ اور حرارت پیدا کرتے ہیں، اور پانی کو صرف کر کے برق اور بھاپ میں متبدل کر لیتے ہیں، اس طرح مادّے کی فطرت و طبعی تقاضوں کو دیکھ کر یہ لوگ ایسا ایقان رکھنے پر مجبور ہیں، لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں اس خیال میں جو خامی پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ خالق کائنات اپنے ارادے سے ایک وقتِ خاص پر قیامت برپا فرمادے گا، وہ ان سیاروں وغیرہ کی فطرتوں کے زوال کا انتظار نہیں فرمائے گا جس کا کہ ہم کو اپنے درمیان بھی روزمرہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک صحت مند آدمی جو اپنی جسمانی قوتوں کے لحاظ سے نہایت قوی و مضبوط تھا، جب اس کا وقت آجاتا ہے تو موت کے منھ میں چلا جاتا ہے، اگر وہ بیمار پڑتا تو اس کے جسم و اعضا اور قوتوں کو گھلنے اور جواب دینے میں عرصہ لگتا، اور تصور میں بھی نہ آتا تھا کہ ایسا قوی شخص اس طرح اچانک مرجائے گا۔

الفاظ "اقتربت الساعۃ" کہنے سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ واقعۂ شق قمر جس کا بعد کے ٹکڑے میں تذکرہ ہے فی الحقیقت وقوع پا چکا اسی لئے صاحبِ تفسیر خازن نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی یوں ہے "انشق القمر واقتربت الساعۃ" نیز یہ معجزۂ رسالت پر ایک طرف دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف قیامت کی بھی دلیل ہے، یہی الفاظ ان لوگوں کے خیال کی بھی تردید کرتے ہیں جو اس واقعہ کو صرف نظر بندی گمان کرتے ہیں، کیوں کہ واقعۂ شق قمر کی بنیاد پر ہی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت قریب آگئی، یعنی عالم اسباب و مادیات میں اس کے اقتضاد کے مطابق فنائے عالم کا مادی سبب ظاہر کر دیا گیا، صرف نظر بندی پر ایسا نہیں کہا

جا سکتا تھا، قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا، ستاروں کا جھڑا دینا، پہاڑوں کا اڑا دیا جانا کرۂ زمین کا یکبارگی پٹک دیا جانا، غرض سارے مادّی عالم کا فنا ہی قیامت سے عبارت ہے لہٰذا اس کا آغاز ایک مادّی کرہ (چاند) کو توڑ کر کیا گیا ہے اپنے بندوں پر رحمت کی نظر فرما کے جیسا کہ عادتِ الٰہی ہے نشان دکھا کر موقع و مہلت عطا فرماتا ہے، کیوں کہ انسان کو اپنا جسم چھوڑ دینے کے بعد نہ پھر اس جسم میں، اور نہ اس دنیا میں لوٹنا میسر آتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے عالم میں، تلافیِ مافات کی گنجائش ہے، جیسے کہ کوئی آفتاب کے کرہ میں پہنچ کر وہاں کھیتی باڑی کی توقع رکھے، ساری کائنات میں دار العمل قابلِ کاشت پلاٹ کرہ زمین کے سوا انسان کو کہیں میسر نہیں۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کے ٹکڑے سے مسلمانوں کے ایک اور گروہ کو یہ دھوکا بھی لگ گیا ہے کہ وہ ان الفاظ سے سمجھتے ہیں کہ شق قمر کا یہ واقعہ قیامت میں پیش آئے گا، حدیثیں آپ کی نظر سے گذر چکیں، کسی سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ عثمان بن عطا نے اپنے باپ سے جو ایک روایت کی ہے کہ آئندہ انشقاق ہوگا سارے علماء نے اس کا رد کیا ہے، اسی طرح قرطبی نے حضرت حسن بصریؒ سے بھی منسوب ایسے ہی قول کو بیان کرکے اس کی تردید کی ہے اور جسے علمائے امت نے باطل، غیر صحیح، شاذ کہا ہے جو ثابت ہی نہیں ہوتا، اور اس مقالے کے پڑھنے والوں کے سامنے تو متعلقہ مواد کا بڑا ذخیرہ بعد تحقیق و تنقید پیش کر دیا گیا ہے اِنْ شَاءَ اللّٰه جس سے ایسے سارے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔

شق قمر کے ذریعے دنیا پر قیامت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

نیز اقتربت الساعۃ کے الفاظ میں جو اور حقیقت و صداقت سموئی ہوئی ہے مقالہ نگار اس تک رسائی کی جب کوشش کرتا ہے تو اسے دکھائی دیتا ہے کہ ساری آسمانی و بالائی فضا جو زمین والوں کے سروں پر قائم ہے، وہ چاند پر آکر ختم ہو جاتی ہے یعنی اب اس کے بعد چاند اور زمین کے درمیان کوئی کرہ پایا نہیں جاتا۔ اسی حقیقت کو دیکھ کر ایک روسی ماہر طبعیات یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ چاند اپنے محلِ وقوع کے

لحاظ سے سارے نظام شمسی کی کنجی ہے (جسے ہم اس کتاب کے باب دوم میں نقل کر آئے ہیں) اور اجرام سماوی کی نسبت اس وقت دنیا کا یہ نظریہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کشش و جذب کی قوت سے تھمے ہوئے اور خلا میں گردش کھا رہے ہیں چاہے اس نظریہ کا صدق و کذب کچھ ہی ہو لیکن زیر بحث آیت کی وجہ سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سارے آسمانی نظام و مادی کائنات کا ربط چاند سے یقینی طور پر قائم ہے اور شق قمر قیام قیامت کا واسطہ ضرور بن چکا ہے، عقل شکستہ پر کے سامنے نقشہ کی عمارت کھڑی کرنے کے لئے یوں سمجھیئے جیسے گھڑی کے چھوٹے بڑے کل پرزے (چکر) جو ایک دوسرے سے وابستہ، اور ایک دوسرے کے لئے موجب حرکت و گردش ہیں جن میں بعض تیز رفتار بھی ہیں، اور بعض کم رفتار بھی، چھوٹے کئی چکروں کی گردش کے بعد بڑے چکر حرکت کرتے ہیں، اور ان کا ایک منبع قوت ہے، اسی طرح کائنات میں ایک نظام حرکت ہے جو چل رہا ہے اور چاند کا مادی کرہ ٹوٹ کر اپنی حرکت میں وقفہ اور انشقاق کے سبب مادی عالم میں موجب انہدام، خلل و حادثہ کو اہل جہاں پر ظاہر کر چکا ہے، اور ثبوت میں اس کے آثار بھی باقی ہیں، دنیا دیکھ لے کہ اس پر قیامت کا دروازہ کھلا ہوا ہے یعنی خدائے پاک نے جب معجزۂ رسالت کے واسطے سے چاند کو شق فرمایا اور وہ تقریباً ایک گھنٹہ سے زاید شق شدہ حالت میں رہا اور بعد میں ملا تو اس واقعہ کے سبب بالائی نظام کشش و جذب میں باجو بھی حقیقی نظام ہے اس میں ایک رخنہ پڑ گیا جس طرح کسی عمارت میں (CRACKE) کریک آ جاتا ہے اور ایک عرصہ بعد اسی کریک کی بدولت وہ عمارت یکدم بیٹھ جاتی ہے، ایسا ہی حشر کائنات کا ہوگا، لہذا خدائے تعالی نے قیامت کے واقعہ سے جو اچانک (دفعۃً) رونما ہونے والا ہے اور جس کی انسانوں کے حق میں شدید اہمیت ہے، اسی کو شق قمر کے ذکر سے پہلے، بولہ اول سنا دیا یعنی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کتاب حکیم کے سارے قصص متین میں الفاظ کو بلحاظ رتبہ و اہمیت جہاں جہاں نشست کے لئے کرسیاں دی گئی ہیں وہی حکمتیں اس سورہ میں بھی اس کے الفاظ کی نشستگاہوں سے عیاں ہے تاکہ بندے ہر رخ سے اس کی اہمیت کو سمجھ لیں، ہرگز اس سے آئندہ قیامت میں وقوع پانے والے

امر کا تذکرہ مقصود نہیں ہے اور قیامت میں ہونے والے دیگر واقعات و مراحل کا تو جگہ جگہ قرآن نے مستقلاً ذکر کیا ہے اور یہ بھی غور کیجئے کہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق اگر آغاز و عین قیامت میں چاند شق ہو رہا ہے تو لفظِ "اقتربت" کہنے کا محل ہی کہاں باقی رہتا ہے۔

اقتربت الساعۃ کی ایک باطنی کیفیت

اُن حضرات کے لئے جو باطنی معاملات سے دلچسپی رکھتے اور ان حقائق کی لذتوں سے آشنا ہیں، صاحب اشارات عرائس[1] کا یہ انکشاف موجب لطف و انشراح ہوگا کہ اس لئے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃ کا اعلان ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی روحیں اپنے خاکی جسم سے جدائی کے بعد سے کشفِ وصال پانے کے لئے تڑپ رہی ہیں، یعنی وہ جلد از جلد رَفِیْقِ اَعْلیٰ کے جوارِ قدس میں جگہ پانے کے لئے اشد بے تاب ہیں لیکن اس تمنا کا حصول، قیامت پر موقوف ہے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ روحِ اطہر و معظم حضرت رسول مقبول، خیر الخلق، فخر موجودات اصل کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وہاں نہ پہنچ جائے۔ اور معجزۂ شق القمر کے ساتھ ہی اعلان کر دیا گیا کہ قیامت قریب آگئی جس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اے کشفِ وصال کی آرزو میں تڑپنے والو! تمہیں خوشخبری ہو کہ اب تمہارے زمانۂ انتظار کے ختم ہونے میں کچھ زیادہ دیر باقی نہیں رہی ہے حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت جو آخری الفاظ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلیٰ تھے، اس میں یہی راز پنہاں ہے۔

پہلی آیت کا بقیہ جزو ــــــــ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝

---

[1] تفسیر عرائس البیان مؤلفہ ابی محمد روزبہان متوفی ۶۰۶ھ و ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ جلد دوم ص ۲۹۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنو۔ [2] یہ پڑھ کر ممکن ہے حیرانی ہو لیکن ہم لوگوں کو کم از کم مادی عالموں کی وسعت و نظام کا تو ایک اندازہ ہے کہ کتنے ہی ستارے ایسے ہیں کہ جن کی روشنی نور کی مسلمہ تیز رفتاری (ایک لاکھ اسی ہزار میل فی ثانیہ) کے باوجود کئی کئی صدیوں میں ہم تک پہنچنے باقی ہے، پھر یہ ماورائے فہم و قیاس وسیع عالم غیب و لامکاں کا معاملہ ہے، جس کا اہل دنیا کو کوئی علم نہیں۔

وَ = بمعنی اور انشق = بمعنی پھٹ گیا، صیغہ ماضی واحد مذکر غائب، قمر = چاند ساتویں تاریخ کے بعد کے چاند کو عرب قمر کہتے ہیں، ملا علی قاری نے شرح شفاء قاضی عیاض میں لکھا ہے "قَالَ الیمنی لا یسمی قمراً الا بعد مضی ثلاث لیال من الشہر" یعنی تین راتوں کے بعد کے چاند کو قمر کہا جاتا ہے۔

ہم نے اس مقالہ کے ایک گزشتہ عنوان "کیا چاند ٹھوس ہے" (باب دوم) کے تحت لفظ شق پر جو بحث لکھی ہے اس سلسلہ میں اس کو بھی ملاحظہ فرما لیا جائے، بقیہ اجزا یہاں پیش ہیں۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے رفع شک و شبہات اور فتنوں کو دور کرنے کے لئے "قد انشق القمر" فرمایا ہے، قبل ازیں ہم نے مستدرکِ حاکم کے حوالہ سے پچھلے اوراق میں اس سے متعلقہ حدیث نقل کی ہے۔

شق اور فلق میں فرق

ہم نے شق اور فلق میں باہمی فرق معلوم کرنے کے لئے امام راغب اصفہانی کی "مفردات قرآن" "اقرب الموارد"، اور دیگر کئی مشہور لغات دیکھے، لیکن ان دونوں کے محلِ استعمال میں کیا نازک فرق ہے اُسے پا نہ سکے، اور ابی حیان تفسیر بحر المحیط میں کہتے ہیں "فان العرب تضرب بالقمر مثلاً فیما وضح کما یسمی الصبح فلقا عند انفلاق الظلمۃ عنہ، وقد یعبر عن الانفلاق بالانشقاق قال النابغہ ؎

فلما ادبروا ولھم دوی   دعانا شق الصبح داعی[1]

اور طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "انشق القمر۔ ای، وانفلق القمر" حضرت ابن عباس وحضرت ابن مسعود بھی جیسا کہ ان کی روایات حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشق سے مراد انفلق ہی لیتے ہیں، اور مجاہد کا قول ہے "انفلق القمر فلقتین" بہرحال یہی ثابت ہوتا ہے کہ "انسانی کلام" میں شق و فلق دونوں ہم معنی لفظ ہیں اور دونوں کا محلِ استعمال بھی ایک سا ہے لیکن خدا کے کلام میں مجھے ایسا دکھائی نہیں دیتا بلکہ جن جن اجسام پر عملِ شق کا اثر باقی رہتا ہے اور جن پر باقی نہیں رہتا ہیں

---

[1] تفسیر بحر محیط جلد (۸) صفحہ ۱۷۳ مطبوعہ مصر

فرق کو کلامِ مبین نے بالالتزام ساری کتاب میں برابر ملحوظ رکھا ہے، چناں چہ جب ہم نے اپنے کو اس کتابِ محکم میں رجوع کیا تو یکا یک خیال آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر سمندر کے کنارے پہنچے اور اس پر بحکم خداوندی عصا مارا، اور وہ شق ہوگیا تو چاند کے شق اور سمندر کے شق ہونے کو دیکھنا چاہیئے کہ کیا یکساں الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، جب قرآن کھولا، اور اصل مقام کی تلاوت کی تو میری روح پھڑک گئی، بارگاہ رب العزت میں سجدہ میں گر پڑا، ایک بار اور مجھ پر انسانی کلام کی کمزوری اور الفاظ کے استعمال میں اس کی عدم قدرت واحتیاط کا عملی ثبوت بیشتر آیا، کیوں کہ سمندر کے پھٹنے کے واقعہ کو شق کی بجائے لفظ فلق کے ذریعے ظاہر فرمایا گیا ہے، اس نکتہ کو پاکر کے میرے جسم کا تار تار کلامِ الٰہی کی عظمت رعب و دبدبے سے بہ شدت لرزنے لگا، لیجئے اب اس مقام کی آپ بھی تلاوت فرمائیے:-

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۚ	پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے بحر کو، پس پھٹ گیا (سمندر) تو ہوگئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔
پ۱۹ - سورہ شعرا - رکوع ۴ - آیت ۶۳	

چاند اور زمین سے جدا، پانی سے زیادہ ایک اور لطیف جسم و قوتِ لطیفہ کے لئے اس لفظ کا استعمال حسب ذیل دو آیتوں میں بھی ملتا ہے:-

(۱) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ (پ۳۰ - سورۂ فلق - آیت (۱))

(۲) اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ——— فَالِقُ الْاِصْبَاحِ

(پ۷ - سورہ انعام - رکوع ۱۲ - آیت ۹۵-۹۶)

الغرض فلق و شق کے فرق کو ہمیں قرآن مستقل انداز میں ملحوظ رکھتا دکھائی دیتا ہے، جس میں قاری کے لئے غور و فکر اور نتائج کے استخراج کی دعوتِ سعی ملتی ہے نیز ان ہر دو الفاظ کے مترادف، قریب المعنی والمفہوم دیگر الفاظ بھی جیسے خَرَقَ فَجَرَ - فَطَرَ - فَرَجَ بھی کتاب اللہ میں آئے ہیں، ان کے محلِ استعمال اور معانی میں جو باہمی فرق ہے، ان کی بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۱- خَرَقَ - خَرْقًا - بمعنیٰ پھاڑنا

حتیٰ اذا رکبا فی السّفینۃ خرقھا
قال اخرقتھا لتغرق اھلھا } پ ۱۷ - سورہ کہف آیت ۷۱

۲ - فجر - فجرًا یعنی پانی بہانا، جاری کرنا

وَفجرنا خلالھما نھرا ـــ پ ۱۵ - سورۂ کہف - آیت ۳۳

وَفجرنا فیھا من العیون ـــ پ ۲۳ - سورۂ یٰسین - آیت ۳۴

۳ - فطر - فطرًا یعنی پھاڑنا

تکاد السمٰوٰت یتفطّرن من فوقھنّ۔ پ ۲۵ - سورہ شوریٰ آیت ۵

۴ - اَلفَرج - دو چیزوں کے درمیان خلل یا فصل

و اذا السّماء فُرجت ـــ پ ۲۹ - سورۂ مرسلات - آیت ۹

و ما لھا من فروج ـــ پ ۲۶ - سورۂ قٓ - آیت ۲۷

چاند کے سوا کوئی کرہ ٹوٹا ہوا نہیں ہے

اس کتاب کامل کے ابدی نور میں ہمیں ایک اور امر صاف طور پر جھلکتا دکھائی دیتا ہے وہ یہ کہ جب خدائے تعالیٰ نے بالائی اور آسمانی کروں میں سے صرف چاند کے شق ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے ہمیں یہ نتیجہ میسر آتا ہے کہ بقیہ سارے کراتِ آسمانی اپنے وجود میں اپنی تخلیق کے وقت سے جس طرح سالم حالت میں ہیں، اسی طرح تا یوم موعود (قیامت) باقی رہیں گے، ہمارا مطلب یہ ہے اور ہم یہ کہنے کے قابل ہیں کہ زمانہ اس وقت کی بڑی بڑی دوربینوں سے یا آئندہ اس خصوص میں جتنی بھی ترقی کر جائے اسی صداقت کا مشاہدہ کرے گا کہ سوائے چاند کے کوئی بالائی کرہ ٹوٹا پھوٹا ہوا نہیں ہے، سب سالم ہیں، اکیلا صرف چاند ہی ٹوٹا ہوا نظر آئے گا۔ فافہم بذہن، اگر معجزۂ شق القمر صرف جادو گروں جیسا ایک کھلواڑ ہوتا، یا چاند گہن جیسی کوئی صورت ہوتی (جس میں کرۂ چاند میں کوئی تغیر نہیں ہوتا) تو ہم کو درجۂ یقین تک پہنچانے والے اتنے سارے دلائل ہرگز ہاتھ نہ آتے۔

عرصہ سے ہم یہ سنتے آتے ہیں کہ اہلِ نجوم چاند کے اس معجزہ شق کے سبب رفتارِ قمر میں جو وقفہ پڑا ہے، اس سے اپنے حسابات میں بھی دو چار ہوتے ہیں کبھی کبھی، ہندی نجومیوں کی زبان سے اس کا اقرار بھی سننے میں آیا ہے لیکن

معلوم نہیں یہ لوگ دوسروں کو خوش کرنے یا اپنی غلط پیشین گوئیوں کو چھپانے کے لئے ایسا کہا کرتے ہیں، یا اس میں کوئی صداقت بھی ہے، اللہ تعالے توفیق دے کہ کوئی اہلِ فن اس امر پر بھی روشنی ڈال کر دکھا دے[1]

۲- دوسری آیت

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

و = اور، اِن = اگر، یروا = وہ دیکھیں، مضارع جمع مذکر غائب، ایۃً نشانی، معجزہ، اِس لفظ پر باب "معجزہ کسے کہتے ہیں" میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے بمعنی معجزہ مثالاً چند آیتیں پیش ہیں :-

(۱) هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً - پ۸ - سورۂ اعراف - رکوع ۱۰- آیت ۷۳

(۲) فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ - پ۷ - سورۂ انعام - رکوع ۴ - آیت ۳۵

(۳) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ - پ۱۵ - بنی اسرائیل - رکوع ۷- آیت ۱۰۱

(۴) اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ - پ۱۶ - سورہ طٰهٰ - رکوع ۲- آیت ۴۴

یعرضوا = وہ منہ پھیر لیں، صیغہ مضارع جمع مذکر غائب مجزوم - اعراض سے -

---

[1] اہلِ ہند یونانیوں یا دوسری قوموں کے پاس جو اسلام سے قدیم ہیں اور جن کے پاس علم نجوم کا بڑا چرچا اور زور رہا ہے، اگر چاند کی رفتار کا پرانا حساب یا کوئی طریقہ موجود ہو تو یہ امر بعید نہیں بلکہ قرین قیاس ہے، اسے غیر علمی بات تصور نہ کیجئے، جیسے کہ اگر تین مختلف اغراض کو ظاہر کرنے والی گھڑیوں کو ملا کر اور ان میں حسابی نسبت قائم کر کے ایک جگہ رکھ دیا جائے اور پھر ان میں سے کوئی گھڑی کچھ دیر کے لئے رک جائے اور کوئی شخص ان کی باہمی نسبت کو ٹھیک کئے بغیر چالو کر دے تو ان گھڑیوں کو دیکھ کر بہ آسانی بتایا جا سکتا ہے کہ یہ گھڑی اپنی پہلی نسبت کے مقابلہ میں اتنی سست ہو گئی ہے۔

پس اسی طرح آسمان میں مختلف رفتارِ حرکت رکھنے والے سیارے موجود ہیں جن میں سے بعض کا دورہ تو کئی سو سالوں میں تمام ہوتا ہے تو بعض ایسے بھی ہیں جو (۱۰۰) دن سے کم مدت میں اپنی مداری گردش پوری کر لیتے ہیں، انکی اسی اٹل رفتارِ حرکت و باضابطہ نظم کے سبب اس بات کا پتہ چلا لیا جاتا ہے کہ یہ سابقہ صدیوں میں آسمان کے کن حصوں (برجوں) میں تھے اور آئندہ صدیوں میں کہاں کہاں ہونگے اور کس نے اپنے کتنے دور (چکر) مکمل کئے ہیں، پس اس علم کے ذریعے چاند کی رفتار کے پرانے ریکارڈ کے باعث شق قمر کے وقفہ کا پا لینا بھی ممکن ہے۔

وَیقولوا = اور وہ کہیں صیغہ مضارع جمع مذکر غائب مجزوم

سحر = جادو۔

مستمر = پہلے سے چلے آنے والا، اسم فاعل واحد مذکر، یا من المرارہ (باب نصر سے) مَرَّ و مروراً۔ استمر، ای مارًا، صحیح بخاری میں جو باب تفسیر ہے، احادیث شق قمر کے بعد حضرت مجاہد کے حوالے سے مستمر کے معنی "ذاھب" بیان کیے گئے ہیں، بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) نے لکھا ہے "او محکم من المرة او مستبشع من استمر الشیئ اذا اشتدت، مرارة او مارا، ذاھب لایبقی[1] ابوحیان اندلسی کہتے ہیں بمعنی "دائم" جیسے اس شعر سے ظاہر ہے

الا انما الدنیا لیال واعصر   ولیس علی شیئی قویم بمستمر

ابوالعالیہ، ضحاک، واخفش کے نزدیک بھی اس کے معنی مشدود، مؤثق، من مرائر الحبل ہیں، انس، یمان، مجاہد، کسائی، فراء، نحاس نے مارٌ "ذاھب" "زائل عن قریب" معنی کئے ہیں[2]

(۳) تیسری آیت

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝

وَ = اور کَذَّبوا = انھوں نے جھٹلایا، صیغہ ماضی جمع مذکر غائب، تکذیب سے۔

واتبعوا = اور انھوں نے پیروی کی یا وہ تابع ہوئے، صیغہ ماضی جمع مذکر غائب۔

اَھوَاء = نفسانی خواہشیں، خیالات، جمع ہے ھوی کی ھُم۔ بمعنی اپنی اپنے

وکُلّ = اور ہر اَمر = بمعنی کام، معاملہ، اس کی جمع امور ہے اور جب بمعنی حکم ہو تو جمع اوامر آتی ہے۔ مثالیں

وشاورھم فی الامر۔ پ۴۔ آل عمران رکوع ۱۷۔ آیت ۱۶۰

ولتنازعتم فی الامر۔ پ۱۰۔ انفال۔ رکوع ۵۔ آیت ۴۴

لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ پ۲۸۔ سورہ طلاق۔ ع ۱۔ آیت ۱

مُستَقِرٌّ = رہ پڑنے والا، ٹھہر جانے والا، مستقر گیر، مستقر نشین۔ مستقر گیرندہ۔ اسم فاعل واحد مذکر۔

---

[1] تفسیر انوار التنزیل جلد (۶) صفحہ ۱۲ مصر [2] تفسیر بحر محیط جلد (۸) صفحہ ۱۷۳ مصر

اس آیت کے ایک لفظ مُسْتَقِر میں چاند کی ٹوٹی ہوئی حالت کا راز پنہاں ہے

عام طور پر ہم لوگ قاف کے زبر سے مُسْتَقَرّ (جائے قیام سے) واقف ہیں، جو شخص بغرض قیام کسی جگہ رہ پڑتا ہے تو ایسے شخص کو "مُسْتَقِرّ" کہیں گے، یعنی زیر و زبر کے فرق سے مکین و مکان کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن شریف نے اسی سورۂ قمر میں دوسری جگہ بھی قاف کے زیر سے اس لفظ کو مکرر استعمال کیا ہے۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ۔ پ ۲۷۔ سورۂ قمر۔ آیت ۳۹

صبح سویرے ان پر وہ عذاب پڑا، جو ٹھہرا ہوا تھا۔ پرشین عربک اینڈ انگلش ڈکشنری (مطبوعہ لندن ۱۸۵۲ء) صفحہ ۱۱۷۷ پر فرانسس جانسن نے بھی اس لفظ کے یہی معنی بیان کئے ہیں:۔

MUSTAKIRR: ONE WHO HAS A FIXED RESIDENCE

ایک اور آیت ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کا تخت اپنے پاس موجود دیکھا تو فرمایا فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (پس جب دیکھا اس کو ٹھہرا ہوا اپنے پاس تو کہا یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے) پ ۱۹۔ سورہ نمل۔ رکوع ۲۔ آیت ۴۰۔

چوں کہ یہ ایک بے حد اہم مقام ہے اس لئے ہم سابقہ علماء کے خیالات کو ان کے اصل الفاظ کے ساتھ یہاں پیش کرتے ہیں، تاکہ ارباب علم وتحقیق ہماری نئی رائے کی جانچ اور اس کا موازنہ فرماسکیں، جسے ہم آگے بیان کرنے والے ہیں۔

امام فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کل امر مستقر علیٰ سنن الحق یثبت والباطل یزھق" اس سے پہلے کی آیت میں کافروں کا جو قول "سحر مستمر" آیا ہے، خدا نے اس میں اس کا جواب دیا ہے، یعنی جو تم کہہ رہے ہو کہ یہ شق قمر کا معاملہ ایک زائل اور مٹ جانے والا جادو ہے۔ ارے نادانو! ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک امر مُسْتَقِرّ و قوع پایا ہے (لیس امرہ بذاھب بل کل امر من امورہ مستقر) مستقر اپنے ماقبل لفظ امر کی صفت بھی ہے۔ قاضی بیضاوی (متوفی ۶۹۲ھ) و دیگر علماء نے اس آیت کو اقتربت الساعت پر معطوف

قرار دیا ہے اور تفسیر خازن (متوفی ۷۲۵ھ) میں ہے "وکل امر مستقر ای لکل امر حقیقة فما کان منه فی الدنیا فسیظهر وما کان فی الآخرة فسیعرف وقیل کل امر مستقر فالخیر مستقر باهله فی الجنة والشر مستقر باهله فی النار وقیل یستقر قول المصدقین و المکذبین حین یعرفون حقیقة بالثواب والعقاب وقیل معناه لکل حدیث منتهی وقیل هو جواب قولهم سحر مستمر یعنی لیس امر بذاهب کما زعمتم بل کل امر من اموره مستقر، وان امر محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم سیظهر الی غایة یتبین فیها انه حق[1]"

تفسیر کشاف علامہ زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) میں ہے :۔

"وکل امر مستقر ای کل امر لابد ان یصیر الی غایة یستقر علیها وان امر محمد سیصیر الی غایة یتبین عندها انه حق او باطل وسیظهر لهم عاقبته او وکل امر من امرهم وامره مستقر ای سیثبت ویستقر علی حالة خذلان او نصرة فی الدنیا و شقاوة او سعادة الاخری"

واقترب کل امر مستقر یستقر ویتبین حاله (من الابناء) من القرآن المودع انباء القرون الخالیه او انباء الآخرة[2]"

ابی حیان اندلسی (متوفی ۷۴۵ھ) اپنی تفسیر میں کہتا ہے۔

وکل امر مستقر، مبتدا ہے یا خبر۔ مقاتل نے کہا" له غایة ینتهی الیها" اور کلبی نے کہا" مستقر حقیقة فما کان فی الدنیا فسیظهر وما کان فی الآخرة فسیعرف" اور قتادہ نے کہا کہ اس کے معنی ہیں" ان الخیر یستقر باهل الخیر، والشر باهل الشر، اور کہا گیا کہ یستقر الحق ظاهرا ثابتا، والباطل زاهقا ذاهبا، اور اس آیت کو ساعت پر عطف قرار دیا ہے۔ حیان کہتا ہے کہ تین جملوں کے بعد عطف ماننا بعید معلوم ہوتا ہے عطف کی صورت تو یوں ہوتی، اقتربت الساعة واقترب کل امر مستقر یستقر ویتبین حاله[3]"

ایک شیعی فاضل طبرسی (امین الدین ابو علی فضل بن حسین متوفی ۵۴۸ھ ہمعصر علامہ زمخشری) کہتا ہے۔

---

[1] تفسیر خازن برحاشیہ بیضاوی ص۱۲۲ (مصر) [2] تفسیر کشاف جلد دوم ص۱۴۲۷ مطبوعہ کلکتہ ٹائپ
[3] بحر محیط جلد (۸) ص۱۷۳۔

"کل امر مستقر وقیل معناہ لکل امر حقیقۃ ما کان منہ فی الدنیا فستظہر وما کان فی الآخرۃ فستعرف[۱]۔"

تفسیر ابو سعود (متوفی سنہ ۹۸۲ھ) میں ہے :-

"وکل امر مستقر" استئناف سوق لاقناطہم عما علقوا بہ امانیہم الفارغۃ من عدم استقرار امرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب ما قالوا سحر مستمر ببیان ثباتہ ورسوخہ ای وکل امر من الامور مستقر ای منتہ الی غایۃ یستقر علیہا لامحالۃ ومن جملتہا امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصیر الی غایۃ تتبین عندہا حقیقتہ وعلو شانہ وابہام المستقر علیہ التنبیہ علی کمال ظہور الحال وعدم الحاجۃ الی التصریح بہ وقیل المعنی کل امر من امرہم وامرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مستقر ای سیثبت ویستقر علی حالۃ خذلان او نصرۃ فی الدنیا وشقاوۃ او سعادۃ فی الآخرۃ وقری بالفتح علی انہ مصدر او اسم مکان او اسم زمان ای ذو استقرار او ذو موضع استقرار او ذو زمان استقرار وبالکسر والجر علی انہ صفۃ امر وکل عطف علی الساعۃ ای اقتربت الساعۃ وکل امر مستقر[۲]

لفظِ مستَقِر کی ہمارے زمانہ کے لحاظ سے شدید اہمیت ہے، اور اس کسرہ کے حجاب میں مجھے جو حقائق واشگاف نظر آئے، اسی نے مجھے اس کتاب کی تحریر اور موضوع کی تحقیق پر آمادہ و مجبور کیا، میں سمجھتا ہوں کہ سلفِ صالحین کے لئے تو بے شک یہ ایک مشکل مقام تھا جو صرف بذریعہ وحی ہی منکشف ہو سکتا تھا اور یہ راستہ تو بند اور ختم ہو چکا تھا اس کی بجائے خدا نے موجودہ دور کے جدید وسائل کے سبب مشاہدہ کے ذریعے خود امرِ حق کو زمین والوں پر اتار دیا، اور اہلِ زمانہ کے سامنے پیش کرا دیا، جب ہم موجودہ مشاہدات سے حاصل شدہ نتائج کو کتابِ مُصَدِّق کے آیات کے نور میں دیکھتے ہیں تو ہم کو دونوں حق ایک صداقت پر متفق نظر آتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ اتنا واضح بیان ہونے کے باوجود اتنے صدیوں تک انسان اس کو سمجھنے سے قاصر رہا، مراد و تاویلاتِ بعیدہ سے کام چلاتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ اور اس کا

---

[۱] تفسیر مجمع البیان لعلوم القرآن جلد دوم ص ۳۸۹ مطبوعہ ایران ۱۲۸۴ھ۔

[۲] تفسیر ابو سعود برحاشیہ تفسیر کبیر جلد (۷) ص ۸۱ مصر۔

کسرہ گواہی دیتا ہے کہ معجزہ سے ٹوٹا ہوا چاند اپنے آثارِ شکست کے ساتھ ویسا ہی باقی ہے اور قیامت تک رہے گا اور سارا زمانہ اس حقیقت سے باخبر بھی ہو جائے گا۔

الغرض جب یہ آیت علماء کے نزدیک اقتربت الساعۃ پر عطف ہے اور سحر مستمر کا جواب بھی تو صاف و واضح مفہوم یہ ہے کہ اے اہلِ کفر! تم نے چاند کو اپنی آنکھوں کے سامنے ٹوٹا ہوا دیکھ لیا لیکن اس کے باوجود تم پیغمبرانہ صداقت کے اس نشان سے روگردانی کر کے یہ جو کہتے ہو کہ یہ جادو ہے جو ابھی زائل و ختم ہو جائے گا، حالاں کہ تم کو معلوم ہے، اور تم بھول رہے ہو کہ مادی اشیاء کے لئے یہ قانونِ فطرت ہے کہ ان اشیاء پر جب کبھی کوئی عمل اثر انداز ہوتا ہے تو اس شئے پر اس کا نشان و اثر بیٹھ جایا کرتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ اس کو کوئی متغیر و تلف کرنے والا ہاتھ نہ لگے، جیسا کہ یوسف و زلیخا کے واقعہ میں یہ نشان، ثبوت بن کر کام آیا یا جیسا کہ اپنے دنیاوی معاملات میں تم مختلف واقعات، حادثات و جرائم کا کھوج لگانے میں اسی قانون سے فائدہ اٹھاتے ہو پس اسی قانون کے تحت، چاند کے جرم پر معجزہ کے آثار بھی بیٹھ گئے ہیں زائل نہیں ہوئے اور تمہارا گمان غلط ہے کہ کوئی اثر ہی نہیں پڑا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ کل امر مستقر میں خدا نے اسی قانونِ فطرت کا ذکر فرمایا ہے جس میں وہ ساری تفصیل سمٹ کر جمع ہے جسے ہم نے ان صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اسی بلاغت و جامعیت کو دیکھ کر طنطاوی جوہری کو بھی کہنا پڑا کہ یہ آیت جوامع الکلم و عجائب الحکم میں سے ہے[۱] آگے چل کر ہم تقابل کے لئے مختلف جلیل القدر علماء کا ترجمہ بھی پیش کریں گے، جس میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان اصحاب نے "کل امر مستقر" کا ترجمہ "کل امر مرہون باوقاتہا" جیسا گیا ہے۔

کیا بعض الفاظ و آیاتِ قرآنی کے حقایق وقتاً فوقتاً ظاہر ہوں گے؟

حق سبحانہ تعالیٰ سے استعانت و راہ صواب پر چلانے کی استدعا کرتے ہوئے

---

[۱] تفسیر الجواہر جزو (۲۳) مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۹ (سورۂ قمر)۔

اس سلسلہ میں ہم یہاں ایک نازک تر اور نہایت اہم عنوان پر اظہارِ خیال کی جرأت کرتے ہیں، وہ یہ کہ خود کتابِ مبین سے اور احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب میں جو "مصداق طلب" مقامات ہیں، ان میں سے بعض کے مصداق وقوع میں آچکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ مرورِ زمانہ کے ساتھ رونما ہوتے رہیں گے، اور ان کی شناخت بھی اہلِ علم وعقل اور دنیا والوں کو میسر آتی رہے گی۔ اس سلسلہ کا ایک نہایت واضح ومتفق علیہ امر تو یہ ہے کہ قیامت وعلاماتِ قیامت سے متعلق جتنی آیتیں ہیں "واقعۃ" ان کے مصداق جو رونما نہیں ہوئے، آئندہ ضرور ظاہر ہوتے رہیں گے۔

صحیح بخاری میں اسی سورۂ قمر کی ایک آیت "سَیُہْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد، جب جنگِ بدر پیش آئی اور اس کے میدان میں آپ کے لئے ایک اونچا چبوترہ بنایا گیا تھا اس کا نام عریش تھا، جب آپ عریش سے ناگاہ برآمد ہوئے تو زبانِ مبارک پر مذکورہ آیت رواں تھی، علماء میں اس سورہ (قمر) کی بعض آیات کے مکی ومدنی ہونے میں کچھ اختلافات ہیں جو اصحاب جملہ آیات کو مکی تسلیم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالےٰ نے جنگ میں کامیابی کے لئے آپ کے دعا فرمانے پر یاد دلایا کہ اے محمدؐ! اس آیت کی تاویل اب اور اس وقت ظاہر ہوگی۔ پس آپ خوشی خوشی اس کو پڑھتے ہوئے عریش سے نکل کر باہر میدان میں تشریف لائے اور اللہ تعالےٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا[۱]۔

خود قرآن پاک سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی آیات کے حقائق وقتاً فوقتاً عالم پر ظاہر ہوا کریں گے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

(۱) بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ۔	بلکہ جھٹلایا، جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا، اور (حالانکہ) ابھی (تو) اس کی حقیقت ان تک نہیں پہنچی۔
پ۱۱۔ سورۂ یونس۔ آیت (۳۹)۔	
(۲) هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ط	کیا اس انتظار میں ہیں کہ اس کی حقیقت

---

[۱] تفسیر مواہب الرحمٰن جلد (۲۷) صد ۱۲۳

يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط

پ - سورۂ اعراف - رکوع ۶ - آیت ۵۳

ظاہر ہو جائے، جس دن اس کی حقیقت ظاہر ہو گی، وہ لوگ جو اس کو پہلے سے بھول رہے تھے کہنے لگیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول سچی بات لائے تھے۔

تاویل کا لفظ قرآن نے عموماً تعبیر اور حقیقت دو معانی کے لئے استعمال کیا ہے جہاں صرف حقیقت مراد لی ہے، اس کے لئے حسب ذیل آیات بھی ملاحظہ ہوں، اور مولانا محمود الحسنؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں ان مقامات پر یہی معنی لکھے ہیں۔

(۱) سأنبئك بتاويل مالم تستطع عليه صبرا - پ ۱۶ کہف ع ۱۱ - آیت ۷۸

(۲) ذٰلك تاويل مالم تستطع عليه صبرا - پ ۱۶ کہف - ع ۱۱ - آیت ۸۲

(۳) وما يعلم تاويله الا الله - پ ۳ - آل عمران - رکوع ۱ - آیت ۷

بہر حال اس لحاظ سے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ "کل امر مستقر" کی تاویل اب ہمارے زمانہ میں ظاہر ہوئی ہے، یعنی شق شدہ حالت کی حقیقت سے خدا نے دنیا والوں کو اب واقف فرما دیا ہے، نیز ہم نے اس مقالہ کے پہلے باب "معجزہ کسے کہتے ہیں" کے تحت اس کے ایک عنوان "کیا معجزوں کے آثار باقی رہتے ہیں" میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ سابقہ معجزوں کے لئے بھی ایسا ہو چکا ہے۔

۴ - چوتھی آیت

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝

ولقد جاءهم = اور بے شک آئیں ان کے پاس - من الانباء = من بمعنی سے اور انباء جمع ہے، اس کا واحد نبأ آتا ہے، بمعنی خبریں، آگاہیاں - مافیہ = اس میں - مزدجر = ڈانٹ ڈپٹ (مصدر میمی)

۵ - پانچویں آیت

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝

حکمت = تدبیر، عقل، علم - امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ جب حکمت کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس سے اشیاء کا بہترین طریقہ پر ایجاد کرنا مراد ہوتا ہے اور جب بندہ کی جانب اس کو منسوب کیا جائے تو یہ مراد ہوتی

ہے کہ کسی شئے وامر کی حقیقت تک علم وعقل سے پہنچنا (اصابۃ الحق بالعلم والعقل)[1]
مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ نکتہ خوب بیان کیا ہے کہ:-

"ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا کی حدیث میں بعض اشعار کو حکمت اور بعض تقریروں کو جادو کہا گیا ہے تو اس تقابل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت کا عربی مفہوم، اس کے اردو مفہوم سے بلند تر ہے، یعنی سحر وجادو سے مافوق انسانی تصور کی طرح حکمت کے عربی مفہوم میں کوئی مافوق بشری تخیل ضرور ہے، اسی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ عربی میں حکمت کے معنی عقل وفہم وغیرہ کے معمولی الفاظ سے کوئی بلند اور غیر معمولی حقیقت ہے۔[1]

مثالاً چند آیات بھی پیش ہیں:-

۱- واللہ یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ پ۳۔ سورہ بقرہ رکوع ۳۷-آیت ۲۶۹-

۲- واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتٰب وحکمۃ۔ پ۳۔ سورہ آل عمران رکوع ۷-آیت ۸۱-

۳- ولما جاء عیسیٰ بالبینٰت قال قد جئتکم بالحکمۃ ولابین لکم بعض الذی تختلفون۔ پ۲۵۔ سورۂ زخرف۔ رکوع ۶۔ آیت ۶۴-

بَالِغَۃ" = پہنچنے والی، بلوغ سے اسم فاعل، واحد مونث۔ عموماً مفسرین نے حکمۃ بالغۃ کا مرادی ترجمہ "حکمۃ کاملہ" کیا ہے، ابی حیان کہتے ہیں کہ "حکمۃ بالغۃ" خبر ہے یعنی کل امر مستقر حکمۃ بالغۃ[2] اور خازن نے کہا ہے "القرآن حکمۃ تامۃ قد بلغت الغایۃ"[3] تفسیر تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس میں لکھا ہے "حکمۃ القرآن بالغۃ، حکمۃ من اللہ ابلغہم عن اللہ بالغۃ من اللہ الیہم۔"[4]

شقِ قمر کے آثار سے انسان کو آگاہی ملنے کا قرآنی ثبوت

۱؎ سیرۃ النبی جلد چہارم ص۱۶۲ وص۱۶۳ ۲؎ بحر محیط جلد (۸) ص۱۷۳ ۳؎ تفسیر خازن برحاشیہ بیضاوی ص۱۲۲ ۴؎ تنویر المقیاس، از ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ برحاشیہ بیضاوی۔

جس طرح ہم الفاظ "امر مستقر" سے ایک نئے مفہوم تک پہنچے ہیں، اسی طرح اس چوتھی آیت کے الفاظ حِکمۃٌ بَالِغَۃٌ سے بھی ایک جدید نتیجہ تک رسائی ہوتی ہے، بقول صاحبِ تفسیر بحر محیط جب "کل امر مستقر حکمۃ بالغۃ" ہے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے، اسی کے لحاظ سے مطلب و ترجمہ بیان کیا جانا چاہئے تھا لیکن لفظ مستقر کی ہی حقیقی مراد تک چوں کہ رسائی نہیں ہوتی تھی، اس لئے "حکمۃ بالغۃ" کا ٹکڑا بھی پیچیدہ و مشکل بنا رہا قرآن میں اور مقامات پر بھی لفظ بالغۃ صرف پہنچنے کے اپنے اصلی معنی میں آیا ہے چناں چہ :-

۱- ھدیا بالغ الکعبۃ- پ سورہ مائدہ- رکوع ۱۳- آیت ۹۵

۲- ان اللہ بالغ امرہ- پ ۲۸- سورۂ طلاق- رکوع ۱- آیت ۴

۳- ام لکم ایمان علینا بالغۃ الی یوم القیامۃ- پ ۲۹- سورۂ قلم
(کیا تم نے ہم سے قسمیں لے لی ہیں، ٹھیک پہنچنے والی قیامت کے دن تک)

بہر کیف ہم عرض کریں گے کہ یہاں حکمت کا اشارہ، معجزۂ شق قمر کی طرف ہے اور اس کے نشانات و آثارِ شق کا جو اس کے جرم پر پائے جاتے ہیں، اہلِ عالم تک اس کی اطلاع کا پہنچ جانا بھی ثابت ہوتا ہے، گویا قرآن نے بوقتِ نزول و بوقتِ وقوع واقعہ اس کی بھی خبر دے دی تھی۔ چناں چہ تقریباً تیرہ چودہ سو سال بعد ہمارے زمانہ میں اس کا انکشاف بھی عمل میں آگیا، اور ان آیات کریمہ کی تاویل (حقیقت) سے سب اہل دنیا آگاہ بھی ہو گئے۔

فَمَا = پس نہیں۔ تغن = فائدہ دے اِغناء سے مضارع واحد مونث غائب مجزوم۔ النذر = ڈرانے والے، واحد نذیر، پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں اور معجزات و نشانات بھی۔

"فما تغن النذر" کے ٹکڑے سے ایک طرف تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ بوقتِ معجزہ جیسے اس وقت کافروں کے حق میں یہ ڈراوا کام نہیں آیا تھا تو دوسری طرف بعد کی نسلوں تک بھی جب اس معجزہ کی صداقت کے نشانات و آثار پہنچ جائیں گے تو شاید ان لوگوں کی اکثریت بھی اسے دیکھ کر ڈرنے والی اور ایمان قبول کرنے والی نہ ہو گی۔ یعنی معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت کے منکرین کی طرح سحر کہنے کی بجائے اس دفعہ ان شگافوں اور نشانوں

کی عام طور پر کوئی نہ کوئی تاویل و تعبیر کرنے اور قیاسی وظنی باتیں کرنے ہی میں مشغول رہے گی اور شاید اسی لئے اس سورہ میں اسلام سے پہلے کے جھٹلانے والی قوموں کا مسلسل نام بنام تذکرہ، بغرض عبرت و نصیحت کیا گیا ہے۔

مرتضیٰ لازم

(۶) چھٹی آیت

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ

فتول = پس منہ پھیرے۔ عنہم = ان سے۔ یوم = دن۔ یدع = پکارے، دعاء سے۔ الداع = پکارنے والا، اسم فاعل واحد مذکر۔ الیٰ = طرف۔ شیئ = چیز۔ نکر = ناگوار، نکارۃ سے صفت کا صیغہ

(۷) ساتویں آیت

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۙ

خُشّعا = نیچی، عاجز۔ ابصارھم = ان کی آنکھیں۔ یخرجون = وہ نکلتے ہیں، خروج سے مضارع جمع مذکر غائب۔ من = سے۔ الاجداث = قبریں۔ کانھم = گویا کہ وہ ہیں۔ جراد = ٹڈیاں، واحد جرادۃ۔ منتشر = پراگندہ۔ انتشار سے، اسم فاعل واحد مذکر۔

"جراد منتشر" سے کثرتِ تعداد، تموج، ٹڈی دل جیسی آواز، فزع اور جھنڈ جھنڈ رُخ کرنے کے لحاظ سے، کافروں کے واسطے یہ تشبیہ بیان فرمائی گئی ہے۔

(۸) آٹھویں آیت

مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

مھطعین = دوڑ کر آنے والے، امنڈ کر آنے والے، اھطاع سے اسم فاعل جمع مذکر۔ الیٰ = طرف۔ الداع = پکارنے والا۔ یقول = وہ کہیں (یا کہیں گے) جمع مذکر غائب۔ الکٰفرون = کفار۔ ہٰذا = یہ۔ یوم = دن۔ عَسِر = تنگی۔ سختی۔ مشکل باب کرُمَ سے مصدر ہے۔

مسلمہ علماء کے نزدیک آٹھ آیتوں کا ترجمہ

نام مترجم	آیت (۱) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝	آیت (۲) وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝
۱ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رح	نزدیک آمد قیامت و بشگافت ماہ۔	واگر کافر بینند نشانہ، اعراض کنند و گویند سحر یست قوی۔
۲ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رح	نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔	اور اگر دیکھیں کوئی نشانی، منہ پھیر لیویں اور کہتے ہیں جادو ہے ہمیشہ کا۔
۳ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح	پاس آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔	اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی ٹال دیں اور کہیں یہ جادو ہے چلا آتا۔
۴ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رح	پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔	اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے پہلے سے چلا آتا۔
۵ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح	قیامت نزدیک آپہنچی اور چاند شق ہو گیا۔	اور یہ لوگ اگر کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو ابھی ختم ہوا جاتا ہے۔
۶ مقالہ نگار	قیامت قریب آن پہنچی اور (کیوں کہ) چاند شق ہو گیا	اور اگر (کافر) کوئی معجزہ دیکھتے (بھی) ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ حقیقی واقعہ نہیں صرف) جادو ہے جو (جلد ہی) زائل ہو جاوے گا۔

نام مترجم	آیت (۳) وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○	آیت (۴) وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ○
۱ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رح	و دروغ شمردند و پیروی خواہش کردند و ہر چیزے در وقتِ خود قرار گرفتہ است	و ہر آئینہ آمدہ است بدیشاں از خبرہا آں چہ در پند است
۲ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رح	اور جھٹلایا انھوں نے اور پیروی کی خواہشوں اپنی کی اور ہر بات قرار پکڑنے والی ہے۔	اور البتہ تحقیق آئی ہے ان کے پاس خبروں میں سے وہ چیز کہ بیچ اس کے ڈانٹنا ہے۔
۳ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رح	اور جھٹلایا، اور چلے اپنے چاؤں پر اور ہر کام ٹھہر رہا ہے وقت پر۔	اور پہنچ چکے ہیں ان کو احوال جتنے میں ڈانٹ ہو سکتی ہے۔
۴ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رح	اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر۔	اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے۔
۵ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح	ان لوگوں نے جھٹلایا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر بات کو قرار آجاتا ہے۔	اور ان لوگوں کے پاس تو (امم ماضیہ کی بھی) خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں کہ ان میں کافی عبرت ہے۔
۶ مقالہ نگار	اور (گویوں انھوں نے اسکو) جھٹلادیا، اور اپنی من مانی ہی کی اتباع کی، اور (حالانکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) ہر امر (واقعہ۔ بعد وقوع محل وقوع پر) تو مستقر رہتا ہے (اُس وقت تک جب تک کہ اسکو متغیر نہ کردیا جائے یعنی اسی طرح جرم قمر پر بھی موجود ہے) ترجمہ بلا وضاحت یہ ہے اور انھوں نے جھٹلا تو دیا، اور اپنی من مانی ہی کی اتباع کی اور ہر واقعہ تو مستقر رہتا ہے	اور بالتحقیق (ایسی بہت سی) آگاہیاں ان کے پاس پہنچ چکی ہیں کہ جن کے سبب (ان کی) ڈانٹ کی جا سکتی ہے۔

نام مترجم	آیت (۵) حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	آیت (۶) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ
۱ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ	وآمده است دانشِ تمام پس فائده نمی دہد ترسانیدن ہا۔	پس اعراض کن ازیشاں آں روز کہ بخواند خواننده بسوئے چیزے ناخوش۔
۲ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ	یعنی دلیں حکمت پہنچنے والی مطلب کو پس کفایت نہیں کرتے ڈرانے والے۔	پس منھ پھیر لے ان سے منتظر رہ، اس دن کا کہ پکارے گا ایک پکارنے والا طرف ایک چیز ناپہچان کی۔
۳ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ	پوری عقل کی بات ہے، پھر کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے۔	سو تو ہٹ جا انکی طرف سے جس دن پکارے پکارنے والا، ایک اَن دیکھی چیز کو۔
۴ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ	پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے۔	سو تو ہٹ ان کی طرف سے جس دن پکارے پکارنے والا، ایک ناگوار چیز کی طرف۔
۵ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ	یعنی اعلیٰ درجہ کی دانشمندی (حاصل ہوسکتی) ہے سو (انکی کیفیت یہ ہے کہ) خوف دلانے والی چیزیں انکو کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔	تو آپ انکی طرف کچھ خیال نہ کیجئے جس روز ایک بلانے والا فرشتہ، انکو ایک ناگوار چیز کی طرف بلا دے گا۔
۶ مقالہ نگار	(یہ) حکمت (معجزہ و نشانی تو اوروں تک) پہنچنے والی ہے پس (افسوس کہ ایسوں کو) ڈرانے والے (پیغمبر، معجزات یا نشانیاں) کچھ بھی فائدہ نہیں بخشتے۔	سو (اب) آپ ان کے پاس سے ہٹ جائیے، جب کہ قیامت میں ایک پکارنے والا (ان کو) ایک بہت ناگوار چیز کی طرف بلائے گا۔

م، وقف لازم

نام مترجم	آیت (۷) خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ	آیت (۸) مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝
۱ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی	نیایش ظاہر شدہ باشد بر چشم ایشاں برآیند آں روز از قبر گویا ایشاں ملخ پراگندہ اند۔	شتاب کناں بسوئے آں خوانندہ گویند کافراں ایں روزے ست دشوار۔
۲ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب	نیچے ہوگی نظریں ان کی نکلیں گے قبروں میں سے گویا کہ وہ ٹڈیاں ہیں پریشان۔	دوڑتے ہوئے طرف پکارنے والے کے، کہیں گے کافر یہ دن ہے سخت۔
۳ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب	نیویں آنکھیں ان کی نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی بکھر پڑے۔	دوڑتے جاویں پکارنے والے پاس، کہتے منکر، یہ دن مشکل آیا۔
۴ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب	آنکھیں جھکائے نکل پڑیں قبروں سے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی (بکھری پڑی)۔	دوڑتے جائیں اس پکارنے والے کے پاس کہتے جائیں منکر، یہ دن مشکل آیا۔
۵ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی	ان کی آنکھیں (مارے ذلت کے) جھکی ہوئی ہوں گی (اور) قبروں سے اس طرح نکل رہے ہونگے جیسے ٹڈی پھیل جاتی ہے۔	(اور پھر نکل کر) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہونگے، کافر کہتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔
۶ مقالہ نگار	(خوف و ذلت کے مارے) ان کی نظریں جھکی ہوں گی (اور اپنی) قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے کہ منتشر ٹڈیاں۔	اور اس پکارنے والے کے پاس دوڑ کر پہنچیں گے (اور دردناک عذاب کو دیکھ کر) یہ کافر کہیں گے کہ بڑا ہی مشکل دن آن پڑا۔

(۹) خصوصیات سورۂ قمر

سورۂ قمر، مکہ میں ہجرت سے قبل نازل ہوئی ہے، اس میں کل (۵۵) آیتیں ہیں
صحیح مسلم میں ابو واقد لیثی کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ
قاف اور سورۂ قمر کی، عام مجمعوں میں بطور خاص تلاوت فرمایا کرتے تھے جیسے جمعہ و
عیدین، تاکہ جو لوگ اس معجزہ کے ظہور کے وقت موجود نہ تھے وہ بھی واقف ہو جائیں۔

شقِ قمر کا واقعہ اس سورہ کی ابتدائی (۸) آیتوں میں بیان کیا گیا ہے،
جن کا باہمی ربط و تسلسل، تھوڑے سے غور سے معلوم ہو جاتا ہے، مشرکین مکہ کی
طرح دیگر جھٹلانے والی سابقہ امتوں اور قوموں کا تذکرہ ہے جو اپنے اپنے زمانہ کے
پیغمبروں سے ایسے ہی معجزات دیکھنے کے باوجود ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی
اور پھر ان کا جو انجام ہوا، اسے بھی اس سورہ میں بغرضِ عبرت و نصیحت سنایا گیا ہے
یہ سورہ اپنے رنگ میں ممتاز اور بجائے خود انفرادیت کا حامل ہے تاکہ لوگ سمجھیں،
اور اثر لیں، چناں چہ اس کی تفصیل یہ ہے:-

۱- قوم نوح کے متعلق (۹) آیتیں ہیں، اور آغاز ذکر کَذَّبَتْ سے کیا گیا ہے
اور ختم تذکرہ کے ساتھ ہی وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
(اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنا، پھر ہے کوئی سوچنے والا) کا اعلان ہے۔

۲- قوم عاد کا (۵) آیتوں میں تذکرہ ہے، اور ان کا واقعہ بھی کَذَّبَتْ سے
شروع ہوا ہے اور اختتام پر پھر ولقد یسرنا القرآن کا دعویٰ کیا گیا ہے اس
کے بعد پھر کَذَّبَتْ سے

۳- قوم ثمود وَنَاقَةُ صَالِحٍ کا واقعہ (۱۰) آیتوں میں بیان کرتے ہوئے
ولقد یسرنا القرآن کے دعوے کو پھر دہرایا ہے۔

۴- قوم لوط کا تذکرہ، لفظِ کذبت سے شروع فرما کر (۸) آیتوں میں واقعہ
کی تفصیل ظاہر کی گئی ہے اس کے ختم پر مثاً ولقد یسرنا القرآن کا پھر اعادہ ہے۔

۵- آلِ فرعون کا بیان اور عام گنہ گاروں کا حال (۱۳) آیتوں میں سنایا گیا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تذکرہ کا آغاز کذبت کی بجائے وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ سے فرمایا ہے اور یسرنا القرآن کا اعادہ بھی نہیں ہے۔

یسرنا القرآن کی تکرار کو سمجھنے کے لئے عرض ہے کہ قرآن کریم ایسی کتاب ہے جو مبالغہ سے خالی ہے، اور مبالغہ جھوٹ کی ایک قسم ہے اور "کتاب صدق" کا اس سے مبرا ہونا لازمی تھا، ادب و بیان میں مطلب و مقصود کو بہ شدت دل نشین بنانے کے لئے یا تاکید و اہمیت یا عظمت و فوقیت جتانے کے واسطے مبالغہ کا سہارا لئے بغیر کام نہیں چلتا لیکن اس کے عوض، قرآن تکرار آیات سے کام لیتا ہے، اس طریقہ میں جو حکمتیں علماء نے بیان کی ہیں، ان میں ہمیں یہی پسند ہے کہ وہ مبالغہ کی بجائے اہم بات کو منتخب کر کے بار بار دہراتا ہے، اور جتنی دفعہ دہراتا ہے اس کی اتنی ہی اہمیت ہوتی ہے، اور یہ عین فطرت و مزاج انسانی کے مطابق ہے کہ جس کا ہمیں اپنے روزہ مرہ میں سابقہ پڑتا اور مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

اس سورہ کی یہ خصوصیت بھی راقم الحروف کو متاثر کرتی ہے کہ پوری پچپن آیتوں (ابتدائی ۸ + ۹ + ۵ + ۱۰ + ۸ + ۱۳ + ۲ آخری) ۵۵ میں سے ۵۳ آیات میں اہلِ کفر و مکذبین کی شرارتوں کا اور ان کے عذاب و انجام کا تذکرہ فرمایا ہے اور صرف آخری دو آیتوں (اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۵) میں بشارت ہے، ورنہ قرآن پاک میں عموماً عذاب و ثواب کا بیان برابر برابر ملتا ہے۔

علمائے حق نے کہا ہے کہ جھٹلانے والوں کا حال بیان کر کے اور ان کے عذابوں کے تذکرہ سے اگر ایک طرف کافروں اور دیگر سب لوگوں کو ڈرایا گیا ہے تو دوسری طرف آقائے نامدار سردارِ دو جہاں صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی تسلی خاطر بھی فرمائی ہے کہ ان کے انکار و رُوگردانی سے آپ دل گیر نہ ہوں چناں چہ دیکھو ان ان قوموں کا بھی یہی شیوہ رہا ہے۔

پھر قرآن کے سہل و آسان ہونے کا، اسی سورہ میں یہ تکرار دعویٰ شاید یہ حجت بھی اپنے اندر رکھتا ہو کہ اس میں ہمارے لئے خصوصی غور و فکر اور

مشاہدہ کی دعوت رکھی گئی ہے۔

باب چہارم

(الف) دیگر مباحث

(ب) معجزۂ شق القمر اور ہندوستان

(ج) ہندوستان میں کن لوگوں نے اس معجزہ کا مشاہدہ کیا

(د) متقدمین کے اشعار

(الف) دیگر مباحث

ساری دنیا میں شق قمر کے نظر نہ آنیکی وجہ

پرانے زمانہ میں صدیوں تک منکرین معجزہ کا یہ خاص اعتراض رہا کہ آخر ایسے عظیم واقعہ کو ساری دنیا نے کیوں نہیں دیکھا، گو مسلمان علماء نے ہر وقت اس کے معقول جوابات دیئے تھے لیکن خدا کی شان دیکھیئے کہ اب ساری دنیا پر بلا شک و شبہ ظاہر ہوگیا کہ ہر جگہ کا وقت یکساں نہیں ہے، حتیٰ کہ بوقت واحد زمین کے نصف کرہ میں اگر دن ہے تو دوسرے نصف میں رات، اب اس علم کی، اور اس کے عملی ذرائع کی ترقی کی وجہ سے یہ اہم اعتراض عام و خاص سب کے حق میں برخاست ہوگیا سمجھانے کی حاجت ہی نہیں رہی۔

اس معجزہ کا مقام وقوع مکۃ مکرمۃ (منیٰ) ہے اس کے قرب وجوار کے ملک، اور "ہم افق" مقامات کے لوگ اس معجزہ کو دیکھ سکتے تھے جن کو اس رات توفیق ہوئی، انھوں نے دیکھا بھی اور اس کی گواہی بھی دی اور بعض ملکوں کے لوگ تو مسلمان بھی ہوگئے۔

شق قمر کے وقت ساری دنیا میں ہر جگہ کیا وقت تھا اس کو جاننے کے لئے مشہور شہروں کا ایک تختۂ اوقات پیش ہے نیز بیک نظر معلوم کرنے کے لئے "وقتیا کرۂ زمین" کا نقشہ بھی صفحہ مابعد پر درج کیا جاتا ہے۔

معجزۂ شق القمر کے وقت دنیا کے حالیہ مشہور شہروں کے اوقات[1]

نشان سلسلہ	نام شہر	طول بلد	وقت	نشان سلسلہ	نام شہر	طول بلد	وقت
	حصۂ شرقی		شب				شب
۱	گرینچ (انگلینڈ)	۰،۰	۱۱-۵۲	۴	امسٹرڈم (ہالینڈ)	۴،۵۳	۱۲-۱۰
۲	پیرس	۲،۲۰	۱۲-۰۱	۵	جنوا	۶،۷	۱۲-۲۰
۳	بروسلز (بلجیم)	۴،۲۲	۱۲-۰۹	۶	روم (اٹلی)	۱۲،۲۸	۱۲-۴۱

[1] ہم نے کرۂ زمین کا جو نقشہ و تختہ اوقات دیا ہے، اس کی تفہیم کے لئے مختصراً یہ وضاحت پیش ہے کہ زمین جو سورج اور چاند کی روشنی سے منور ہوتی ہے تو اس میں اُس کی کرویت اور گردش کو بڑا دخل ہے، جوں جوں ہم مغرب کی طرف بڑھتے جائیں گے تو آفتاب ان ملکوں میں دیر سے غروب ہوگا، جتنا مشرق کی سمت اختیار کریں گے اتنا ہی جلد سورج طلوع ہوگا، زمین کے ایک درجہ طول بلد کو آفتاب کے سامنے سے گزرنے کے لئے ۴ منٹ کا وقفہ درکار ہوتا ہے اور ایک درجہ میں ۶۰ دقیقے ہوتے ہیں۔ کرۂ زمین کل ۱۸۰ + ۱۸۰ = ۳۶۰ درجوں (طول بلد) پر منقسم ہے اس حساب سے ایک گھنٹہ میں زمین (۱۵) درجہ اور ایک درجہ ۴ منٹ میں گھوم جاتا ہے۔ گرینچ کا طول بلد صفر مانا گیا ہے، اسی طرح خط استوا سے قطب شمالی تک اور پھر جنوبی قطب تک ۹۰، ۹۰ درجے عرض بلد قرار دیے گئے ہیں، خط استوا کا عرض بلد صفر ہے۔

فرض کیجئے کہ گرینچ (طول بلد صفر) پر شام کے ۶ بجے ہیں تو اس کے مشرقی علاقوں میں جو اس سے ۱۵ درجہ پر ہیں ۶ + ۱ = ۷ بجے شب کا وقت ہوگا اور اگر ۱۵ درجہ مغربی جانب والے ملک ہوں تو ان میں ۶-۱ = ۵ بجے شام کا وقت ہوگا۔

عیدین کے موقع پر ملکوں میں چاند کی تاریخوں کے اختلافات یا سورج اور چاند گرہن کے بعض ملکوں میں دکھائی دینے اور نہ دینے کے اسباب زمین کی کرویت اور اس کی وجہ سے افق (حد نظر) کی تبدیلی اور خود زمین کی رفتار اور چاند کی رفتار گردش بھی ہوا کرتی ہے۔

نمبر	مقام	طول بلد	شب
۷	کوپن ہیگن (ڈنمارک)	۱۲،۳۰	۱۲-۴۱
۸	برلن	۱۳،۲۵	۱۲-۴۵
۹	سسلی (اٹلی)	۱۴،۱۰	۱۲-۴۹
۱۰	مالٹا	۱۴،۳۰	۱۲-۴۹
۱۱	اسٹاک ہوم (سویڈن)	۱۸،۳۰	۱-۵
۱۲	بڈاپسٹ (ہنگری)	۱۹،۳	۱-۸
۱۳	راسِ امید	۲۰،۰	۱-۱۳
۱۴	بلغریڈ (جیکوسلواکیہ)	۲۰،۳۰	۱-۱۷
۱۵	صوفیہ (بلغاریہ)	۲۳،۲۰	۱-۲۵
۱۶	ایتھنز (یونان)	۲۲،۵۲	۱-۲۶
۱۷	کریٹ (قبرص جزیرہ)	۲۵،۰	۱-۳۳
۱۸	تجارسٹ (رومانیہ)	۲۶،۷	۱-۳۶
۱۹	اسکندریہ	۲۹،۵۳	۱-۵۰
۲۰	قاہرہ	۳۱،۱۵	۱-۵۷
۲۱	پورٹ سعید	۳۲،۱۸	۲-۱
۲۲	سوئز	۳۲،۳۰	۲-۱
۲۳	انقرہ (ترکی)	۳۲،۵۴	۲-۲
۲۴	سائپرس	۳۳،۰	۲-۴
۲۵	یروشلم (بیت المقدس)	۳۵،۱۴	۲-۱۲
۲۶	بیروت	۳۵،۲۵	۲-۱۲
۲۷	دمشق	۳۶،۱۴	۲-۱۲
۲۸	ماسکو	۳۷،۳۷	۲-۲۱
۲۹	بحر احمر	۳۶،۰	۲-۲۸
۳۰	جمرہ	۳۹،۱۰	۲-۲۰
۳۱	ممباسہ (حبشہ)	۳۹،۴۰	۲-۲۹
۳۲	مدینہ منورہ	۳۹،۵۳	۲-۳۰
۳۳	مکہ مکرمہ	۳۹،۵۴	۲-۳۰
۳۴	طائف	۴۰،۵۱	۲-۴۹
۳۵	بغداد	۴۴،۳۷	۲-۴۹
۳۶	عدن	۴۵،۴	۲-۵۲
۳۷	مڈغاسکر	۴۶،۰	۲-۵۶
۳۸	کویت	۴۸،۰	۳-۴
۳۹	بحرین	۵۰،۳۵	۳-۱۳
۴۰	طہران	۵۱،۲۵	۳-۱۷
۴۱	اصفہان	۵۱،۳۸	۳-۱۷
۴۲	عمان	۵۷،۰	۳-۴۰
۴۳	مسقط	۵۸،۳۶	۳-۴۵
۴۴	سائبریا	۵۹،۳۰	۳-۴۹
۴۵	بخارا	۶۴،۳۰	۴-۹
۴۶	بلوچستان	۶۵،۰	۴-۱۲
۴۷	کوئٹہ	۶۷،۰	۴-۲۰
۴۸	کراچی	۶۷،۴	۴-۲۰
۴۹	سمرقند	۶۷،۵	۴-۲۰
۵۰	حیدرآباد (سندھ)	۶۸،۳۸	۴-۲۵
۵۱	کابل	۶۹،۱۸	۴-۲۹
۵۲	تاشقند	۶۹،۲۰	۴-۲۹
			آخر شب
۵۳	درۂ خیبر	۷۱،۵۱	۴-۲۰

نمبر	شہر	طول بلد	آخر شب
۵۳	ملتان	۷۱،۳۱	۴-۳۷
۵۴	پشاور	۷۱،۳۷	۴-۳۷
۵۵	رکادیپ	۷۲،۰۰	۴-۴۰
۵۶	احمد آباد	۷۲،۳۸	۴-۴۱
۵۷	سورت	۷۲،۵۲	۴-۴۳
۵۸	بمبئی	۷۲،۵۴	۴-۴۳
۵۹	راول پنڈی	۷۳،۰۶	۴-۴۷
۶۰	پونا	۷۳،۵۵	۴-۴۹
۶۱	گوآ	۷۳،۵۷	۴-۴۹
۶۲	گلگت	۷۴،۲۲	۴-۵۰
۶۳	لاہور	۷۴،۲۶	۴-۵۰
۶۴	اجمیر	۷۴،۴۲	۴-۵۰
۶۵	سری نگر	۷۴،۵۱	۴-۵۰
۶۶	امرت سر	۷۴،۵۵	۴-۵۰
			صبح صادق
۶۷	✻ بھٹنڈا (پنجاب)	۷۵،۰۰	۴-۵۲
	✻ اس معجزہ سے یہاں کا ایک شخص مسلمان ہوا		
۶۸	✻ دھار (وسط ہند)	۷۵،۲۰	۴-۵۲
	✻ اس معجزہ سے یہاں کا ایک شخص مسلمان ہوا		
۶۹	ماہی	۷۵،۳۴	۴-۵۲
۷۰	کالی کٹ	۷۵،۴۹	۴-۵۴
۷۱	✻ ملابار	۷۶،۰۰	۴-۵۶
	✻ اس معجزہ سے یہاں کا بھی ایک شخص مسلمان ہوا		
۷۲	آگرہ	۷۶،۴	۴-۵۶

نمبر	شہر	طول بلد	صبح صادق
۷۳	کوچین	۷۶،۱۷	۴-۵۶
۷۴	ٹراونڈرم	۷۶،۵۹	۴-۵۸
			صبح
۷۵	دھلی	۷۷،۱۲	۵-۰۰
۷۶	شملہ	۷۷،۱۳	۵-۰
۷۷	بھوپال	۷۷،۳۶	۵-۱
۷۸	علی گڑھ	۷۸،۰۶	۵-۵
۷۹	گوالیار	۷۸،۱۰	۵-۵
۸۰	حیدر آباد (دکن)	۷۸،۳۰	۵-۵
۸۱	ناگپور	۷۹،۰۹	۵-۸
۸۲	بدری ناتھ	۷۹،۳۲	۵-۹
۸۳	پانڈی چری	۷۹،۵۳	۵-۱۰
۸۴	کولمبو	۷۹،۵۶	۵-۱۰
۸۵	مدراس	۸۰،۱۷	۵-۱۴
۸۶	کانپور	۸۰،۲۴	۵-۱۴
۸۷	لکھنو	۸۰،۵۹	۵-۱۵
۸۸	الہ آباد	۸۱،۵۴	۵-۱۹
۸۹	بنارس	۸۳،۰۰	۵-۲۴
۹۰	کھٹمنڈو	۸۵،۱۲	۵-۳۲
۹۱	پٹنہ	۸۵،۱۳	۵-۳۲
۹۲	کلکتہ	۸۸،۲۴	۵-۴۵
۹۳	ڈھاکہ	۹۰،۲۶	۵-۵۳
۹۴	لہاسہ (تبت)	۹۱،۰۵	۵-۵۶
۹۵	انڈمان	۹۲،۴۰	۶-۲

نمبر	شہر	طول بلد	صبح	نمبر	حصۂ مغربی	طول بلد	شب
۹۶	منی پور	۹۳،۵۸	۶-۶	۱۱۳	لنڈن	۰،۵	۱۱-۵۲
۹۷	رنگون	۹۶،۱۳	۶-۱۶	۱۱۴	میڈرڈ (اسپین)	۳،۴۲	۱۱-۳۸
۹۸	بنکاک	۱۰۰،۳۰	۶-۳۳	۱۱۵	جبرالٹر	۵،۱۹	۱۱-۳۱
۹۹	سنگاپور	۱۰۳،۵۱	۶-۴۶	۱۱۶	سسلی (جزیرہ)	۶،۰	۱۱-۲۸
۱۰۰	انڈو چائنا	۱۰۵،۰	۶-۵۰	۱۱۷	مراکش	۷،۵۹	۱۱-۲۲
۱۰۱	جگارتا	۱۰۶،۵۰	۶-۵۷	۱۱۸	لزبن	۹،۱۹	۱۱-۱۶
۱۰۲	جاوا	۱۱۰،۰	۷-۱۲	۱۱۹	کولمبیا	۷۰،۴۵	شام ۷-۱۰
۱۰۳	سراداک	۱۱۳،۳۰	۷-۲۵	۱۲۰	نیویارک	۷۴،۱	۶-۵۶
۱۰۴	ہانگ کانگ	۱۱۴،۱۳	۷-۲۹	۱۲۱	اٹاوا (کینیڈا)	۷۵،۴۲	۶-۵۰
۱۰۵	پیکن	۱۱۶،۳۴	۷-۳۷	۱۲۲	واشنگٹن	۷۷،۴	۶-۴۴
۱۰۶	تائیوان	۱۲۱،۰	۷-۵۶	۱۲۳	شگاگو	۸۷،۴۰	۶-۲
۱۰۷	فارموسا	۱۲۱،۰	۷-۵۶	۱۲۴	میکسیکو	۹۹،۱	۵-۱۸
۱۰۸	شنگھائی	۱۲۱،۲۹	۷-۵۶				دن
۱۰۹	منیلا	۱۲۱،۳۰	۷-۵۶	۱۲۵	کیلی فورنیا	۱۱۱،۰	۴-۱۷
۱۱۰	کوریا	۱۲۵،۰	۸-۱۲	۱۲۶	سان فرانسسکو	۱۲۲،۲۵	۳-۱۴
۱۱۱	ٹوکیو	۱۳۸،۴۵	۹-۶	۱۲۷	برٹش کولمبیا	۱۲۷،۰	۲-۵۴
۱۱۲	سڈنی (آسٹریلیا)	۱۵۱،۱۲	۹-۵۶	۱۲۸	الاسکا	۱۴۵،۰	۲-۱۲

(برائے نظر)

معجزۂ شق القمر کے موقع پر دنیا کے اوقات

(مکہ میں غروب آفتاب کے ۸½ گھنٹے کے معیار سے)

دوپہر

شام

صبح

آدھی رات

۲½ بجے شب

مقام منیٰ (مکہ مکرمہ) ۱۳ ذی حجہ (غالباً حقیقی ۱ا صفر) ۸ سنہ نبوت

مطابق ۲۲ اگست ۶۱۷ء / ۲۰ اکتوبر ۶۱۶ء وقت وقوع معجزہ (قریباً) ۲½ بجے شب

معجزۂ شق قمر کے نشانات تو اب
ہر جگہ سے دیکھے جا سکتے ہیں

اس کتاب کے سابقہ صفحات میں ہم نے بدلائل بیان کر دیا ہے کہ معجزۂ رسالت سے چاند میں جو انشقاق ہوا تھا، خدائے تعالٰے نے اپنی حکمت کاملہ سے اہل جہاں کی عبرت پذیری و یقین کی خاطر اور قیامت برپا کرنے کے واسطے اس کے نشانات (شگافوں) کو باقی رکھا ہے۔

اللہ اللہ کیا زمانہ آیا ہے کہ اب ساری دنیا طاقتور دوربینوں، راکٹی کیمروں اور دیگر آلات و ذرائع کی مدد سے ان نشانات کو ہر جگہ سے دیکھ سکتی ہے، اور چاند کے شگافوں کی تصاویر کی عام اشاعت نے تو گھر گھر لوگوں کے ہاتھوں میں یہ صداقت تھما دی ہے، جس میں معجزۂ نبوت اور اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے کی دعوت و ثبوت ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ چاند سے یہ دلچسپی غیر مسلم ممالک اور اقوام نے لی، اور کسی مذہبی جذبے کے تحت یہ عظیم کوششیں قطعاً نہیں کی گئی ہیں، اور مسلمانوں کے ہاتھوں بھی یہ معلومات و مشاہدات دنیا کو نہیں ملے ہیں کہ جن میں جانب داری یا کسی تعصب کا شائبہ پایا جائے۔

ع۔ واقعہ شق قمر جیسا چودہ سو سالہ قدیم تفصیلی، معتبر و مسلمہ عالم کوئی واضح ریکارڈ، دنیا کی کسی قوم و ملک کے پاس نہیں، جسے وہ پیش کر سکے۔

معجزۂ شق القمر میں
حضورؐ کی خصوصی شان

صاحب مواہب لدنیہ نے سچ کہا ہے کہ جان لو! کہ بے شک چاند شق نہیں ہوا ہے کسی بھی شخص سے، سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، جو آپ کا عظیم تر معجزہ ہے "واعلم ان القمر لم ینشق لاحد غیر نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و ھو من امھات معجزاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام" یہ معجزہ ایسی عظمت و شان والا ہے جیسے ہزاروں ستارے کہ جن میں بعض اپنی خوب صورتی اور نرالی روشنیوں کے باعث ممتاز و یکتا نظر آتے تھے جب آفتاب نکل آیا تو بیک آن، سب اپنی اپنی جگہ بے نور ہو کر رہ گئے، ایسے ہی اس معجزہ کے سامنے دیگر تمام انبیاء کے معجزات ماند پڑ جاتے ہیں، کیوں کہ اس معجزہ کا

محل وقوع ملکوت السمٰوٰت (عالم علوی) ہے جو ہماری دنیا کے باہر ہے اسی لئے کسی شخص کا کسی تدبیر و ذریعہ سے اس پر تصرف پانا مشکل ہے۔ وقال الخطابی انشقاق القمر آیۃ عظیمۃ لایکاد یعدلہا شیئ من الآیات الانبیاء وذلک انہ ظہر فی ملکوت السمٰوٰت خارجاً عن جملۃ طباع ما فی ھذا العالم المرکب من الطبائع فلیس فیما یطمع فی الوصول الیہ بحیلۃ[1]

حضرت موسیٰ کے معجزہ سے سمندر کا نہ صرف پھٹ جانا بلکہ ان کے اور بنی اسرائیل کے گزرنے کے لئے اس کی تہہ کے دلدل اور کیچڑ کا خشک ہو کر اس کا عبور کے قابل بن جانا بے شک بڑا معجزہ ہے (فاضرب لھم طریقاً فی البحر یبساً پ۱۶۔ سورۂ طٰہٰ رکوع ۴ آیت ۷۷) اور تصرف فی العالم (الارض) کا ثبوت بھی۔ لیکن ہمارے آقا و سردار حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کا یہ معجزہ عالم السماء (فوق) میں تصرف اور اس کے بھی آپ کے مطیع و فرماں بردار ہونے کا کھلا نشان ہے۔ غرض غور کیا جائے تو ہر معجزہ خود اپنے اپنے درجہ و مرتبہ کو بتانے والا نظر آئے گا۔

رازداروں کا بیان ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان جو "بحر" ہے، اس کو واقفین اپنی اصطلاح میں بحرِ مکفوف کہتے ہیں، زمین کے سارے بحر جو خود زمین کے رقبہ سے تین گنا بڑے ہیں، اس کی وسعت و عظمت کے سامنے ایک قطرہ کی بھی نسبت نہیں رکھتے۔ (شق قمر کے موقع سے زیادہ معراج کی شب میں اس کا انفلاق ہوا ہے۔[2]

---

[1] مواہب لدنیہ جلد اول ص۳۵۶ [2] مواہب لدنیہ جلد اول ص۳۸۲ — ذرا اس زمانہ کے ظاہری علوم والوں کی زبان سے بھی زمین و آسمان کے درمیان کا حال سنیئے — کرۂ زمین کو ہر طرف سے ہوا کا کرہ گھیرے ہوئے ہے، سطح زمین سے اس کی اونچائی سیکڑوں میل اوپر تک چلی گئی ہے اور یہ ہوائی کرہ آکسیجن، نائٹروجن اور دوسری ہلکی گیاسوں سے مرکب اور پانی اور مٹی کے ذرات پر مشتمل ہے اسی کی وجہ سے زمین پر دباؤ (PRESSURE پریشر) پیدا ہوتا ہے، جو زمین کی ہر شے پر اثر انداز ہے۔ اگر اوپر سے نیچے کی طرف آئیں تو پریشر اور وزن میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور اس کے برعکس اگر زمین سے اوپر کی جانب جیسا جیسا بلند ہوں گے اسی تناسب سے اس میں کمی ہوتی جائے گی یہاں تک کہ بے وزنی کی حالت سے دوچار ہونا پڑے گا، اُس وزن اور دباؤ کو معیاد تسلیم کیا گیا ہے جو سطح

بقیہ بر صفحہ آئندہ

حقیقت تو کوئی وہاں ہی نہیں سکتا، محض موجودہ ذہنوں کی تفہیم کی خاطر اس معجزہ کا ہم یوں اندازہ کرا سکتے ہیں کہ زمین پر کھڑے کھڑے ہی صرف انگشتِ شہادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے (جن پر میرے ماں باپ فدا، اور اولاد تصدق) ماوراء تصور و قیاس عظیم قوت و طاقت کا خروج ہوا، اور پھر اس کی چشم زدن سے بھی کم وقفہ میں کرۂ قمر تک ٹھیک اور کامیاب ترسیل عمل میں آئی، حالاں کہ اس وقت تو باوجود آواز اور روشنی کی رفتار سے زیادہ تیز آلات کی مدد سے اس تک رسائی میں کئی دن لگتے ہیں، نیز جملہ ظاہری ذرائع اور متعلقہ علوم اور ٹکنالوجی سیکھے اور جانے بغیر آپ نے چاند کو شق کر کے بتا دیا اور پھر اسی مبارک انگلی کا دوسرا اشارہ، ایسی دوسری قوت کا مظہر ہوا کہ وہ ٹوٹ کر جدا ہو جانے اور دور چلے جانے والے ٹکڑے کو کھینچ لانے کا موجب بنا اور اصل حصے سے اسے متصل کر دیا، اس کو سوچتے ہوئے تو عقل کے پر ہی جل جاتے ہیں۔

ہمارے ایک دیرینہ رفیق[1] نے جب ہم سے ایک دن واقعاتِ معجزہ کے سلسلہ میں

بہ سلسلہ سابقہ

سمندر پر پایا جاتا ہے۔ خلا بازوں کو راکٹوں کی نفوذ کرنے والی قوت کے وسیلے اس کو چیرتے ہوئے خلا میں داخل یا زمین کی طرف آنا پڑتا ہے ۳، ۴ میل کی بلندی تک انسان زندہ رہ سکتا ہے اس سے اوپر زندگی محال یقین کی جاتی ہے جس کی تصدیق بلند پہاڑوں کی چڑھائی میں ہو جاتی ہے اسی لئے مصنوعی آکسیجن کام میں لانی پڑتی ہے۔

۵ تا ۱۰ میل کی بلندی کے بعد ایک اور طبقہ ۲۵ میل بلندی تک پایا جاتا ہے جسے اسٹریٹوسفیر (STROTOSFHERE) کہا جاتا ہے اس میں ۱۵ میل تک ہوائی جہاز اور ۲۵ میل تک غبارے پرواز کر سکتے ہیں، اس سے اوپر کے بالائی طبقے کو آئنوسفیر (IONOSFHERE) سے موسوم کرتے ہیں جو ۷۰، ۸۰ میل تک بلند ہے، اس سے اوپر کی بلندیوں کی بھی درجہ بندی کی گئی ہے، ان ہی حدود سے ریڈیو لہریں زمین کی طرف لوٹ آتی ہیں، اور شہاب ثاقب یہیں رگڑ کھا کر شعلہ پوش ہوتے اور زمین پر گر پڑتے ہیں، بلندی کے چوتھے طبقے سے قطب شمالی اور قطب جنوبی کی جانب آسمانی فضاؤں میں قطبین کی حسین روشنیوں کا نظارہ ہوتا ہے، جو بجلیوں کی طرح کوندتی دکھائی دیتی ہیں اور جن کے دھارے ۶۰۰ میل تک کی بلندی کے دیکھے گئے ہیں۔

[1] عزیزی میر تراب علی صاحب سلمہ، (انڈین میڈیسن ڈیپارٹمنٹ آندھرا پردیش) حیدر آباد

کرۂ قمر کے متعلق جدید معلومات سنئے کہ اس میں ہوا نام کو نہیں ہے، سردی اور گرمی کا یہ حال ہے، اسی لئے وہاں کوئی ذی حیات مخلوق نہیں پائی جاتی تو انھوں نے یہ سنتے ہی کہا کہ واہ کیا عجیب بات ہے حضورؐ جو کہ رَحمَۃٌ لِلعَالَمِین ہیں، اور آپ کی شانِ رحمت کو تو اہلِ زمین، آپ کی ساری حیاتِ طیبہ میں دیکھا ہی کئے لیکن دیگر عالموں کے لئے بھی آپ کس طرح رحمت ہیں، خدائے تعالےٰ نے اس زمانہ میں ہم لوگوں کے سامنے بھی اس کا ثبوت فراہم فرما دیا کہ حضورؐ نے معجزہ دکھلایا بھی تو ایسے کرہ پر دکھایا کہ جہاں کسی ذی حیات کو اذیت ہی نہ پہنچے۔ اللّٰھم صلِّ علی سیِّدنا محمّد وعلیٰ آلِ سیّدنا محمّد عدد ما فی علم اللہ صلوٰۃ دائمۃ بدوام ملک اللہ۔

ہم کو اس کتاب کے لئے تلاشِ مواد کے دوران، دو نہایت ہی معتبر راویوں سے، دو اہم واقعات کے سننے کا موقع ملا، جو ان کے سامنے گزرے ہیں۔

شاید ۱۹۵۵ء میں دہلی سے کوئی ہندو محقق، رصدگاہ حیدرآباد آئے تاکہ یہاں کی دوربین سے استفادہ کرسکیں جو فی الوقت ہندوستان میں سب سے بڑی سمجھی جاتی ہے جس کا قطر ۱۵ ہے، ان کا خیال تھا کہ چاند ٹوٹا ہوا ہے، وہ اسی کی تصدیق تک پہنچنے کے لئے کوئی مہینہ بھر تک یہاں ہر روز مشاہدہ و معائنہ میں مشغول رہے، اربابِ رصدگاہ بھی ان کی اس کام میں ہر طرح مدد اور ساتھ دینے کے لئے مامور کئے گئے تھے اتنے دنوں کی محنت کے بعد بھی اس دوربین کی جتنی طاقت ہے اس کے ذریعے چاند کے کسی چپہ پر اس کا معائنہ و مشاہدہ نہ ہوسکا، بالآخر دیکھنے اور دکھانے والے دونوں تھک گئے اور جاتے ہوئے محقق موصوف نے کہا کہ شیشوں پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہم سب کو اس کا تجربہ ہے کہ بعض شیشوں سے اصلیت ہی مسخ ہوکر رہ جاتی ہے۔

معجزۂ شق القمر میں دو معجزے

دوسرا واقعہ کوئی ۵۰۔۶۰ سال پہلے گزرا ہے، حیدرآباد کے محلہ بیگم بازار میں سوامی گلاب گیر جی نامی ایک بہت مشہور صاحبِ کمال اور صلح کل مشرب کے سادھو رہتے تھے۔[1]

---

[1] سلطنتِ آصفیہ حیدرآباد کے ایک پرانے اور بہت مشہور وزیراعظم مہاراجہ چندو لال (متوفی ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء) کی طلب و قدر دانی کی وجہ سے باکمال گسائیوں کی ایک جماعت حیدرآباد آکر دارالسلطنت کے محلہ بیگم بازار میں مقیم ہوگئی تھی، اس وقت سے یہ محلہ ان کا مرکز تھا اور گلاب گیر جی اسی محلہ میں نظام سادس نواب میر محبوب علی خاں (۱۸۶۵ء۔۱۹۱۱ء) کے زمانہ میں رہا کرتے تھے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں طبقوں میں ان کا بڑا احترام تھا، چناں چہ مسلمانوں کی بھی ان کے یہاں آمد و رفت جاری رہتی۔ ایک دن ان کے پاس دو مسلمان ملاقاتی آمنے سامنے بیٹھے ہوے تھے، کسی سلسلہ میں معجزہ شق القمر کا تذکرہ نکل پڑا، تو ان میں سے ایک جو جدید تعلیم یافتہ تھا، وہ اس کا انکار کر کے اپنے ہم نشین سے اتنی حجت کرنے لگا کہ گفتگو بہت تیز حد کو پہنچ گئی، یہ دیکھ کر سوامی گلاب گیر جی کو مداخلت کرنی پڑی انھوں نے کہا دیکھو بھائیو! ہم تو غیر مسلم ٹھہرے اور ہم لوگ سادھو سنیاسی، ہمارا طور طریق آپ سے الگ تھلگ، جس عمر سے ہم اس جوگیانہ راستے پر چل پڑے ہیں اپنی اتنی طویل زندگی میں ہمیں متعدد مراحل و مواقع سے واسطہ پڑا لیکن آج تک کبھی بھی اپنے تجربے و سابقے میں، پیغمبر اسلامؐ کی کسی بات کو صداقت سے بعید اور اس کے خلاف نہیں پایا، ہم ان کو صرف "حضرت" نہیں، بلکہ اعلیٰ حضرت سمجھتے اور کہتے ہیں، اور معجزہ کا انکار کرنے والے سے خطاب کر کے کہا اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو ہمیں ایک طریقہ آتا ہے اور ایسی مشق معلوم ہے کہ ہم تمہیں بھی اس کا مشاہدہ کرا سکتے ہیں، چنانچہ انھوں نے انکار کنندہ مسلمان کو اس کا مشاہدہ و تصدیق کرا دینے کے بعد کہا کہ بھئی! ہم کو چاند کے شق کر دیے جانے سے زیادہ اس کے جوڑ دینے پر بے حد حیرت ہے کیوں کہ پہلے معاملہ سے زیادہ یہ اور بھی مشکل ترامر ہے۔

دنیا کی دوسری کتابوں میں اس معجزہ کا ذکر کیوں نہیں ہے

جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے ابتدائی اوراق میں لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے کی کئی کتابیں دنیا میں موجود ہیں، ان میں بھی بعض بہت اہم واقعات کا بیان موجود ہے لیکن اسی زمانہ کی دوسرے ملکوں کی کتابوں میں سرے سے ان کا ذکر ہی نہیں ملتا جیسے ہندوستان میں مہا بھارت کی لڑائی ایک عظیم واقعہ تصور کی جاتی ہے اور اس کا ذکر ہندوستان میں نہایت عظمت و اہمیت کے ساتھ موجود ہے لیکن انگریزوں، ایرانیوں اور عربوں کی تالیفات میں قطعاً اس کو بیان نہیں کیا گیا ہے تو کیا ان قوموں کے پاس اس کا داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے، مہا بھارت کی لڑائی کو وقوع میں نہ آنیوالا واقعہ تسلیم کیا جائے گا۔

قدیم زمانہ میں ہر طرف ملکوں اور قوموں میں یہ عام دستور نظر آتا ہے کہ لوگ اپنے مذہب اور ملک کے سوا، دوسروں کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے تاریخ نویسی اور علم کا وہ ذوق اور وسیع القلبی جس کا بعدِ ظہورِ اسلام، آغاز شروع ہوا، دنیا میں پہلے نہیں پائی جاتی تھی، نیز اس سلسلہ میں یہ بھی ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے کہ کسی واقعہ کا لکھا ہوا ہونا بھی اس کے وقوع پانے کی دلیل نہیں بن سکتا جس کی مثال امیر حمزہ کی داستان اور ایران قدیم کی تاریخ میں رستم و اسفندیار کے واقعات ہیں کہ جن کے پڑھنے سے ان کا محض افسانہ ہونا خود بخود سمجھ میں آتا ہے

حضرت حسن بصریؒ، حضرت امام غزالیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نسبت معجزۂ شق القمر کی تاویل کی غلط شہرت

مسلمانوں کا وہ طبقہ جو نری عقلیت پرستی کا شکار ہو کر شقِ قمر کو قیامت میں وقوع پانے والا واقعہ سمجھتا تھا، اس نے اپنے مسلک کی تائید میں چند ایسے چوٹی کے علماء کے ناموں کو بہ شدت مشہور کر دیا، جو نہ صرف علمائے ظاہر کے نزدیک امام وقت ہیں بلکہ اہلِ معرفت کے پاس بھی وہ پیشوا اور مقتدیٰ تسلیم کئے جاتے ہیں، لطف یہ ہے کہ منکرین، ان حضرات کی تاویل کی اصل بنیاد کو پیش کرنے سے قاصر ہیں، البتہ ان کی جانب منسوب کئے جانے والے اقوال ہی نقل ہوتے چلے آتے ہیں، یا ان کی بعض عبارتوں سے غلط معانی پیدا کر کے اسے شہرت دی گئی ہے لہٰذا اس کتاب میں ضروری و مختصر تحقیق کے ساتھ اس جزو کو بھی بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ان تین ناموں کی بڑی شہرت ہے:-

(۱) حضرت خواجہ حسن بصریؒ (۲) حضرت امام غزالیؒ (۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(۱) حضرت خواجہ حسن بصریؒ۔ مشائخ چشت کے سرِ سلسلہ ہیں، اور حضرت شاہ ولایتؓ سے خرقۂ خلافت پہنا ہے، آپ کی والدہ ام المومنین حضرت اُمِّ سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی خادمہ رہی ہیں، اور والد کا نسب حضرت خواجہ اویس قرنیؓ سے ملتا ہے آپ نے تقریباً (۱۳۰) اصحابِ کبار کو دیکھا ہے، تابعین میں شمار ہوتے ہیں، (۱۱۰ یا ۱۱۱) ہجری میں وفات پائی۔

ملا علی قاری اپنی شرح شفاءِ قاضی عیاض میں لکھتے ہیں کہ سجاوندی، نسفی اور ابواللیث کی تفسیروں میں ان کی طرف منسوب کردہ قول کہ آپ نے "انشق القمر" کے معنی سینشق عند الساعۃ" فرمائے ہیں اس کو موضوع و باطل قرار دیا ہے[1]۔ اسی طرح ابی حیان اندلسی نے بحر محیط میں وضاحت کی ہے کہ "خطب حذیفہ بالمدائن، ثم قال ألا ان الساعۃ قد اقتربت وان القمر قد انشق علی عہد نبیکم ولا التفات الی قول الحسن، ان المعنی اذا جاءت الساعۃ انشق القمر بعد نفخۃ الثانیہ ولا الی قول من قال ان انشقاقہ عبارۃ عن انشقاق الظلمۃ عند طلوعہ فی اثنا ءھا .... وہٰذہ اقوال فاسدۃ[2]"۔

(۳) اور حضرت امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) کی بھی کسی کتاب کا حوالہ نہیں لمذا سیرۃ النبی جلد سوم صـ۵۶۶ کو صـ۱۰۳ کے ساتھ ملا کر بغور پڑھنے کے بعد خیال گزرتا ہے کہ شاید امام موصوف کے رسالہ "المنقذ من الضلال" کی ایک عبارت سے ایسا نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، ہم اصل عبارت مع ترجمہ ذیل میں پیش کرتے ہیں، عنوان ہے "القول فی حقیقۃ النبوۃ واضطرار کافۃ الخلق الیھا"۔

فان وقع لک الشک فی شخص معین انہ نبی ام لا، فلا یحصل الیقین الا بمعرفۃ احوالہ اما بالمشاہدۃ او بالتواتر والتسامع، فانک اذا عرفت الطب والفقہ یمکنک ان تعرف الفقہاء والاطباء بمشاھدۃ احوالھم وسماع اقوالھم وان لم تشاھدھم۔

تمہیں کسی شخص معین کی نبوت کے متعلق یہ تردد ہو کہ یہ نبی ہے یا نہیں تو اس کا یقین نہیں اس شخص کے حالات کی جانچ اور معرفت سے ہو سکتا ہے، اگر (زندہ ہے) تو مشاہدہ سے، ورنہ پھر خبر متواتر سے اور سن کر حاصل کیا جا سکتا ہے (جیسے کہ) اگر تم کو طب اور فقہ سے واقفیت ہے تو تمہارے لئے ان کے حالات کے مشاہدہ یا ان کے اقوال کو سن کر انہیں پہچان لینا ممکن ہے اگرچہ وہ موجود نہ ہوں۔

ولا تعجز ایضا عن معرفۃ کون الشافعی رحمۃ اللہ

اور اسی طرح تم شافعی رحمۃ اللہ کے فقیہ

---

[1] شرح الشفا لعلی القاری مطبوعہ مصر صـ۵۸۳ ۱۳۰۸ھ [2] تفسیر بحر محیط جلد (۸) صـ۱۷۶ (مصر)

فقيها وكون جالينوس طبيبا معرفة بالحقيقة لا بالتقليد عن الغير بان تتعلم شيئا من الفقه والطب وتطالع كتبهما وتصانيفهما فيحصل لك علم ضروری بحالهما۔

ہونے اور جالینوس کے طبیب کامل ہونے کو تقلیداً نہیں بلکہ اپنی تحقیق کے ذریعے پہچان سکتے ہو، اگرچہ تم کو فقہ وطب میں ان سے کچھ سیکھنے کا موقع ہی نہ ملا ہو، ان دونوں کی کتابوں اور تصنیفوں کے مطالعہ سے تم کو ان دونوں کے ضروری حالات کا علم ہو جائے گا۔

فكذلك اذا فهمت معنى النبوة فاكثر النظر فی القرآن والاخبار يحصل لك علم الضروری بكونه صلی اللہ علیه وسلم علی اعلی درجات النبوة۔

پس اسی طرح اگر تم نبوت کے مقام کو سمجھنا چاہو، اور قرآن وحدیث پر تمہیں کثرت فکر ونظر حاصل ہے تو پھر تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے کس بلند درجہ پر فائز ہیں اس کا ضروری علم آجائے گا۔

واعضد ذلك بتجربة ما قاله فی العبادات وتاثيرها فی تصفية القلوب وكيف صدق قوله

اور اس علمی تجربے سے تم کو مدد ملے گی کہ آپ نے عبادات کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا قلب کے پاکیزہ کرنے میں کتنا زبردست اثر ہے اور آپ کا قولِ مبارک کتنا سچا ہے۔

فمن ذلك الطريق فاطلب اليقين بالنبوة لا من قلب العصاء ثعبانا وشق القمر فان ذلك اذا نظرت اليه وحده ولم تنضم اليه القرآئن الكثيرة الخارجة عن الحصر ربما ظننت انه سحر وتخييل...... وتردعليك مسالة المعجزات۔[1]

نبوت کے بارہ میں یقین حاصل کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے نہ کہ لاٹھی کے اژدھا بن جانے یا چاند کے شق ہونے کی بنا پر (نبی تسلیم کیا جائے) کیوں کہ اگر تم دوسرے کثیر خارجی قرائن ملائے بغیر تنہا صرف معجزات کو دیکھو گے تو شاید شبہ پیدا ہو کہ یہ خیال بندی اور جادوگری ہے۔

---

[1] رسالہ المنقذ من الضلال مطبوعہ بمبئی حسب فرمائش مرزا محمد شیرازی ص ۸۴/۸۵۔

فان کان مستند ایمانک کلاما منظوماً فی وجہ دلالۃ المعجزۃ فینجزم ایمانک بکلام مرتب فی وجہ الاشکال والشبہۃ علیھا فلیکن مثل ہٰذہ الخوارق احدی الدلائل والقرائن فی جملۃ نظرک[1]

یہ نہایت ضروری ہے کہ تمہارا ایمان خوارق کے بارہ میں یہ نہ ہو کہ یہی سب کچھ ہیں بلکہ یہ ہونا چاہیئے کہ من جملہ دوسرے دلائل و قرآئن کے ایک دلیل و قرینہ یہ بھی ہیں۔

اگر ہمارے گمان کے مطابق اسی عبارت کی بناء پر غزالی کو بھی اس صف میں شریک کر لیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں معجزۂ شق القمر کی تاویل کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، ان کا روشن و واضح مسلک احیاء العلوم (باب دہم اور بیان سیزدہم) سے ظاہر ہو جاتا ہے جس کا عنوان ہے "بیان معجزاتہ وآیاتہ الدالۃ علیٰ صدقہ"

"فلنذکر من جملتھا ما استفاضت بہ الاخبار واشتملت علیہ الکتب الصحیحۃ اشارۃ الیٰ مجامیعہا من غیر تطویل بحکایۃ التفصیل فقد خرق اللہ عادۃ علیٰ یدہ غیر مرۃ اذا شق لہ القمر بمکۃ لما سئلتہ قریش آیۃ[2]"

اور ہم آپ کے معجزات میں سے ان کا ذکر کرتے ہیں، جو احادیث اور کتب صحاح میں ثابت، اور جن کا ذکر موجود ہے اور ان کو بغیر سارا قصہ بیان کئے، مختصراً لکھتے ہیں، من جملہ ان کے، چاند کا پھٹ جانا ہے، مکہ میں جبکہ آپ سے قریش نے معجزہ طلب کیا تھا۔

(۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ کی نسبت مولانا سلیمان ندوی نے سیرۃ النبی کی جلد معجزات میں تحت عنوان "شق قمر" یہ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں، لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا، چنانچہ حضرت انس کی روایت کے یہ الفاظ ہیں .... فاراھم انشقاق القمر فرقتین۔

---

[1] رسالہ المنقذ من الضلال مطبوعہ بمبئی حسب فرمائش مرزا محمد شیرازی صفحہ ۸۴، ۸۵۔

[2] احیاء العلوم جلد دوم صفحہ ۳۴۳ مطبوعہ مصر۔

ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گزر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہہ دینا چاہتے ہیں، شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیتِ الٰہی تھی، یعنی ان منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی احادیث میں یہ ہے کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ درحقیقت چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں، یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلافِ عادت تصرف کر سکتا ہے وہ خود چاند میں بھی خلاف عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چوں کہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کے لئے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لئے یہ آیۂ ثبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی، اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں "شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اسکا نظر نہ آنا ہی مصلحتِ الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا، جیسا کہ اور سیکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں، جیسا کہ ...... علم بدءِ خلق (کیسو گریفی) اور نیچرل ہسٹری میں مذکور ہیں، لیکن جب اہلِ مکہ کے علاوہ جو شہر مکہ میں تھے یا باہر قافلہ میں تھے، صرف ان ہی کو نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"۔[1]

گو مذکورہ عبارت میں معجزہ کے فی الواقعی ظہور کے اقرار کی ہی روح کارفرما ہے لیکن اس میں مختلف پیرایۂ بیان اور مختلف طریقوں سے ادائے مطلب کے ایسے نمونے آگئے ہیں جو متضاد محسوس ہوتے ہیں اگر سیرۃ کی یہ جلد (سوم) سنہ ۱۹۲۴ء میں

---

[1] سیرۃ النبی مولانا سید سلیمان ندوی جلد سوم ص ۵۷۶ طبع سوم مطبوعہ معارف اعظم گڑھ۔

نکلی ہے تو "خطبات مدراس" (پہلی دفعہ ۱۹۲۶ء میں چھپے ہیں، اس کے افتتاحی اوراق میں جس انداز سے جناب سید صاحب نے معجزۂ شق القمر کا تذکرہ فرمایا ہے وہ ان کی آخری اور پختہ رائے پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ وہ بھی عقیدۂ جمہور وصحیح سے قطعی طور پر وابستہ ہیں۔ چناں چہ خطۂ مدراس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"مدراس کی سرزمین پورے ہندوستان میں سب سے پہلا صوبہ ہے جہاں اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے آکر چمکیں، اور یہ اس وقت ہوا جب ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی اسلام کے کسی سپاہی کا قدم نہیں پڑا تھا، معجزۂ شق القمر کے چاند کی روشنی تھی جو بحر عرب سے گزر کر بحر ہند کے اس ساحل تک پہنچی اور دلوں کو روشن کر گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی براءت سے قبل اولاً مولانا ندوی کی اس رائے پر ان کے ایک ہم عصر محترم مولانا بدر عالم (علیہ الرحمہ) کی تنقید کو بھی ہم یہاں درج کرتے ہیں، تاکہ دو مستند اہل علم کی آراء سے ناظرین کتاب مستفید ہو سکیں، اور ان کا ایقان صحیح مرکز پر جا رہے:۔

اہل مکہ کی آنکھوں میں کسی ایسے تصرف کا احتمال جس کی وجہ سے صرف ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آنے لگا، خواہ واقعہ میں اس کے دو ٹکڑے ہوئے ہوں، یا نہ ہوئے ہوں، ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر نظر بندی ہے، کیا نظر بندی آنکھوں میں تصرف ہی کا نام نہیں، کیا انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں اس قسم کی نظر بندی کا احتمال جائز تصور کیا جا سکتا ہے اگر یہاں بھی یہ تصور جائز سمجھا جاتا ہے تو دین کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ رسولوں کے متعلق یہ شبہ کبھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں کے سامنے کوئی عمل کر کے دکھائیں اور خارج میں اس کا کوئی وجود بھی نہ ہو، وہ حقیقت کے ترجمان ہوتے ہیں، اس لئے ان کا کوئی قول و فعل حقیقت سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ امور جو قدرت ان کی صداقت کے لئے نشانی اور دلیل قرار دے، اس مقدس گروہ کو احتمالات کی بجائے واقعاتی دنیا میں دیکھنا چاہیے، حالانکہ سیر معراج عالم غیب کا مشاہدہ

کرانے کے لئے تھی، اس کے باوجود جنھوں نے یہاں انکار کی راہ اختیار کی، ان کی تحمیق (احمق ہونا) قرآن نے اپنے ان الفاظ میں کی ہے :-

افتمٰرُونہ علیٰ مَا یریٰ (تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا) پس جس طرح رسول کے دیکھنے میں یہ احتمال پیدا نہیں ہو سکتا کہ جو اس نے دیکھا حقیقت کے خلاف دیکھا تھا، اسی طرح اس کے معجزات میں بھی یہ شبہ نکالا نہیں جا سکتا کہ جو اس نے دکھایا، وہ حقیقت کے خلاف دکھایا تھا، معجزہ حق و باطل کی تمیز کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اور تلبیس کے لئے ...... قرآنی الفاظ سامنے رکھیے انشق القمر قرآن کریم کے اس لفظ سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ یہاں جو تصرف ہوا وہ خود چاند ہی کے اندر رہا۔ اور حقیقتاً ہوا۔ لغتِ عرب میں خود چاند کے پھٹنے کے لئے اس سے زیادہ صاف اور صریح لفظ کوئی اور نہیں ہے، یہاں اس کا اشارہ بھی نہیں کہ چاند میں تصرف کے سوا، اس واقعہ میں دیکھنے والوں کی نظروں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا، پھر جیوں کہ یہ تصرف خارقِ عادت تصرف تھا اس لئے آپ نے بغرض تاکید فرمایا اشھدوا، اشھدوا (گواہ رہو، گواہ رہو) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں اہلِ مکہ کی آنکھوں میں بھی کوئی تصرف ہو گیا تھا[1] تو چاند کی طرف اشارہ کر کے کیا آپ کا اہلِ مکہ کو گواہ بنانا درست ہوگا۔

پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ یہاں اہلِ مکہ نے جس معجزہ کے دیکھنے کی خواہش کی تھی، کیا وہ معجزہ ایسا تھا جس کا تعلق خود ان کی آنکھوں سے ہو، یا وہ کوئی واقعی معجزہ چاہتے تھے، روایات میں موجود ہے کہ اس معجزے کی صحت کے لئے انھوں نے باہر والوں کی شہادت کو ایک معیار مقرر کر لیا تھا، کیونکہ آنکھوں کا تصرف اگر ہوگا تو وہ صرف حاضرین پر ہو سکتا ہے، غائبین پر نہیں ہو سکتا۔

---

[1] نیز خدائے تعالیٰ صرف موجود الوقت لوگوں کی آنکھوں میں تصرف کے واقعہ کو، قربِ قیامت کا سبب کیسے فرما سکتا تھا (مقالہ نگار)۔

اس لئے اگر باہر سے آنے والے قافلے بھی شق القمر کی شہادت دیں تو اس معجزہ کے صحیح ہونے پر یقین کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی صورت کو معجزہ سمجھتے تھے جس میں انکی آنکھوں کے تصرف کا کوئی احتمال پیدا نہ ہو سکے، نیز معجزہ اگر طلب کیا تھا تو منکرین قریش نے طلب کیا تھا، اگر یہاں کوئی تصرف ہوتا تو اُن کی آنکھوں میں ہوتا جو منکرین تھے، مخلصین و صحابہ نہ اس کے طالب تھے نہ انکی آنکھوں میں یہ تصرف مناسب تھا، حالانکہ یہاں حضرت ابن مسعودؓ اور ان کے چند ہمراہی بھی اس کے مشاہدہ کرنے والوں میں شریک ثابت ہوتے ہیں۔ حیرت ہے کہ صورت واقعہ کے نقل کرنے والے نے اس واقعہ کے حقیقی واقعہ ہونے کے لئے جتنے واضح سے واضح الفاظ استعمال کئے، تاویل کرنے والوں نے اتنے ہی بعید سے بعید احتمالات اس میں نکال کھڑے کئے، راوی کہتا ہے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوا، اور اتنا صاف ہوا کہ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑی کے اس طرف، اور دوسرا دوسری طرف نظر آنے لگا، آپ نے حاضرین کو اس پر گواہ بھی بنایا...... کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد ہمیشہ اس معجزہ کا ذکر بھی ہوتا رہا، مگر مدت العمر یہ عُقدہ کھل ہی نہ سکا کہ اس شب میں صرف آنکھوں کی الٹ پھیر ہو گئی تھی اور کچھ نہ تھا، اگر اس معجزہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر اس کا نام شق القمر کے بجائے اعماء البصر مناسب تھا۔ کما قال تعالیٰ فی سورۃ محمدؐ :- اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمٰی ابصارھم (یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا، پھر ان کو بہرا کر دیا، اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا)۔

اگر بالفرض یہ باطل احتمالات تسلیم بھی کر لئے جائیں تو اب سوال یہ رہتا ہے کہ کیا یہی احتمال دوسرے معجزات میں بھی جاری ہوگا، مثلاً یہ کہ "استوانۂ حنانہ" میں کیا قدرت نے فی نفسہٖ گریہ وزاری کی صفت پیدا فرما دی تھی ...... معجزات میں جواب صرف ایک ہے اور ایک ہی ہونا چاہیئے کہ یہاں

نہ کسی کے کانوں میں کوئی تصرف کیا گیا تھا، نہ آنکھوں میں .... ٹھیک حقیقت ہی حقیقت تھا، پھر شق القمر کے متعلق بھی جواب صرف یہی ہوگا کہ یہاں چاند حقیقتاً ہی دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔[۵]

مولانا سید سلیمان (ندوی) نے معجزہ کی تاویل کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا نام کس بنیاد پر لیا ہے، اس کا انھوں نے کوئی حوالہ درج نہیں فرمایا ہے لیکن ہم نے جب خود تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ شاید حضرت کی کتاب تفہیمات الٰہیہ کی ایک عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہو، نیز شاہ صاحب کے عہد کی بعض کتابوں کے مطالعہ سے بھی ظاہر ہوا کہ آپ کے مخالفین نے خواہی نخواہی معجزہ کی تاویل کرنے والوں میں ان کو مشہور کر دیا تھا۔

غرض تفہیمات کی اصل عبارت یہ ہے:۔

"واما المعجزات الجزئیة کالدعا للمرضیٰ وزیادة الطعام والشراب۔

اور "معجزات جزئیہ" جیسے کہ بیماروں کے لئے شفایابی کی دعا کرنا کھانے اور پینے کی چیزوں میں اضافہ کا ہو جانا ہے۔

اما شق القمر فعندنا لیس من المعجزات انما ھو من اٰیات القیامة، کما قال اللہ تعالےٰ اقتربت الساعة وانشق القمر ولکنہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر عنہ، قبل وجودہٖ فکان معجزة من ہذا السبیل"۔

لیکن شق قمر ہمارے نزدیک ایسے معجزات (جزئیہ) میں داخل نہیں ہے اور وہ تو (کفار کی طلب پر دکھائے جانے والے معجزہ سے زیادہ) قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ خود خدائے تعالیٰ کا قول اقتربت الساعة وانشق القمر (اس کی دلیل) ہے۔

لیکن (اس کے باوجود) قیامت کے وجود سے پہلے اسکی پیشگی خبر دینے کی رو سے بھی دیکھا جائے تو (ایک اور) معجزہ ہے

---

۵ ترجمان السنۃ جلد چہارم ص۷۸ تا ۸۰۔

(یعنی معجزہ در معجزہ ہے[1])

کتاب سیف الماضی کے مؤلف مولوی عبداللہ صاحب نے عبارت مسطورۂ بالا کی وضاحت میں لکھا ہے کہ معجزات کی دو قسمیں ہیں، ایک معجزہ جزئیہ کہ رسول کی ذات سے سرزد ہونے کے باوجود، غیر نبی، یعنی اولیائے کرام سے بھی ایسا ہی ظہور ممکن اور جائز ہوتا ہے جیسا کہ کھانے پانی کا کثیر ہو جانا، پانی کا برسنا وغیرہ۔

دوسری قسم معجزہ کی وہ ہے کہ سوائے نبی کے، اولیاء اللہ سے ممکن نہیں، اور نہ ہی جائز، جیسے کہ قرآن کریم و شق قمر۔ پس شاہ صاحب نے اس مقام پر معجزۂ شق القمر کے معجزۂ جزئیہ ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت کو بغور پڑھا جائے تو آپ کو اس میں یہ بہت لطیف اور اعلیٰ درجہ کی وضاحت نظر آئے گی کہ ممدوح یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ شق قمر میں قرآن کی ہی رو سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ اس میں "معجزۂ رسالت محمدیہ" کی حیثیت ثانوی ہے اور خدا کی اصل حکمت، چاند کو شق کر کے قرب قیامت کی خبر دینا مقصود خاص معلوم ہوتا ہے۔ تب ہی تو ذکر معجزہ پر، اقتربت الساعۃ کو مقدم فرمایا چنانچہ ہماری اس رائے کی صداقت پر گواہ خود یہ آیۂ شریفہ ہے، مثلاً یوں سمجھئے کہ اگر کوئی کہے کہ قرآن حکیم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، پھر جب اس کا ذہن اس سے زیادہ قوی امر کو محسوس کرتا ہے تو یہ کہنے لگتا ہے یہ تو صرف خدا کی کتاب ہے۔

حضرت شاہ صاحب فتح الخبیر میں فرماتے ہیں:-

انشق القمر علی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم فرقتین

اور تفسیر فتح الرحمٰن میں بھی شقِ قمر کا اقرار فرمایا ہے، جس سے آپ کا پختہ مسلک ظاہر و ثابت ہے، آپ کے ایک جلیل القدر صاحب زادے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے والدِ محترم پر لگائے گئے الزامات کے جواب میں ایک رسالہ "شق قمر" بزبانِ فارسی تحریر فرمایا ہے لیکن افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں یہاں دستیاب نہ ہو سکا اور ہم اس کے استفادہ سے محروم رہے۔

---

[1] تفہیماتِ الٰہیہ جلد دوم ص ۵۷ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

اب اس کتاب کے آخری حصہ میں ہم آپ کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس زمانہ میں عرب کے باہر کی دنیا پر اس معجزہ کا کیا اثر ہوا، دیگر ممالک کا تو کوئی ریکارڈ ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ ہم نے اس کی تحقیق کی طرف کوئی توجہ کی، البتہ اپنے ملک ہندوستان میں اس کے جو ثبوت ہمیں دستیاب ہوتے ہیں اُن کو تحقیق و تلاش کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

اصل واقعات سنانے سے پہلے یہ ضروری نظر آتا ہے کہ عہد نبوت میں عرب و ہند کے تعلقات پر ایک "تاریخی طائرانہ نظر" ڈال لی جائے تاکہ ان واقعات کی اصلیت تاریخی شواہد کے ساتھ سامنے آ سکے۔

(ب) معجزۂ شق القمر اور ہندوستان

عرب اور ہند کے تعلقات پر سرسری نظر

محققین نے بتایا ہے کہ حضرت مسیحؑ سے کوئی دو ہزار سال پہلے سے عرب تجارت کرتے چلے آرہے تھے، چنانچہ مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ بین الاقوامی تاریخ میں سب سے پرانی کتاب، توراۃ ہے، اس میں حضرت یوسفؑ کے عہد میں عرب تاجروں اور ان کے قافلوں کا ذکر ملتا ہے، (پیدائش ۳۷: ۲۵)۔

ایک طرف تو ان کا ملک غیر زرعی اور بے آب و گیاہ ہے تو دوسری طرف مشرق و مغرب کے ملکوں کے درمیان ان کی سرزمین کے جغرافی محل وقوع نے انھیں تجارت میں مشغول کر دیا تھا۔

(۱) مصر کے سامنے اور ملک شام کے بازو ـــــ صوبۂ حجاز واقع ہے جس کا سمندر بحر احمر ہے۔

(۲) ایران اور عراق کے سامنے ـــــ عمان و بحرین کے صوبے ہیں جن کے لئے خلیج فارس کا سینہ کھلا ہوا ہے۔

(۳) افریقہ و ہندوستان کا ملک ـــــ یمن و حضر موت کے روبرو پڑتا ہے اور بحیرۂ عرب سے گزرنے کی سہولتیں حاصل ہیں۔

سمندری جہاز ہندوستان کے ساحل سے چل کر یمن کی بندرگاہ پہنچتے تھے، اور وہاں سے سامان اونٹوں پر لد کر خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے کنارے شام و مصر جاتا تھا اور براہِ خشکی کشمیر و قنوج وغیرہ شہروں سے تجارت جاری تھی تو بحری جہاز سندھ، ملیبار اور سیلون جایا کرتے تھے۔ الغرض واسکو دی گاما کے ہندوستان پہنچنے (۹۰۴ھ / ۱۴۹۸ء) تک ہند کی تجارت کے تنہا عرب مالک تھے، یونانیوں کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بحر احمر کے دہانہ پر واقع ایک جزیرہ میں، جو شاید سقوطرہ ہو،

عربوں اور یونانیوں کے ساتھ ہندوؤں کی بھی آبادی تھی۔

مؤرخ فرشتہ کا یہ بیان ہے کہ اسلام سے پہلے ہندوستان کے برہمن خانہ کعبہ اور دیگر بت خانوں کی زیارت کے لئے ہمیشہ عرب میں آمدورفت رکھتے تھے:۔

"براہمۂ ہندوستان پیش از ظہورِ اسلام، جہت زیارت خانۂ کعبہ و پرستش اصنام، آں جا ہمیشہ آمد و شد می کردند"۔[1]

ہندی تجارت کے چار مرکز تھے، سراندیپ، مالدیپ[2]، ملیبار[3]، کارومنڈل (معبر)[4]

ملیبار کا مرکز ہندوؤں کے پرانے زمانہ میں "کرالا" کہلاتا تھا، بعد کو اس کا نام ملیبار ہوا۔ ملی بمعنی پہاڑ اور بار بمعنی ملک، اس کی حد عرب جغرافیہ نویس، گجرات کے خاتمہ سے کولم (واقع ٹراونکور) تک بتاتے ہیں، بعضوں نے کہا ہے کہ راس کماری (راس کامران) سے گوآ تک کا مشرقی ساحل ملیبار کہلاتا ہے۔ عرب کے قدیم جہاز رانوں میں شہر کولم بہت مشہور تھا، یہاں سے جہاز عدن جایا کرتے تھے، اس شہر میں مسلمانوں کا ایک محلہ آباد ہو گیا تھا اور ان کی ایک جامع مسجد بھی تھی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد بھی عربوں کے سوا کچھ یہود و نصاریٰ بھی بحری تجارت کیا کرتے تھے ان میں سے بعضوں نے ملیبار کے شہروں میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، یہاں تک کہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔

پیش از ظہورِ اسلام، و بعد از ظہورِ اسلام، طائفہ یہود و نصاریٰ برسم تجارت، از راہ دریا، بداں دیار آمد و شد می کردند و بعضے در شہر ہائے ملیبار ساکن شدہ منازل و بساتین ساختند و بایں نہج بود تا زمانِ طلوع آفتاب رسالت"۔[2]

کارومنڈل کا مرکز عربوں میں معبر کے نام سے مشہور تھا، جو ملیبار کی دوسری جانب کا ساحل ہے۔

ہندوستان کے جن جن مقامات کے لوگوں سے عربوں کے تعلقات یا کاروبار رہے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم مقالہ ہشتم صفحہ ۳۱۱ در بیان حکام مملکت سندھ [2] تاریخ فرشتہ جلد دوم مقالہ یازدہم صفحہ ۳۶۷ در بیان حکام ملیبار مطبوعہ (نول کشور پریس)۔

یا ایسے ہندوستانی باشندے، جو ان کے شہروں میں آباد ہو گئے تھے، ابتدائی دور کی عربی تالیفات میں ان کا حسب ذیل ناموں سے ذکر ملتا ہے جس سے ہندوستان و عرب کے تعلقات کی وسعت کا ایک اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

زُط - جاٹوں کو کہا جاتا تھا۔

مَید - سواحلِ کوکن و گجرات کے رہنے والے تھے جو سمندری ڈاکو بن گئے تھے۔

تکاکرہ - ٹھاکر کا معرب ہے، سندھ اور پنجاب کے جنگجو قبیلوں کے لوگ تھے۔

بیابجہ - ساکنانِ سندھ (شاید سیاہ بچہ کا معرب ہے)

احامرہ، اساورہ، بیاسرہ جو مسلمان ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے عرب ان کے واسطے یہ الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، مولانا ندوی نے عجائب الہند (مولفہ بزرگ بن شہریار متوفی ۳۰۰ھ) صفحہ ۱۶۵ کے حوالے سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ہندوستان کے جو ہندو بیوپاری، سندھی، ملتانی اور گجراتی تجارت میں مشغول تھے، ان کو عرب بانانیہ (بنیا) کہا کرتے تھے[۱]۔ جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) عربی ادب کا مشہور ادیب اپنے رسالہ "فخر السودان علی البیضان" (کالوں کو گوروں پر فضیلت) میں لکھا ہے کہ صرافی اور روپے کے کاروبار اور خزانہ و نقدی کی حفاظت کا کام مسلمان ہندوستانیوں کے سوا کسی اور سے نہیں لیتے ہیں، اور عراق میں جتنے صراف موجود ہیں، سب کے یہاں خزانچی خاص سندھی ہوگا، یا کسی سندھی کا لڑکا۔ کیوں کہ ان کو حساب و کتاب و صرافی کے کاموں سے فطری مناسبت ہے، پھر یہ ایماندار اور وفادار ملازم ہوتے ہیں[۲]۔

مذکورہ تجارتی تعلقات کے قطع نظر، خود حضور رسول الثقلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت آدم علیہ السلام کے باعث اور مسلمانوں کو اپنے ہادی برحق کے ارشادات کی وجہ سے، ہندوستان سے گہری دلچسپی اور قلبی لگاؤ تھا چنانچہ احادیث اور قرآن مجید کی تفسیروں میں جہاں حضرت آدمؑ کا ذکر آتا ہے، وہاں یہ بیان ملتا ہے کہ حضرت آدمؑ جب جنت سے نکالے گئے تو ان کو خدائے تعالیٰ نے سراندیپ کے جزیرہ پر اتارا، چنانچہ ان کا نشانِ قدم، اس کے ایک پہاڑ پر موجود

[۱و۲] عرب و ہند کے تعلقات ص۸۵ و ص۱۲۰۔

ہے، مولانا ندوی نے ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ان مصنفین نے سراندیپ کی بجائے نزول آدم کا مقام دجنا تحریر کیا ہے شاید یہ دکھنا کا معرب ہے، ایک حدیث یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر جگہ مکہ ہے اور سب سے عمدہ مسجد، مسجد اقصیٰ اور سب سے اچھا جزیرہ سراندیپ ہے۔

چند اور اہم شواہد ملاحظہ ہوں:۔

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) میں ایک حدیث میں روایت کیا گیا ہے جس میں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا تو ان میں حضرت موسیٰ مجھے جاٹوں کے جیسے جسم والے آدمی نظر آئے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رایت موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم و اما موسیٰ فآدم جسیم سبط کانہ من رجال الزط[1]" یعنی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور جاٹوں سے واقف تھے اور انھیں ملاحظہ فرما چکے تھے۔

بخاری نے اپنی دوسری کتاب الادب المفرد (باب بیع الخادم) میں ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ بیمار ہوئیں تو ان کے بھتیجوں نے ان کا ایک جاٹ طبیب سے علاج کرایا تھا[2]

ترمذی شریف میں (تحت ابواب الامثال) حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک روایت درج ہے، جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند خاص شکل کے لوگوں کو دیکھ کر ان کا جو حلیہ بیان کیا ہے تو ان کو جاٹ لوگوں کے چہروں سے تشبیہ دی ہے[3]

آزاد بلگرامی نے اپنے رسالہ شمامۃ العنبر (عربی) میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب جذب القلوب (فارسی) کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ حضور نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں بنی حارث پر حضرت خالد کو نجران بھیجا وہ لوگ ایمان لے آئے

---

[1] بخاری شریف پ ۱۳۔ حدیث نمبر (۶۵ب) [2] الادب المفرد (مصر) ص ۳۵۔
[3] ترمذی شریف جزو ثانی ص ۱۴۳ مصر۔

اور جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ اہلِ ہند جیسے کون لوگ ہیں (ارسل رسول اللہ خالداً علیٰ بنی حارث بہ نجران فاسلموا و جاءوا الی رسول اللہ فلما نظر الی وفدھم قال من ھؤلاء کانھم رجال الھند)۔

مولانا ندوی نے ابن خلکان اور ابن قیتبہ کی کتاب المعارف کا حوالہ دیتے ہوئے یہ تحقیق بھی بیان کی ہے کہ حضرت امام زین العابدینؓ کی والدہ کے ایرانی نسل ہونے کی شہرت ہے مگر مذکورہ دونوں اصحاب ان کو ایک سندھی نژاد خاتون کہتے ہیں[1]

حضرت علی نے جنگ جمل میں بصرہ کا خزانہ جاٹوں کی نگرانی میں چھوڑا تھا، اور امیر معاویہ نے تو جاٹوں کو شام کے ساحلی شہروں میں آباد کیا تھا[2]

احمد بن طولون (۲۵۴/۲۷۰ھ حاکم مصر، ماموں کے ترکی غلام کا بیٹا) نے اپنی لڑکی کو جو جہیز دیا تھا، اس میں کہا جاتا ہے کہ ستر ہزار ہون سونا بھی شریک تھا اور ہون دکن کا مشہور طلائی سکہ تھا جو ۴ ۱/۴ روپے انگریزی کے برابر ہوتا تھا[3]

جب پیغمبر اسلام مکہ میں مبعوث ہوئے اور خاص طور پر جب معجزۂ شق القمر رونما ہوا تو عرب سے نکل کر آپ کی شہرت دور دراز ملکوں میں بہت تیزی سے پھیل گئی اور ہر طرف اس کے چرچے اور غلغلے بلند تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت سے ہی ہندوستان پر ۱۵ ہجری میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی کے بھائی حاکم بن ابی العاص کا تھانہ (بمبئی) اور بھروچ (گجرات) پر حملہ، مورخین کے نزدیک مسلم ہے۔

سراندیپ والوں کو جب آپ کی نبوت کا حال معلوم ہوا، تو انھوں نے اپنے ایک سمجھدار آدمی کو تحقیقِ حال کے لئے عرب بھیجا، اس کے مدینہ پہنچنے تک حضورؐ کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت عمرؓ کا زمانۂ خلافت تھا، ان کے نمائندہ نے خلیفہ وقت سے ملاقات کی اور تفصیلی معلومات کے بعد جب لوٹ رہا تھا تو راستہ میں بمقام مکران (بلوچستان) اس کا انتقال ہو گیا، اس کے ہمراہ ایک خادم بھی تھا، وہی سراندیپ واپس پہنچا، اور اس نے اپنے ملک کے لوگوں کو وہاں کا سارا حال کہہ سنایا۔

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص۴۱ جلد اول [2] تاریخ الحدیث صارم سیوہاروی ص۷۶ بحوالہ تاریخ طبری ج۳ ص۱۲۸

[3] مسلمانوں کا ہند میں نظام تعلیم و تربیت، مولانا مناظر گیلانی ص۴۲ بحوالہ کتاب سیوطی حسن المحاضرہ جلد ۲

حضورؐ کے اور خلیفۂ اسلام کے حالات سن کر یہ لوگ بیحد متاثر ہوئے، کہا جاتا ہے کہ چار سو سال تک اس جزیرہ والوں پر اس سفارت کا اثر رہا، اور یہاں کے لوگ مسلمانوں سے محبت رکھتے تھے اور فرشتہ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ۲۰۰ھ میں یہاں کا ایک راجہ مسلمان ہوگیا تھا[۱]

یہ امر بھی کافی مشہور ہے کہ اس جزیرہ کے راجہ نے بعض مسلمانوں کو جہاز میں سوار کرا کے، جو عرب روانہ کیا تھا تو اسے سندھ کے بحری ڈاکوؤں (مَید) نے لوٹ لیا اور عورتوں کو گرفتار کر لیا تھا اور اسی واقعہ کے باعث محمدؐ بن قاسم نے ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کیا۔

ایک اور راجہ کا حال ابن حجر (متوفی ۸۵۲ھ) نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں لکھا ہے، جس کا نام راجہ سرباتک تھا، اور جو حاکم قنوج تھا[۲] گمان کیا جاتا ہے کہ حضورؐ نے اس کے پاس حذیفہؓ، اسامہؓ اور صہیبؓ کو بھیجا، اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حافظ ابن حجر نے اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اور ذھبی نے اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے۔

مستدرک حاکم میں ایک ہندوستانی راجہ کے دربار نبویؐ میں زنجبیل (سونٹھ) کے تحفہ بھیجنے کا بھی ذکر ملتا ہے، لیکن ذھبی اس حدیث کے راویوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے ہیں[۳]

خود کولم میں اثری یادگاروں میں ایک صحابی حضرت تمیمؓ کا مزار موجود مانا جاتا ہے، جس کی سارے ہندوستان میں شہرت ہے۔ نیز تاریخ الحدیث میں صدارم سیوہاروی نے لکھا ہے کہ یہ صحابی تمیم داری نہیں بلکہ دوسرے ہیں[۴]

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم مقالۂ ہشتم ص ۳۱۱ [۲] الاصابہ جلد دوم ص ۱۲۱ و جلد سوم ص ۱۷۷ مطبوعہ مصر [۳] عرب و ہند عہد رسالت میں، مولفہ مولانا قاضی اطہر مبارکپوری ص ۱۵۸ [۴] تاریخ الحدیث ص ۷۶

(ج) ہندوستان میں کن لوگوں نے اس معجزہ کا مشاہدہ کیا

ہندوستان میں جن لوگوں نے معجزۂ شق القمر دیکھا، اور اس سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا، کم از کم تین افراد کا حال قدیم کتابوں میں محفوظ ہے جسے ہم یہاں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) راجہ بھوج والی دھار (ملک مالوہ)

رسالۂ شق القمر مؤلفہ نجف علی خاں[۱] میں، بحوالہ رسالۂ شق القمر مؤلفہ حضرت حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ و بحوالہ تاریخ فضلی اور سوانح الحرمین یہ لکھا ہے کہ

---

[۱] یہ رسالہ بحکم نواب محمد علی خاں والی ٹونک بزبانِ فارسی سنہ ۱۲۹۲ھ میں مطبع حسینیہ بنارس سے چھپا ہے جس کے ۱۱۲ صفحات ہیں، ہمارے اس مقالہ کے سلسلہ میں نواب صاحب مرحوم کا تذکرہ ضروری ہے جنہوں نے شق القمر کے موضوع پر اور علماء سے بھی کتابیں تالیف کرائیں اور چھپوایا، جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۲۔ السیف الماضی لقطع القول المنکر انشقاق القمر فی الماضی۔ مؤلفہ مولوی عبد اللہ پنجابی ٹونکی ۸۸ صفحات۔ مطبع حسینیہ بنارس۔

۳۔ رسالۂ شق قمر۔ حافظ عبد اللہ مدرس مدرسہ محمدیہ کلکتہ۔ اردو۔ مطبع مفید عام آگرہ، ۱۰۰ صفحات سنہ ۱۲۸۶ھ

۴۔ رسالہ شق قمر۔ حافظ حاجی محمد عبد العلیم۔ عربی۔ مطبوعہ سنہ ۱۲۸۱ھ

نواب صاحب راجستان کی مشہور ریاست ٹونک کے تیسرے حاکم تھے، خود عالم تھے اور علماء و فضلا کی سرپرستی کرتے تھے سنہ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۵ء) میں جانشین ریاست بنے لیکن تین سال بعد انگریزوں نے ناراض ہوکر ان کو معزول کر دیا، اور ریاست سے باہر، بنارس میں انکی اقامت تجویز کی، یہاں ۳۰ سال تک مقیم رہے اور سنہ ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) کو یہیں انتقال کیا، تصنیف و تالیف سے بڑی دلچسپی تھی، خود بھی کتابیں لکھیں، فن حدیث و سیرت سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، علمی کاموں میں اپنی دولت کا بڑا حصہ خرچ کیا، اور دین کی بہت عمدہ خدمات انجام دیں۔

ملکِ دھار کا راجہ، جس رات واقعۂ شقِ قمر رونما ہوا، اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا اس نے اس واقعہ کو بچشمِ خود دیکھا، اور برہمنوں کو بلا کر اس کی حقیقت دریافت کی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ملکِ عرب میں ایک نبی ظاہر ہوگا تو اس سے یہ معجزہ رونما ہوگا۔ راجہ نے پہلے تو واقعہ کی تحقیق کی، اس کے بعد مسلمان ہوگیا اور اپنا ایک ایلچی حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا، قبر اس کی اب تک اسی شہر کے باہر زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے۔

افسوس کہ ہمیں یہاں حیدرآباد میں باوجود تلاش کے مذکورہ تینوں کتابیں دستیاب نہ ہوسکیں، اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے رسالہ کا تو بعد کے کئی علماء نے اپنی کتابوں میں حوالہ دیا ہے۔

"دھار"[۱] قدیم شہر ہے، جو صوبۂ مالوہ میں واقع ہے، اس راجہ کا نام بھوج تھا جسے لوگوں نے اس بکرماجیت کی اولاد سے بتایا ہے جس کے سنہ بکرمی کا ہندوستان میں رواج ہے، راجگانِ مالوہ کے بیان میں فرشتہ نے لکھا ہے کہ یہ راجہ قوم پوار سے تھا اور اس نے (۵۰) سال تک حکومت کی، اور سیر المتاخرین نے بیان کیا ہے کہ یہ راجہ بڑا علم و فن کا پرستار اور بڑی داد و دہش کیا کرتا تھا۔ اس کے عہد میں (۵۰۰) منتخب دانش مند حاضرِ دربار رہتے تھے[۲]

۲۔ بابا رتن ہندی

معجزۂ شقِ قمر کا معائنہ کرنے والی دوسری شخصیت بابا رتن کی ہے جن کی ذات

---

[۱] مولانا ندوی نے تحریر فرمایا ہے کہ دھار کا اور اوزین (اجین) کا طول بلد و عرض بلد بیرونی نے بھی بیان کیا ہے، اور قانونِ مسعودی مقالۂ پنجم میں بھی اس کا حوالہ ہے (عرب و ہند کے تعلقات ص۱۳۱) اہل ہند کا خیال تھا کہ جو خط لنکا کے نصف النہار کا ہے وہی مالوہ کے شہر اجین سے گزرتا ہے چنانچہ بعد ہندوستان میں اسی اجین سے طول بلد کا حساب ہے، عربوں نے اسی کا تلفظ ازین کیا، پھر (ز) کا نقطہ اڑ کر "ارین" ہوگیا اور یہیں سے یہ اصطلاح پیدا ہوئی کہ "ارین" ہر محل اعتدال کا نام ہوا، جیسا کہ شریف جرجانی کی کتاب تعریفات (ص مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ) میں لکھا ہے اور بعض عرب گمان کرتے تھے کہ یہی شہر قبۃ الارض ہے (عرب و ہند کے تعلقات ص۱۴۱)

[۲] سیر المتاخرین جلد اول ص۳۲ حالات صوبہ مالوہ)۔

علماء میں موضوع بحث رہی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے لسان المیزان (عربی) میں باوجود اعتماد نہ کرنے کے شاید احتیاطاً ان کے حالات کو جگہ دی ہے، ہم بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے آپ کے سامنے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں :-

مجھ سے حسین بن محمد کے جد نے کہا کہ میں لڑکپن میں اپنے باپ اور چچا کے ساتھ بغرض تجارت، خراسان سے ہندوستان کے سفر پر نکلا، اس وقت میری عمر سترہ سال کی تھی، ہم ہند سے لوٹتے وقت اثنائے راہ میں ایک پہاڑی کے پاس پہنچے تو یہاں قافلہ ٹھہر گیا اور ہم لوگ اتر پڑے جب شور و غل کی آوازیں آنے لگیں تو ہم نے اس کی نسبت دریافت کیا تو کہا گیا کہ یہاں ایک بوڑھا آدمی شیخ رتن رہتا ہے، ہم نے پہاڑی کے بازو سے دیکھا تو ایک بڑا درخت نظر آیا کہ جس کے نیچے ایک مجمع کھڑا تھا، اہل قافلہ بھی اس درخت کے پاس پہنچے، ہم نے ایک بڑی زنبیل (شاید ٹوکرا یا صندوق جیسی کوئی چیز ہو) دیکھی جو درخت کی ایک شاخ سے معلق لٹک رہی تھی، اس کے بارہ میں لوگوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ شیخ رتن کی زنبیل ہے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے اور جنھیں چھ مرتبہ حضور نے طول عمر کی دعا دی تھی۔

ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ ان کو نیچے اتار دو تاکہ ہم بھی گفتگو کا موقع پا سکیں پس ایک معمر آدمی آگے بڑھا اور اس زنبیل کو چرخی کے ذریعے اتارا تو ہم نے شیخ کو روئی کے درمیان لیٹا ہوا دیکھا جو بہت کمزور تھا، چہرہ کھولا گیا تو ہم نے ان کے کان پر اپنا منھ رکھ کے کہا، اے دادا! ہماری جماعت خراسان سے یہاں آئی ہے، جس میں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے شرفاء بھی شامل ہیں۔

ہم نے ان سے خواہش کی کہ وہ بیان کریں کہ انھوں نے کس طرح حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور حضور نے ان سے کیا کیا فرمایا۔ یہ سن کر شیخ نے ایک سانس بھری اور فارسی زبان میں شہد کی مکھی کی آواز کے مانند (یعنی بہت باریک آواز میں) بات کی، اور کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ بغرض تجارت سفر حجاز پر گیا تھا اور اس وقت میں جوان تھا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نبوت سے قبل اپنے ملنے کا قصہ بیان کیا، جب ہمارا کام پورا ہو گیا تو ہم مکہ سے ہندوستان لوٹ آئے اور اس پر ایک مدت گزر گئی۔

چاندنی راتوں میں سے ایک رات میں نے دیکھا کہ چاند دو نصف ٹکڑوں میں شق ہوگیا، ایک ٹکڑا مشرق میں غروب ہوگیا، اور دوسرا مغرب میں، تورات کی سی سیاہی چھاگئی، پھر ہر ٹکڑا اپنی جگہ عود کر کے مل گیا یعنی جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہوگیا۔ پس ہم نے مسافرین سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس سے اس کی قوم نے معجزہ طلب کیا تھا تو انھوں نے چاند کو شق کر کے بتایا۔

اس کے بعد میں نے زادِ راہ تیار کی اور مکہ کا سفر اختیار کیا اور حضورؐ سے ملاقات کی تو انھوں نے مجھے پہچان لیا۔ لیکن میں نے ان کو نہیں پہچانا، اس وقت آپکے ہاتھوں میں کھجور کا طبق تھا۔ پس آپ نے فرمایا اے بابا! میرے قریب آؤ۔ پھر شیخ نے اپنے مسلمان ہونے کا قصہ بیان کیا اور کہا کہ حضورؐ نے مجھے دعا دی کہ اللہ تعالےٰ تیری عمر میں برکت دے، اور اس دُعا کو چھ بار دہرایا، جسے اللہ تعالےٰ نے قبول فرمایا اور ہر دعا کے بدلے میں مجھے سو سال کی عمر بخشی، پس اب میں چھ سو سال سے زاید عمر کا ہوں، اس مقام کے تمام لوگ میری اولاد اور پوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ واقعہ قابلِ اعتماد نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ شیخ رتن کی وفات سنہ ۶۳۱ھ میں ہوی۔ ان کا نام تین طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ تحقیق کر سکیں۔

رتن بن ساہوک بن جکندریق الہندی البترندی

رتن بن نصر بن کربال السوتدی

رتن بن مہادیو بن باسدیو

حافظ صاحب نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان سے (۳۰۰) تین سو حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، جسے رتنیات کہا جاتا ہے بضمن تحریر واقعات، بطور تنقید ایک سوال بھی کیا ہے کہ محمود غزنوی جب ہند پر حملہ آور ہوا تھا تو اس زمانہ میں ان کا ذکر کیوں نہیں آیا اور یہ کہاں تھے؟[1]

صاحب سیر المتاخرین نے بھی اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ

---

[1] لسان المیزان جلد دوم صفحہ ۴۵۰ تا ۴۵۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد۔

مجد الدین فیروز آبادی، شیخ علاؤ الدین سمنانی اور خواجہ محمد پارسا ان کے مداح تھے یہ بترندہ میں ہی پیدا ہوئے تھے اور وہیں مرے[1]

ہم سمجھتے ہیں کہ بترندہ غالباً بھٹنڈہ کی معرب شکل ہے جو پنجاب میں واقع ہے۔

نزہۃ الخواطر میں بحرِ ذخار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابوالرضا رتن پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں پیدا ہوئے، جب سن رشد کو پہنچے تو ان کے دل میں مرشدِ کامل کی تلاش کا شوق پیدا ہوا، اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے اپنے اللہ کے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، تو یہ سن کر مکہ مکرمہ گئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کیا، اور آپ سے فیض حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے، اس کے بعد چھ سو سال زندہ رہے، بھٹنڈہ میں ان کی قبر ہے[2]

شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحبِ قاموس نے رتنِ ہندی کے وجود کی تصدیق کی ہے، صلاح الدین صفدی نے ذہبی کے انکار کی مخالفت کی ہے، اور فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ میں رتن ہندی کے وطن میں جا چکا ہوں، بے شمار لوگوں میں نسلاً بعد نسل ان کا تذکرہ نقل ہوتا چلا آتا ہے، ان کے حالات الاصابہ جلد (۱) ص ۵۱۵ تا ص ۵۲۰ میں بھی درج ہیں[3]

ملفوظات مولانا شاہ عبد العزیز صاحبؒ میں یوں لکھا ہے کہ:-

"حضرت نے فرمایا کہ یہ تاریخ فرشتہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ راجہ بھوج جو اجین کا راجہ، بکرا جیت کی نسل سے تھا۔ اس نے معجزۂ شق قمر خود اپنی آنکھ سے دیکھا، اور اپنے دربار کے نجومیوں سے اس واقعہ کے متعلق دریافت کیا کوئی نجومی جواب نہ دے سکا، اور وہ کہنے لگے کہ اس قسم کے خسوف وکسوف کا ہماری کتابوں میں کہیں ذکر نہیں ہے، راجہ کو اس پر اطمینان نہ ہوا، پھر اس نے ہر جگہ سے یہ خبر سنی کہ ایک ذاتِ گرامی عرب میں (پیدا ہوئی) ہے جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور عربوں کے طلب کرنے پر شق القمر کا

---

[1] سیر المتاخرین جلد اول ص ۲۷۱ [2] نزہۃ الخواطر جلد (۱) ص ۱۴۷

[3] "عرب و ہند عہدِ رسالت" میں مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ص ۱۶۲/۱۶۳

معجزہ دکھایا، یہ ثابت ہے کہ سحر کا اثر آسمان پر نہیں ہو سکتا، راجہ نے اس واقعہ کا بڑا اثر لیا، اور اسلام سے اس کو محبت و رغبت پیدا ہو گئی، اس نے اپنے دربار کے تین نفوس بابا رتن زنار دار، اور اپنا باورچی، اور بطور امتحان کچھ چیزیں، پائجامہ، اور پان اور ہندی زبان میں گفتگو کی آرزو کرتے ہوئے یہ تحائف بھیجے، جب یہ لوگ مکہ معظمہ پہنچے اور آں حضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آں حضرتؐ نے ان کو کھیمر کسل فرما کر خطاب کیا اور تحفے طلب کئے اور ازار بند اور اسباب برگ تنبول از قسم سرتی طلب فرمائی یعنی پائجامہ کے لئے ازار بند، اور پان کے لئے اس کے لوازمات طلب کئے، بابا رتن نے یہ نقشہ دیکھ کر وہیں قیام کیا، اور دوسرے ساتھی خوشی خوشی وطن لوٹ گئے، چنانچہ بابا رتن بعد وصال آں حضرتؐ شہر فلاں ہند جو مشہور و معروف ہے لوٹ آئے اور مقیم ہو گئے۔ دوسرے راجہ نے بھی مشاہدہ شق القمر کیا، وہ بھی اسلام کا گرویدہ ہو گیا۔[۱]

۳۔ راجہ ملیبار (سامری)

اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لانے والوں میں، ہندوستان کے دیگر لوگوں سے زیادہ اس راجہ کی شہرت ہے، ملیبار کی ایک پرانی تاریخ، عربی زبان میں فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہے، جس سے مورخ فرشتہ نے بھی استفادہ کیا ہے اور اس کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں درج ہے کہ:-

کدن کلور (CARAN GANOAE - CODAN KALCOR) میں مسلم صوفی فقراء کی ایک جماعت پہنچی، جو بغرض زیارت "قدم آدمؑ" سراندیپ جا رہی تھی تو یہاں کے راجہ نے ان لوگوں کو بلایا، اور ان سے اسلام کا حال معلوم کیا، اور جب معجزہ شق القمر کے واقعات سنے تو اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا، اور فقراء کو مجبور کیا کہ وہ زیارت کے بعد پھر اس کے یہاں واپس آئیں، جب یہ لوگ واپس

---

[۱] ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبد العزیزؒ ص ۱۶۷ مطبوعہ کراچی سنہ ۱۹۶۰ء)۔

آئے تو اس کو عشقِ نبوی ﷺ نے مکہ شریف حاضر ہونے پر مجبور کیا، اور انہی لوگوں کے ساتھ، مخفی طور پر مکہ مکرمہ روانہ ہوا، لیکن جب مقام شحر[1] پر پہنچا تو ایسا بیمار ہوا کہ مر گیا اور مرنے سے پہلے رفیقانِ سفر کو چند وصیتیں کیں، جو لوگ ہمراہ تھے ان میں سے ایک کا نام شرف بن مالک تھا اور ان ہی کے بھائی مالک بن دینار تھے، اور ان کے چچا کا بیٹا مالک بن حبیب بن مالک بھی ساتھ تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ واقعات ملیبار کے غیر مسلم لوگوں میں بھی ابھی تک مشہور ہیں، مالک تو خراسان واپس چلا گیا اور وہاں مر گیا، یہ واقعات میرے گمان میں دوسری صدی ہجری کے بعد کے ہیں، اور یہاں ملیبار کے مسلمانوں میں "زمانہ سرکار ﷺ" کے جو مشہور ہیں، کہ وہ معجزۂ شق القمر دیکھ کر، حضور ﷺ کی خدمت میں گیا تھا اور شحر واپس آ کر مرا صحیح نہیں معلوم ہوتے، اور یہ بھی یہاں مشہور ہے کہ وہ شحر میں نہیں بلکہ ظفار کے مقام پر دفن ہے اور یہاں کے باشندے راجہ کو سامری کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور راجہ کے غائب ہونے پر مسلم و غیر مسلم دونوں متفق ہیں۔[2]

تاریخ فرشتہ میں متذکرۂ صدر کتاب سے زیادہ اس واقعہ کی تفصیلات پائی جاتی ہیں غالباً فرشتہ کو اپنے زمانہ میں اس کا زیادہ مکمل نسخہ ملا ہوگا، یا ممکن ہے اور ماخذات بھی

---

[1] یہ بحرِ عرب کے ساحل پر حضر موت اور عمان کے بیچ میں واقع ہے جہاں قدیم زمانہ میں ہر سال نصف شعبان سے تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔ [2] فتح المجاہدین ص ۱۶ مرتبہ حکیم سید شمس اللہ قادری مطبوعہ حیدر آباد سنہ ۱۹۳۱ء اس کتاب کے مؤلف شیخ زین بن عبد العزیز کا سنہ ۹۹۳ھ میں انتقال ہوا ہے اس میں ۹۰۴ھ سے لے کر ۹۹۲ھ تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ملیبار کے جنوبی خطہ میں کالی کوٹ کے نیچے، ساحل سمندر پر ایک شہر فنان کہلاتا ہے نویں صدی ہجری کے اواخر ایام میں (جبکہ دہلی پر سلطان بہلول لودھی، اور دکن میں محمد شاہ بہمنی سوم کی حکومت تھی مصنف کا خاندان یہاں آ کر آباد ہوا۔ اس خاندان کا مقبرہ جس پر تانبے کا قبہ بنا ہوا ہے اب تک موجود ہے کہتے ہیں کہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی (۹۰۹ تا ۹۷۴ھ) اس جگہ آچکے ہیں مصنف نے اپنی کتاب کا دیباچہ علی عادل شاہ اول والی بیجاپور (۹۶۵ھ تا ۹۸۸ھ) کے نام پر لکھا ہے، اس کتاب کا ترجمہ انگریزی اور پرتگیزی زبانوں میں سنہ ۱۸۳۳ء و ۱۸۹۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کے پیش نظر رہے ہوں۔

فرشتہ ابتداء میں مسلمان فقراء کا وہی حال لکھتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ راجہ نے جب ان لوگوں سے معجزۂ شق القمر کے واقعات سنے تو کہا کہ اے لوگو! یہ بہت قوی معجزہ ہے اور اگر سچا ہے اور جادو نہیں ہے تو اس کو نزدیک اور دور کے لوگوں نے ضرور دیکھا ہوگا اور ہمارے ملک میں تو یہ دستور ہے کہ جب کبھی کوئی بڑا واقعہ رونما ہوتا ہے تو ارباب قلم اس کو کتابوں میں لکھ لیا کرتے ہیں، چناں چہ ہمارے پاس اپنے باپ دادا کے وقت کے دفاتر موجود ہیں، میں ان کو منگا کر دیکھوں گا اور فقراء سے کہا کہ میں ضرور تمہاری صداقت کی جانچ کروں گا۔ اس کے بعد اہلِ دفتر کو بلا کر حکم دیا کہ وہ حضور کے عہد کا (یعنی اس سنہ کا) ریکارڈ پیش کریں، جب راجہ نے یادداشتوں کو دیکھا اور اس میں یہ لکھا ہوا پایا کہ فلاں تاریخ چاند دو ٹکڑے ہو کر مل گیا، تو یہ تصدیق دیکھ کر اس کے قلب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا البتہ اپنی قوم کے امراء ورؤسا کے ڈر سے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور مسلمانوں کو بھی پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی، اور فقراء کو بہت کچھ انعام و اکرام سے سرفراز کیا، اور خواہش کی کہ وہ بعد زیارت قدمِ آدم پھر یہاں آئیں، بعدِ فراغت جب یہ جماعت حسبِ وعدہ کدن گلور واپس آئی تو سامری کو بہت خوشی ہوئی اور ان کی بڑی تعظیم و تکریم اور بہت خدمت کی، پھر ان کے ہمراہ مکہ شریف و مدینہ طیبہ کی حاضری کا عزم کیا۔

چوں کہ کھلے طور پر ایسا نہ کر سکتا تھا، اس لئے ایک تدبیر اختیار کی، اولاً مسلمانوں کو رقم دے کر ہدایت کی کہ وہ سفر کے لئے کشتی کی مضبوطی اور کافی زادِ راہ کا انتظام کریں، پھر ایک دن ارکانِ دولت اور خاندان کے بڑے لوگوں کو جمع کر کے، ان سے کہا کہ مجھے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونے کا بہت شوق پیدا ہو گیا ہے، اس لئے چند دن میں تنہائی اور گوشہ میں بیٹھ کر خالق کی قربت اور مخلوق سے دوری اختیار کرنا چاہتا ہوں، اور اس زمانہ میں چوں کہ میں تم لوگوں سے نہیں مل سکوں گا، اس لئے میری خواہش ہے کہ میں تمہیں اپنے قلم سے انتظاماتِ ملک کے لئے ایک دستور العمل لکھ کر دوں تا کہ سرکاری کام (مہماتِ شاہی) اس کے مطابق چلا سکو، اور مجھ سے پوچھنے کی نوبت نہ آئے، یہ سن کر اہلِ دربار نے اسے بہت کچھ سمجھایا، بالآخر اس کے مصمم ارادے کی وجہ سے مجبور ہو گئے، اور قسم کھائی کہ ہم آپ کے حسب خواہش عمل کرتے رہیں گے، راجہ نے ملیباری خط میں یہ دستور العمل لکھ کر دیا تھا۔

سامری نے دستور العمل کی تحریر کے بعد ان لوگوں سے کہا کہ میں فلاں مقام پر عبادت کروں گا، ایک ہفتہ تک وہاں میرے پاس کوئی نہ آئے، پھر رات کے وقت مسلمانوں کے ہمراہ کہ ان کے سرگروہ مالک بن حبیب تھے، کشتی میں سوار ہوکر مکہ روانہ ہوا، جب اہلِ ملیبار ایک ہفتہ کے بعد، اس مقام عبادت پر پہنچے تو وہاں سامری کو موجود نہ پایا، ان تمام نے بالاتفاق یہ کہا کہ ہمارا راجہ سامری آسمان پر چلا گیا ہے اور پھر واپس اتر آئے گا۔ اسی وجہ سے اب تک کہ ۱۰۱۵ھ ہے، اہلِ ملیبار اس مقام پر ایک مقررہ رات میں جمع ہوکر جشن مناتے ہیں، پانی اور کھڑاؤں وہاں رکھتے ہیں، تاکہ اگر راجہ آسمان سے اتر آئے تو اس کو یہ دونوں ضروری چیزیں موجود ملیں۔

ادھر سامری اپنے ملک سے نکل کر، بندرگاہِ قندریہ پہنچا، اور یہاں ایک رات اور دن قیام کیا، پھر یہاں سے بندرگاہِ شحر پر اترا تو مرض الموت میں گرفتار ہوگیا اور اپنے تمام ہمراہیانِ سفر کو بلاکر کہا کہ میری انتہائی دلی آرزو ہے کہ ملیبار میں دینِ اسلام کا رواج ہو، تمہاری شرافت و رفاقت اور جذبۂ ایمانی سے مجھے امید ہے کہ تم لوگ تاجرانہ حیثیت میں پھر ملیبار واپس جاؤ گے، اور وہاں تدبیر سے سکونت اختیار کرو گے، اور تبلیغ دین کی سعئ بلیغ کرو گے، ان لوگوں نے کہا کہ جب تم ہی وہاں نہ ہوں گے تو ہم لوگوں کا جانا بے سود ہوگا، اور ٹکنا تو اور بھی مشکل نظر آتا ہے، کیوں کہ اہلِ ملیبار اور وہاں کے یہود و نصاریٰ ہم سے مذہب کے باعث شدید عداوت رکھتے ہیں، اور ہمیں کسی طرح آنے جانے اور رہنے نہ دیں گے۔

سامری نے غور کے بعد اپنے قلم سے اپنے رشتہ داروں اور امراء کے نام ایک فرمان لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے میں نے تم لوگوں سے جدائی اختیار کی ہے لیکن عنقریب تم سے ملاقات میسر ہوگی، چاہیئے کہ مجھے موجود تصور کرو، اور دستور العمل سے ہرگز تجاوز نہ کرو، اس وقت سردار، مالک بن حبیب اور نیک لوگوں کی ایک جماعت جو نہایت سلیم الطبع، اور حق پرستوں پر مشتمل ہے اور جس سے کسی شرارت و بدنفسی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، سیر اور تجارت کی غرض سے تمہارے ملک میں آئی ہے، میری سفارش کے مطابق اس کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرو۔

سامری نے یہ فرمان مسلمانوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ میرے مرنے کی اور تمہارے

ساتھ سفر کرنے کی اطلاع کو چھپائے رکھو، اور یہ فرمان حاکم کدن کلور کو لے جا کر دو، پھر اس کے بعد سامری نے اپنا جو سامان ساتھ تھا ان لوگوں پر تقسیم کر دیا، اور اسکے بعد اس کا انتقال ہو گیا، اور بندرگاہِ شحر ہی میں مدفون ہوا۔

لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سامری نے حضورؐ کے عہد میں خود شق قمر کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور معتبر لوگوں کے ذریعے اس واقعہ کی تحقیق کرائی تو اسے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہؐ نے دعوائے نبوت کیا ہے، اور شق قمر ان ہی کا معجزہ ہے اسکے بعد کشتی پر سوار ہو کر حجاز پہنچا اور حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، اور خانہ کعبہ کی زیارت کی، اور حضورؐ سے واپسی کی اجازت لے کر وطن لوٹا، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ جب شہرِ ظفار پہنچا تو ایک مہلک مرض میں گرفتار ہو کر فوت ہو گیا، اور اب اس کی قبر اسی شہر میں ہے، اور لوگ اس کی زیارت و احترام کرتے ہیں، الغرض اس کے ہمراہی مسلمان، شرف بن مالک اور اس کا بھتیجا مالک بن حبیب بن مالک اس کی وصیت کے مطابق ملیبار پہنچے اور سامری کی تحریر حاکم کدن کلور کو پہنچائی[۱]۔

---

[۱] تاریخ فرشتہ (نول کشور پریس لکھنؤ) جلد دوم مقالہ یازدہم دربیان حکام ملیبار ص۳۶۹ راجہ کے مسلمان ہمراہی تو وہ لوگ ہیں جو صحابہ کی جماعت میں شامل نہیں، اور شق قمر کا واقعہ قبل ہجرت کا ہے حضرت مالک دینارؒ مشہور تابعی ہیں اور صوفیاء و اولیائے امت میں ان کا شمار ہوتا ہے، حضرت حسن بصریؒ کے مرید تھے، کشتی میں سوار ہو گئے تھے لیکن کرایہ پاس نہ تھا جب کشتی والوں نے طلب کیا تو ادا نہ فرما سکے ان لوگوں نے خوب مارا پیٹا تو اس حال میں، ان کی کرامت سے دریا کی چند مچھلیاں کشتی کے قریب آئیں، جن کے منھ میں ایک ایک اشرفی تھی، اس واقعہ کے بعد سے ان کا نام ہی مالکِ دینار مشہور ہو گیا۔ ۱۳۸ھ میں انتقال فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے والد کسی کے غلام تھے۔

[۲] تاریخ الحدیث صارم سیوہاروی ص۷۶ پر لکھا ہے کہ کولم میں ایک قبر موجود ہے جس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے "اسمٰعیل بن مالک بن دینار ۱۰۹ھ"

دینار
|
مالک
|
(۱) شرف — (۲) حبیب — (۳) اسمٰعیل
|
مالک (بن حبیب)

مولانا سید سلیمان ندوی نے خطباتِ مدراس کے افتتاحی اوراق میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ "ہمارے ایک نومسلم دوست ڈاکٹر غلام محمد نے کہا کہ انھوں نے خود مدراس آکر ہندو والا کی ایک قلمی سنسکرت کتاب میں بھی اس واقعہ کو بعینہٖ درج پایا اور جس کو انھوں نے چھپوا بھی دیا ہے[1]"

---

[1] راقم مقالہ نے غلام محمد صاحب کے چھاپے ہوئے رسالوں کے بارہ میں دفتر معارف اعظم گڑھ سے خط وکتابت کی تو جواب ملا کہ وہاں اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے، اور نہ ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہیں۔ اسی سلسلہ میں افضل العلماء مولانا محمد یوسف کوکن عمری ام۔اے صدر شعبۂ عربی فارسی، اردو مدراس یونی ورسٹی سے بھی فراہمی معلومات کی درخواست کی تھی، موصوف نے یہ جواب عنایت فرمایا کہ "میں چاہتا تھا کہ ڈاکٹر غلام محمد کے متعلق کچھ معلوم ہو تو آپ کو لکھوں، دریافت سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ "لال گڑی" کے ایک قریے کے تھے جو ترچناپلی کے ضلع میں ہے، معلوم نہیں وہ اب کہاں ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں، وہ ڈاکٹر نہیں تھے، وہ لکھنے پڑھنے والے آدمی تھے اور ان کو ایسی نئی چیزوں کا بڑا شوق تھا، یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ انھوں نے معجزہ شق القمر کے متعلق کیا رسائل لکھے تھے، وہ ٹامل میں لکھا کرتے تھے۔

(معجزۂ شق قمر کی نسبت)

(د) بعض متقدمین کے اشعار

(۱) خواجہ فریدالدین عطارؒ (متوفی ۶۲۷ھ)

ماہ را انگشتِ او بشگافتہ — مہر از فرمانش از پس تافتہ

(۲) مولانا رومؒ (متوفی ۶۷۲ھ)

مصطفےٰ مہ می شگافد نیم شب — ژاژ می خاید ز کینہ بولہب

(۳) سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ)

چو عزمش بر آہیخت شمشیر بیم — بمعجز میانِ قمر زد دو نیم

(۴) شیخ شرف الدین ابو عبد اللہ البوصیری
(صاحب قصیدۂ بردہ متوفی ۶۹۴ھ)

شق عن صدره وشق له البد — ر ومن كل شرط جزاء

اقسمت بالقمر المنشق ان له — من قلبه نسبة مبرورة القسم

وبدر الدجى انشق نصفين عند ما — ارادت قريش منك اظهار اية

(۵) مولانا جامیؒ (المتوفی ۸۹۸ھ)

چو مہ را بر سپہر تیر اشارت — زد از سیا بہ معجز بشارت

دو نوں شد دو رمیم از حلقۂ ماہ — چہل را ساخت شصت او دو پنجاہ

بلے چوں داشت دستش بر قلم پشت — رقم زد خطِ شق بر مہ ز انگشت

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ

ضمیمہ

مجموعہ اصل احادیث شریفہ مع اسناد متعلقہ معجزۂ شق القمر
جن کے اجزا اوراقِ ماقبل میں مختلف مقامات پر منتشر استعمال
ہوئے ہیں

صحیح بخاری [۱]	صحیح مسلم [۲]
جامع ترمذی [۳]	مسند امام احمد حنبل [۴]
مسند ابو داؤد طیالسی [۵]	مستدرک حاکم [۶]
دلائل النبوۃ ابو نعیم [۷]	تفسیر ابن جریر طبری [۸]

بخاری شریف[1]

امام عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی سنہ ۲۵۶ھ

(۱) حدثنا مسدد حدثنا یحییٰ عن شعبہ و سفیٰن عن الاعمش عن ابراھیم عن ابی معمر عن ابن مسعود قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ فوق الجبل و فرقۃ دونہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا۔

(۲) حدثنا علیٌّ حدثنا سفیان اخبرنا ابن ابی نجیح عن مجاھد عن ابی معمر عن عبداللہ قال انشق القمر و نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصار فرقتین فقال لنا اشھدوا اشھدوا

(۳) حدثنا یحییٰ بن بکیر قال حدثنی بکر عن جعفر عن عراک بن مالک عن عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس قال انشق القمر فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنا یونس بن محمد حدثنا شیبان عن قتادہ عن انس قال سال اھل مکۃ ان یریھم اٰیۃ فاراھم انشقاق القمر

(۵) حدثنا مسدد حدثنا یحییٰ عن شعبہ عن قتادہ عن انس قال انشق القمر فرقتین۔

---

[1] پ ۲۷ تفسیر سورۂ قمر ص ۱۰۶ مطبوعہ مطبع احمدی لاہور سنہ ۱۳۲۳ھ مرتبہ مولانا وحید الزماں صاحب

[2] یہ حدیث بخاری نے کتاب المناقب باب "علامات نبوت" میں بھی بیان کی ہے نمبر (۸۳۱)

[3] کتاب المناقب، باب "علامات نبوت" میں بھی یہ حدیث بیان کی ہے نمبر (۸۳۳)

[4] یہی حدیث کتاب المناقب باب "علامات نبوت" میں بیان ہوئی ہے نمبر (۸۳۲)

مسلم شریف[1]

امام مسلم بن الحجاج نیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ

(۱) حدثنا عمرو الناقد وزهیر بن حرب قالا ثنا سفیان بن عیینة عن ابن نجیح عن مجاهد عن ابی معمر عن عبد اللہ قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشقتین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدوا۔

(۲) حدثنا ابوبکر بن ابی شیبہ وابوکریب واسحاق بن ابراہیم جمیعاً عن ابی معاویة وحدثنا عمر بن حفص بن غیاث حدثنا ابی کلاهما عن الاعمش وحدثنا منجاب بن الحارث التمیمی (واللفظ لہ) اخبرنا ابن مسہر عن الاعمش عن ابراہیم عن ابی معمر عن عبد اللہ بن مسعود قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ اذا انفلق القمر فلقتین فکانت فلقة وراء الجبل وفلقة دونہ فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدوا۔

(۳) حدثنا عبید اللہ بن معاذ العنبری حدثنا ابی حدثنا شعبة عن الاعمش عن ابراہیم عن ابی معمر عن عبد اللہ بن مسعود قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلقتین فستر الجبل فلقة وکانت فلقة فوق الجبل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہد۔

(۴) حدثنا عبید اللہ بن معاذ حدثنا ابی حدثنا شعبة عن الاعمش عن مجاهد عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل ذالک

(۵) حدثنی زهیر بن حرب عبد بن حمید قالا حدثنا یونس بن محمد حدثنا شیبان حدثنا قتادہ عن انس ان اهل مکة سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یریهم آیة فاراهم انشقاق القمر مرتین[2]

---

[1] مطبوعہ عامرہ مصر سنہ ۱۳۳۴ھ۔ الجزء السابع باب صفة القیامة صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳

[2] قال العینی وفی مصنف عبد الرزاق عن معمر بلفظ مرتین وکذالک اخرجہ الامام احمد واسحٰق فی مسندیهما عن عبد الرزاق قال القسطلانی ولعل المراد فرقتین جمعاً بین الروایات کما نبہ علیہ فی الفتح۔ قال ابن حجر فی شارحہ علی الہمزة وفی روایة مالو عم تعدد الانشقاق

(برصفحہ آئندہ)

(۶) حدثنا محمد بن المثنی حدثنا محمد بن جعفر وابو داؤد وحدثنا ابن بشار حدثنا یحییٰ بن سعید ومحمد بن جعفر وابو داؤد کلهم عن شعبه عن قتاده عن انس: قال انشق القمر فرقتین وفی حدیث ابی داؤد انشق القمر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم

(۷) حدثنا موسیٰ بن قریش التیمی حدثنا اسحٰق بن بکر بن مضر حدثنی ابی حدثنا جعفر بن ربیعة عن عراك بن مالك عن عبید الله بن عبد الله بن عتبه بن مسعود عن ابن عباس قال ان القمر انشق علی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم

(بسلسلۂ گزشتہ) مرتین وظاهر کلام بعضهم حکایة الاجماع علیه لکن ردبان احدا من ائمة الحدیث لم یجزم بذالك وبان من قال مرتین اراد فرقتین کما فی روایة اوفلقتین کما فی اخریٰ

ترمذی شریف[1]

امام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ

(۱) حدثنا علی بن حجر نا علی بن مسہر عن الاعمش عن ابراھیم عن ابی معمر عن ابن مسعود، قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی علیہ وسلم بمنیٰ، فانشق القمر فلقتین، فلقہ من وراء الجبل وفلقہ دونہ، فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدوا (یعنی اقتربت الساعۃ وانشق القمر) ھذا حدیث حسن صحیح

(۲) حدثنا عبد بن حمید نا عبد الرزاق عن معمر عن قتادہ عن انس قال سال اھل مکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ، فانشق القمر بمکۃ مرتین، فنزلت اقتربت الساعۃ وانشق القمر الی قولہ سحرٌ مستمرٌ، یقول ذاھب (ھذا حدیث حسن صحیح)

(۳) حدثنا ابن ابی عمر نا سفیان عن ابن ابی نجیح عن مجاھد عن ابی معمر عن ابن مسعود قال انشق القمر علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا۔ (ھذا حدیث حسن صحیح)

(۴) حدثنا محمود بن غیلان نا ابوداؤد عن شعبہ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عمر، قال انفلق القمر علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا[2] (ھذا حدیث حسن صحیح)

(۵) حدثنا عبد بن حمید نا محمد بن کثیر نا سلیمان بن کثیر عن حصین عن محمد بن جبیر بن مطعم، عن ابیہ، قال انشق القمر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی صار فرقتین علیٰ ھٰذا الجبل وعلیٰ ھذا الجبل فقالوا سحرنا محمدٌ فقال بعضھم لئن کان سحرنا فما یستطیع ان یسحر الناس کلھم وقد روی بعضھم ھذا الحدیث عن حصین عن جبیر بن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ عن جدہ جبیر بن مطعم نحوہ

---

[1] مطبع مجتبائی - دہلی سنہ ۱۳۰۸ھ جلد ثانی ص۱۶۱ ابواب تفسیر قرآن

[2] یہ حدیث باب الفتن ص۴۴ پر مکرر روایت کی گئی ہے۔

مسند امام احمد[1]

امام احمد حنبل المتوفی ۲۴۱ھ

(۱) [2]حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبۃ عن سلیمان عن ابراہیم عن ابی معمر عن عبداللہ انہ قال فی ہذہ الآیۃ اقتربت الساعۃ وانشق القمر قال انشق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین او فلقتین، شعبۃ الذی یشک فکان فرقۃ من وراء الجبل وفلقۃ علی الجبل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم اشہد۔

(۲) حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ابومعاویۃ ثنا الاعمش عن ابراہیم عن ابی معمر عن عبداللہ، قال انشق القمر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ حتیٰ ذہبت فرقۃ منہ خلف الجبل قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدوا۔

(۳) [3]حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن کثیر قال ثنا سلیمان بن کثیر عن حصین بن عبدالرحمٰن عن محمد بن جبیر مطعم عن ابیہ قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصار فرقتین فرقۃ علی ہذا الجبل وفرقۃ علی ہذا الجبل فقالوا سحرنا محمد فقالوا ان کان سحرنا فانہ لا یستطیع ان یسحر الناس کلہم

---

[1] مطبوعۂ مصر ج(۱) و ج(۴)

[2] تحت احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود ص۴۴۷ ج۱

[3] تحت احادیث حضرت جبیر بن مطعم ص۸۲ ج(۴)

مسند ابوداؤد طیالسی[1]

محمد بن سلیمان بن داؤد المتوفی ۲۰۴ھ

(۱) حدثنا[2] ابوداؤد قال حدثنا یزید بن عطاء عن سماک عن ابراہیم النخعی عن علقمۃ او الاسود عن عبد اللہ فی قول اللہ عزوجل اقتربت الساعۃ وانشق القمر، قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) حدثنا[3] ابوداؤد قال حدثنا ابوعوانۃ عن المغیرۃ عن ابی الضحی عن مسروق عن عبد اللہ قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت قریش ھذا سحر ابن ابی کبشہ فقالوا انتظروا ما تاتیکم بہ السفار فان محمدا لا یستطیع ان یسحر الناس کلھم قال فجاء السفار فقالوا ذاک

(۳) حدثنا[4] ابوداؤد قال حدثنا شعبہ عن قتادہ عن انس قال انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۱ھ

[2] ص ۳۷

[3] ص ۳۸

[4] ص ۲۶۵ یہی حدیث تحت مسند انس بن مالک انصاریؓ مکرر روایت کی گئی ہے۔ ص ۲۶۵

مستدرک حاکم[۱]

ابو عبد اللہ محمد حاکم بن البیع نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ

(۱) اخبرنا ابو منصور محمد بن عبید اللہ الفارسی ثنا محمد بن شاذان الجوہری ثنا محمد بن سعید بن سابق ثنا اسرائل ثنا سماک بن حرب عن ابراہیم النخعی عن الاسود بن یزید عن عبد اللہ فی قولہ عزوجل وانشق القمر قال رایت القمر وقد انشق فابصرت الجبل بین یدی فرجی القمر (ولم یخرجاہ بہذہ السیاقۃ وبہذا اللفظ)

(۲) اخبرنا ابو زکریا العنبری ثنا محمد بن عبد السلام ثنا اسحق انبأ عبد الرزاق انبأ ابن عیینہ ومحمد بن مسلم عن ابن ابی نجیح عن مجاہد عن ابی معمر عن عبد اللہ بن مسعود قال رایت القمر منشقا بشقتین مرتین بمکۃ قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شقۃ علی ابی قبیسٍ وشقۃ علی السویداء فقالوا سحر القمر فنزلت اقتربت الساعۃ وانشق القمر یقول کما رایتم القمر منشقا فان الذی اخبرتکم عن اقتراب الساعۃ حق (ہذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین)

(۳) حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم ثنا ابی ثنا بکر بن مضر حدثنی جعفر بن ربیعۃ عن عراک بن مالک عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس انشق القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا ابراہیم بن مرزوق البصری بمصر ثنا ابو داؤد الطیالسی ثنا شعبۃ عن الاعمش عن مجاہد عن عبد اللہ بن عمر اقتربت الساعۃ وانشق القمر قال کان ذالک علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم انشق القمر فلقتین فلقۃ من دون الجبل وفلقۃ خلف الجبل فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہم اشہد

(۵) حدثنا ابو سعید احمد بن یعقوب الثقفی ثنا احمد بن یحیٰی الحلوانی ثنا سعید بن سلیمان الواسطی ثنا ہشیم انبأ حصین بن عبد الرحمٰن عن جبیر

---

[۱] مطبوعہ دائرۃ المعارف سنہ ۱۳۴۰ھ۔ جلد دوم۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ قمر ص ۴۷۱

من محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ عن جدہ قال انشق القمر ونحن بمکة علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم - قال الحاکم ہذہ الشواہد لحدیث عبد اللہ بن مسعود کلها صحیحة علی شرط الشیخین -

خطبۂ حذیفہ رضی اللہ عنہ بمداین[1]

اخبرنا ابو احمد بکر بن محمد الصیرفی بمرو، ثنا ابو موسیٰ سهل بن کثیر ثنا اسمٰعیل بن علیة عن عطاء، عن السائب عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال نزلنا من المدائن علی فرسخ فلما جاءت الجمعة حضر وحضرت معه فخطبنا حذیفة، فقال ان اللہ عزوجل یقول اقتربت الساعة وانشق القمر الا وان الساعة قد اقتربت الا وان القمر قد انشق، الا وان الدنیا اٰذنت بفراق الا وان الیوم المضمار وغدا السباق، فقلت لابی ایستبق الناس غدا، قال یبنی انك لجاهل انما یعنی العمل الیوم والجزاء غدا، فلما جاءت الجمعة الاخرٰی حضرنا فخطبنا حذیفة فقال ان اللہ عزوجل یقول اقتربت الساعة وانشق القمر اُلا وان الدنیا قد اٰذنت بفراق الا وان الیوم المضمار وغدا السباق الا وان الغایة النار والسابق من سبق الی الجنة (ہذا حدیث صحیح الاسناد)

---

[1] المستدرک - جلد رابع ص ٦٠٩

دلائل النبوۃ ابی نعیم[1]

احمد بن عبد اللہ اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ

(۱) حدثنا احمد بن اسحٰق قال ثنا ابوبکر بن ابی عاصم قال ثنا محمد بن حاتم ابوسعید قال ثنا معاویۃ بن عمرو عن زائدہ عن عاصم عن زر عن عبد اللہ بن مسعود قال انشق القمر فرأیتہ فرقتین

(۲) حدثنا احمد بن اسحاق قال ثنا ابوبکر بن ابی عاصم قال ثنا عبید اللہ بن معاذ قال ثنا شعبہ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عمر و ثنا ابومحمد بن حیان ثنا سھل بن ابی سھل و محمد بن یحیٰی قالا ثنا نصر بن علی قال حدثنی ابی قال ثنا شعبۃ قال اخبرنی الاعمش انہ سمع مجاھدا یحدث عن ابن عمر قال انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا۔

(۳) حدثنا سلیمان بن احمد قال ثنا بکر بن سھل قال ثنا عبد الغنی بن سعید قال ثنا موسیٰ بن عبد الرحمٰن عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس و عن مقاتل عن الضحاک عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر قال ابن عباس اجتمعت المشرکون الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم الولید بن المغیرۃ وابوجھل بن ھشام والعاص بن ابی وائل والعاص بن ھشام والاسود ابن عبد یغوث والاسود بن المطلب بن اسد بن عبد العزیٰ و زمعۃ بن الاسود والنضر بن الحارث ونظراؤھم کثیر فقالوا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کنت صادقا فشق القمر لنا فرقتین نصفا علی ابی قبیس و نصفا علی قیقعان فقال لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فعلت تؤمنوا قالوا نعم وکانت لیلۃ بدر فسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل ان یعطیہ ما سألوا فامسی القمر قد مثل نصفا علی ابی قبیس و نصفا علی قیقعان و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینادی یا اباسلمۃ بن عبد الاسد والارقم بن ابی الارقم اشھدوا۔

---

[1] للامام ابی نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی مطبوعہ دایرۃ المعارف ۱۳۲۰ھ جلد اول ص ۹۵، ۹۶

(٤) حدثنا عبدالله بن جعفر ثنا عامر بن ابراهيم بن عامر ثنا محمد بن عامر عن جدی عامر قال ثنا بشر بن الحسين ثنا الزبير بن عدی عن الضحاك عن ابن عباس قالت جاءت احبار اليهود الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا ارنا اية حتى نؤمن فسال النبی صلى الله عليه وسلم ربه عزوجل ان يريهم اية فاراهم القمر قد انشق فصار قمرين احدهما على الصفا والاخر على المروة قدر ما بين العصر الى الليل ينظرون اليهما ثم غاب القمر فقالوا هذا سحر مستمر۔

(٥) وحدثنا القاضی ابواحمد قال ثنا محمد بن ايوب ثنا علی بن عثمان اللاحقی ثنا محمد بن احمد بن اسحٰق ثنا احمد بن سهل بن ايوب ثنا سهل بن بكار قال ثنا ابوعوانة عن المغيرة عن ابی الضحیٰ عن مسروق عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت قريش هذا سحر ابن ابی كبشة قال فقال انظروا ما ياتيكم به السفار فان محمد الا يستطيع ان يسحر الناس كلهم قال فجاء السفار فقالوا كذلك۔

(٦) حدثنا سهل بن عبدالله و سليمان بن احمد قالا ثنا الحسين بن اسحاق قال ثنا يحيیٰ الحمانی قال ثنا هشيم بن المغيرة عن ابی الضحیٰ عن مسروق عن عبدالله قال انشق القمر ونحن بمكة فقالت كفار قريش سحر سحركم ابن ابی كبشة فانظروا الى السفار ياتونكم فان اخبروكم انهم راوه مثل ما رايتم فقد صدق قال فما قدم عليهم احد من وجه من الوجوه الا اخبرهم بانهم راوه۔

رواه عمر بن ابی قيس عن مغيرة[1] مثله

---

[1] هكذا فی الاصل ولعله هشيم بن المغيرة كما هو فی السند الاول

۳۔ تفسیر ابن جریر الطبری[1]

امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ

(۱) حدثنا بشر، قال ثنا یزید، قال ثنا سعید عن قتادہ عن انس بن مالک ان اھل مکۃ سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم اٰیۃ فاراھم انشقاق القمر مرتین۔

(۲) حدثنا ابن المثنیٰ قال ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبۃ قال ثنا قتادہ یحدث عن انس قال انشق القمر فرقتین۔

(۳) حدثنا ابن المثنیٰ والحسن بن ابی یحییٰ المقدسی قال ثنا ابوداؤد قال ثنا شعبۃ عن قتادہ قال سمعت انسا یقول انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) حدثنی یعقوب دورقی قال ثنا ابوداؤد قال ثنا سعد عن قتادہ قال سمعت انس یقول فذکر مثلہ

(۵) حدثنا علی بن سہل قال ثنا الحجاج بن محمد عن شعبۃ عن قتادہ عن انس قال انشق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین

(۶) حدثنی محمد بن عبد اللہ بن بزیع قال ثنا بشر بن المفضل قال ثنا سعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ عن انس بن مالک ان اھل مکۃ سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم اٰیۃ فاراھم القمر شقتین حتیٰ راؤ حرا بینھما۔

(۷) حدثنی ابوالسائب قال ثنا معاویۃ عن الاعمش عن ابراھیم عن ابی معمر عن عبد اللہ قال انشق القمر ونحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ حتیٰ ذھبت منہ فرقۃ خلف الجبل فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا

(۸) حدثنی اسحٰق بن ابی اسرائیل قال ثنا نضر بن شمیل المازنی قال اخبرنا شعبۃ عن سلیمان قال سمعت ابراھیم عن ابی معمر عن عبد اللہ قال انفلق القمر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فکانت فرقۃ علی الجبل

---

[1] تفسیر جامع البیان للامام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری پ ۲۷ ۔ ص ۵۰ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۳۱ھ

وفرقة من ورائه فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اللهم اشهد ۔

(۹) حدثنا اسحق بن ابی اسرائیل قال ثنا النضر قال اخبرنا شعبة عن سليمان عن مجاهد عن ابن عمر مثل حديث ابراهيم فی القمر ۔

(۱۰) حدثنی عیسی بن عثمان بن عیسی الرملی قال ثنی عمیه یحیی بن عیسی عن الاعمش عن ابراهيم عن اجل عن عبد الله قال كنا مع رسول صلی الله علیه وسلم بمنی فانشق القمر فاخذت فرقة خلف الجبل فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اشهدوا

(۱۱) حدثنی محمد بن عمارة قال ثنا عمرو بن حماد قال ثنا اسباط عن سماك عن ابراهيم عن الاسود عن عبد الله قال رایت الجبل من فرج القمر حين انشق ۔

(۱۲) حدثنا الحسن بن یحیی المقدسی قال ثنا یحیی بن حماد قال ثنا ابوعوانة عن المغيرة عن ابی الضحی عن مسروق عن عبد الله قال انشق القمر على عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت قريش هذا سحر ابن ابی كبشة سحركم فسالوا السفار فسالوهم فقالوا نعم رايناه فانزل الله تبارك وتعالى اقتربت الساعة وانشق القمر

(۱۳) حدثنا ابن حمید قال ثنا جرير عن مغيرة عن ابراهيم عن عبد الله قال قد مضی انشقاق القمر ۔

(۱۴) حدثنی ابوالسائب قال ثنا ابومعاوية عن الاعمش عن مسلم عن مسروق قال قال عبد الله خمس قد مضين الدخان واللزام والبطشة والقمر والروم ۔

(۱۵) حدثنی یعقوب ابن ابراهيم قال ثنا ابن علية قال اخبرنا ايوب عن محمد قال نبئت ان ابن مسعود كان يقول قد انشق القمر قال اخبرنا ابن عليه قال اخبرنا عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی قال نزلنا المدائن فكنا منها على فرسخ فجاءت الجمعة فحضر ابو وحضرت معه فخطبنا حذيفة فقال ألا ان الله يقول اقتربت الساعة وانشق القمر ألا وان الساعة قد اقتربت الاوان القمر قد انشق الا وان الدنيا قد أذنت بفراق الاوان اليوم المضمار وغدا السباق فقلت لابی أتستبق الناس غدا فقال يابنی انك لجاهل انما هو السباق بالاعمال ثم جاءت الجمعة الاخرى فحضرنا فخطب حذيفة فقال الا ان الله تبارك وتعالى يقول اقتربت الساعة وانشق القمر

الا وان الساعة قد اقتربت الا وان القمر قد انشق الا وان الدنيا قد اذنت بفراق الا وان اليوم المضمار وغدا السباق الا وان الغاية النار والسابق من سبق الى الجنة۔

(١٦) حدثنا ابن المثنى قال ثنا محمد بن جعفر، قال ثنا شعبة عن عطاء بن السائب عن ابى عبد الرحمن قال كنت مع ابى بالمدائن قال فخطب اميرهم وكان عطاء يرى انه حذيفة، فقال فى هذه الاية اقتربت الساعة وانشق القمر، قد اقتربت الساعة وانشق القمر، اليوم المضمار وغدا السباق والسابق من سبق الى الجنة والغاية النار قال فقلت لابى غدا السباق قال فاخبره

(١٧) حدثنا ابو كريب قال ثنا ابن فضيل عن حصين عن محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه قال انشق القمر ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة۔

(١٨) حدثنا ابن حميد قال ثنا مهران عن خارجة عن الحصين بن عبد الرحمن ابن جبير عن ابيه وانشق القمر قال انشق ونحن بمكة۔

(١٩) حدثنا محمد بن عسكر قال ثنا عثمان بن صالح وعبد الله بن عبد الحكم قالا ثنا بكر بن مضر عن جعفر بن ربيعة عن عراك عن عبيد بن عبد الله بن عتبة عن ابن عباس قال انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(٢٠) حدثنا نصر بن على قال ثنا عبد الاعلى قال ثنا داؤد بن ابى هند عن على بن ابى طلحة عن ابن عباس قال انشق القمر قبل الهجرة او قال قد مضى ذاك۔

(٢١) حدثنا اسحق بن شاهين قال ثنا خالد بن عبد الله عن داؤد عن على عن ابن عباس بنحوه۔

(٢٢) حدثنا ابن المثنى قال ثنا عبد الاعلى قال ثنا داؤد عن على عن ابن عباس انه قال فى هذه الاية اقتربت الساعة وانشق القمر قال قد ذاك قد مضى كان قبل الهجرة انشق حتى راؤا شقيه۔

(٢٣) حدثنى محمد بن سعد قال ثنى ابى قال ثنى عمى قال ثنى ابى عن ابيه عن ابن عباس قوله اقتربت الساعة وانشق القمر الى قوله سحر مستمر قال قد مضى كان قد انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة فاعرض المشركون وقالوا سحر مستمر۔

(٢٤) حدثنى محمد بن عمرو قال ثنا ابو عاصم قال ثنا عيسى۔

(۲۵) حدثنی الحرث قال ثنا الحسن قال ثنا ورقاء جمیعًا عن ابن ابی نجیح عن مجاهد فی قوله اقتربت الساعة وانشق القمر قال رأوه منشقا

(۲۶) حدثنا ابن حمید قال ثنا مهران عن سفیان عن منصور ولیث عن مجاهد، اقتربت الساعة وانشق القمر قال انفلق القمر فلقتین فثبت فلقة وذهبت فلقة من وراء الجبل فقال النبی صلی الله علیه وسلم اشهدوا

(۲۷) حدثنا ابن حمید قال ثنا مهران عن ابی سنان عن لیث عن مجاهد انشق القمر علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فصار فرقتین فقال النبی صلی الله علیه وسلم لابی بکر اشهد یا ابا بکر فقال المشرکون سحر القمر حتی انشق۔

(۲۸) حدثنا ابن حمید قال ثنا مهران عن ابی سنان قال قدم رجل المداین فقام فقال ان الله تبارک وتعالی یقول اقتربت الساعة وانشق القمر وان القمر قد انشق وقد اذنت الدنیا بفراق الیوم المضمار وغدا السباق والسابق من سبق الی الجنة والغایة النار۔

(۲۹) حدثنا بشر قال ثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادہ اقتربت الساعة وانشق القمر یحدث الله فی خلقه ما یشاء۔

(۳۰) حدثنا ابن عبد الاعلی قال ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادہ عن انس قال سأل اهل مکة النبی صلی الله علیه وسلم اٰیة فانشق القمر بمکة مرتین فقال اقتربت الساعة وانشق القمر۔

(۳۱) حدثت عن الحسین قال سمعت ابا معاذ یقول اخبرنا عبید قال سمعت الضحاک یقول فی قوله وانشق القمر قد مضی کان انشق علی عهد رسول صلی الله علیه وسلم بمکة فاعرض عنه المشرکون وقالوا سحر مستمر۔

(۳۲) حدثنا ابن حمید قال ثنا سلمة عن عمرو عن مغیرة عن ابراهیم قال قد مضی انشقاق القمر بمکة وقوله وان یروا اٰیة یعرضوا یقول تعالیٰ ذکرہ وان یر المشرکون علامة تدلهم علی حقیقة نبوة محمد صلی الله علیه وسلم ودلالة تدلهم علی صدقه فیما جاءهم به عن ربهم یعرضوا عنها فیولوا مکذبین بها منکرین ان یکون حقا یقینًا ویقولوا تکذیبا منهم بها وانکارا لها ان تکون حقا هذا سحر سحرنا به محمد حین خیل الینا انا نریٰ القمر منفلقا باثنین بسحرہ وهو سحر مستمر یعنی یقول

سحر مستمر ذاهب من قولهم قد مر هذا السحر اذا ذهب وبنحوه الذی قلنا فی ذالک
قال اهل التاویل ذکر من قال ذالک ۔

(۳۳) حدثنی محمد بن عمرو قال ثنا ابو عاصم قال ثنا عیسی وحدثنی الحرث قال ثنا
الحسن قال ثنا ورقاء جمیعا عن ابی نجیح عن مجاهد قوله سحر مستمر قال ذاهب ۔

(۳۴) حدثنا بشر قال ثنا یزید قال ثنا سعید عن قتاده قوله وان یروا ایة یعرضوا
ویقولوا سحر مستمر قال اذا رای اهل الضلالة اٰیة من اٰیات الله قالوا انما هذا
عمل السحر یوشک هذا ان یستمر ویذهب

(۳۵) حدثنا ابن عبد الاعلی قال ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادة ویقولوا سحر
مستمر یقول ذاهب ۔

(۳۶) حدثت عن الحسین قال سمعت ابا معاذ یقول ثنا عبید قال سمعت الضحاک
یقول فی قوله ویقولوا سحر مستمر کما یقول اهل الشرک اذا کسف القمر یقولون هذا
عمل السحر ۔

(۳۷) حدثنا ابن حمید قال ثنا مهران عن سفیان قوله سحر مستمر قال
حین انشق القمر بفلقتین فلقة من وراء الجبل وذهبت فلقة اخرٰی فقال المشرکون
حین راوا ذالک سحر مستمر ۔

کاتب ضمیمه : محمد عارف الدین فاروقی ۱۳۸۸ھ

مؤلف کی دوسری کتابیں

۱- اسلامی طب مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن، اپریل ۱۹۳۷ء (م محرم ۱۳۵۶ھ) صفحات (۲۰۷) یونانی طب کی ایک جامع مختصر اور محققانہ تاریخ جو اردو میں پہلی اور اپنے نوع کی واحد تالیف ہے جس میں دورِ اسلامی کے عہد بعہد فنی ترقیوں کے جائزہ کے ساتھ، اطباء کے حالات ان کی تصانیف اور دیگر کارناموں کو بیان کیا گیا ہے۔

۲- ناصر جنگ (شہید) مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن، اپریل ۱۹۴۳ء (م جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ) صفحات (۱۸۰) سلطنت آصفیہ حیدرآباد کے دوسرے حکمران کے خونچکاں سوانح، انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دلیسی والیان ملک میں عداوت باہمی کی تخم ریزی اور سرزمین ہند پر حصولِ اقتدار کے لئے ان کی رسہ کشی کے ایسے ابتدائی اہم حالات کو منظر عام پر لایا گیا ہے کہ جن کے بغیر تاریخ ہند کا دور تشنہ نظر آتا۔

۳- کوہِ نور کی سرگزشت مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس، جولائی ۱۹۴۵ء (م شعبان ۱۳۶۵ھ) صفحات (۱۰۴) مشہورِ عالم ہیرے کے تحقیقی و تاریخی حالات (جو زیر ترتیب کتاب "دکن کے ہیرے اور اُن کی کانیں" کا ایک جزو ہے)۔

۴- قرآن پاک اور آسمانی پروازیں مطبوعہ اعجاز پریس حیدرآباد (آندھرا پردیش) جولائی ۱۹۶۲ء (م صفر ۱۳۸۲ھ) صفحات (۲۱۶) نئے اندازِ فکر کا پہلا انقلابی و تحقیقی مقالہ جس میں عقائد و ایمانیات کی بجائے علمی سطح پر قرآن و حدیث کی روشنی میں فضا، خلاء، آسمانی پروازوں، سائنس، جغرافیہ اور ہیئت وغیرہ کے جدید معلومات کا محققانہ و تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور قرآن حکیم کے بہت سے حیرت ناک اور نئے انکشافات کی دنیائے علم و سائنس کے سامنے نقاب کشائی کی گئی ہے، اس تالیف کے متعلق ذیل میں چند آراء کا اقتباس ملاحظہ ہو:-

(۱) مجلہ البعث الاسلامی (عربی) لکھنؤ، فروری ۱۹۶۲ء --- والکتاب محاولة طيبة فی هذا الموضوع، نرجوا انها ستثمر وتزدهر بحول الله۔

(۲) مولانا عبدالماجد دریابادی (صدق جدید لکھنؤ ۲۴- اگسٹ ۱۹۶۲ء) ایمان کے تحفظ

کی خاطر اس کی اشاعت بڑے سے بڑے پیمانہ پر ہونی چاہیئے۔

(۳) مولانا ابوالحسن علی ندوی (مکتوب مورخہ ۲۹-اکتوبر ۱۹۶۲ء) —— آپ کی ذہانت اور محنت اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوا۔

(۴) رسالہ تجلی دیوبند (اکتوبر ۱۹۶۲ء) —— (مؤلف نے) قرآن کا تفوق مادی ترقیات اور سائنسی تگ و دَو کے میدان میں بھی ثابت کیا ہے، لیکن کوشش کا اندازہ بہت محتاط معتدل اور خوشگوار ہے...... مؤلف ادب و متانت کے ساتھ اپنے وہ خیالات پیش کرتے ہیں، جن پر وہ کافی دماغ سوزی کے بعد پہنچے ہیں، یہ خیالات جان دار بھی ہیں اور دلائل سے مزین بھی۔

(۵) مولانا عبدالسلام قدوائی (رسالہ کتاب نما دہلی نومبر ۱۹۶۲ء) —— اس کتاب کے مطالعہ سے رازہائے کائنات کی عقدہ کشائی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) مولانا عبدالوہاب بخاری (مکتوب ۲۰-نومبر ۱۹۶۲ء) —— موجودہ سائنسی دَور میں قرآنی تعلیمات کو جس "سہل ممتنع" طریقے سے اجاگر کیا گیا ہے، واقعی قابلِ صد آفرین ہے۔

(۷) پروفیسر عبدالقادر سروری (مکتوب یکم فبروری ۱۹۶۳ء) —— یہ سرسری طور پر پڑھنے کی کتاب نہیں ہے، قرآن ہم یوں روز پڑھتے ہیں لیکن ان پہلوؤں کی طرف کبھی توجہ نہیں جاتی تھی جو آپ کی کتاب کا موضوع ہیں، یہ آپ کے لئے یقیناً خدا کی جانب سے اشارہ تھا۔

(۸) روز نامہ آزاد بنگلور (۱۱-جنوری ۱۹۶۴ء) —— (یہ) ایک گنجینۂ حقائق ہے اِس کتاب کو جیسے جیسے پڑھتے جائیے فکرِ انسانی کی گرہیں کھلتی ہوی نظر آئیں گی، اور یہ سوچنا پڑے گا کہ ہم قرآن کی آفاقی حیثیت سے کس قدر نابلد ہیں۔

(۹) رسالہ اسلامک کلچر حیدرآباد دکن (انگریزی) جنوری ۱۹۶۵ء ——

THE BOOK CONTAINS MANY THINGS THAT KEEP THE READER SPELL-BOUND AND SOME OF THE KNOWN THINGS HAVE BEEN SO PRESENTED THAT THY APPEAR QUITE NEW.

.... MR: REHBAR DESERVES CONGRATULATIONS FOR ADDING A COMMENDABLE BOOK TO URDU LITERATURE.

IT IS TO BE HOPED THAT THE AUTHOR WILL PUBLISH MANY MORE BOOKS ON THE SUBJECT AND ENRICH URDU LITERATURE.

(۱۰) مولانا قاضی اطہر مبارک پوری (روز نامہ انقلاب بمبئی ۷۔ مارچ ۱۹۶۵ء) — اس (کتاب) کا مطالعہ قدیم و جدید دونوں طبقوں کے لئے بڑی بصیرت کا باعث ہے، اس میں کہیں جدید ترقیات اور سائنسی انکشافات کے مقابلہ میں نہ مرعوبیت دکھائی گئی ہے اور نہ احساسِ کمتری کو پاس آنے دیا گیا ہے ...... اس کے مطالعہ سے جدید علوم کے مقابلہ کی جراءت پیدا ہوتی ہے۔

(نوٹ) صرف سلسلہ نمبر ۲ و ۴ کی کتابیں مل سکتی ہیں۔

زیرِ ترتیب کتابیں

۱۔ دکن کے ہیرے اور ان کی کانیں، جس میں قبل و بعہد قطب شاہی کانوں کے محل وقوع کی تفصیلات، ہیروں کی تجارت، الماس خریدنے والے سیاحوں کی گولکنڈہ میں آمد، ہیروں کے اپنی کانوں سے نکل کر ساری دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے دلچسپ و عبرت خیز اور دردناک تاریخی حالات، نیز سلاطین بہمنیہ، مغلیہ، آصفیہ اور دیگر سلطنتوں کے پاس جمع شدہ ہیرے جواہر کے ذخیروں کا، قلمی اور نایاب و نادر ریکارڈ کے ذریعے پتہ چلا کر ان کے واقعات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔ سوانح مظفر جنگ، نظام الملک آصف جاہ اوّل کے بعد، دکن کے تیسرے حکمران کے پُر آشوب حالاتِ زندگی، جو ناصر جنگ (ماموں) کے بعد جانشین ہوئے، فرانسیسی اقتدار کی معراج اور اس کی شر انگیزیاں، انگریزوں کی جدوجہد اور ہوشیاری، امرائے دربار اور نظم و نسقِ مملکت کی تباہی، فوج کی بربادی، مال و دولت کی لوٹ، الغرض تاریخِ دکن و ہند کا وہ سیاسی باب، جس کی بنیاد پر برطانوی ہند کی تعمیر ہوئی، اور جس میں مغربی اور دیسی سیاست سے ایسا پردہ اٹھایا گیا ہے کہ جس کی طویل مدتی اور شدتِ گمنامی سے اس کی بازیافت کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔